بھٹکا ہوا راہی

طارق اسمٰعیل ساگر

محمد ادریس آدمی

ضابطہ

ISBN : 969-496-068-1

کتاب	:	مہنگا ہوا راتی
مصنف	:	طارق اسمٰعیل ساگر
موسم اشاعت	:	۱۹۹۸ء
سرورق	:	خالد رشید
مطبع :	:	الساجد پرنٹرز
قیمت	:	180.00 روپے

دوست پبلی کیشنز 8 اے، خیابان سہروردی، پوسٹ بکس نمبر 2958، اسلام آباد۔

فہرست

دیباچہ	۵
ٹکراؤ	۹
سراب	۱۹
جال	۲۸
شکار اور شکاری	۳۸
سیاست اور ------	۴۸
فریب نگری	۵۸
شطرنج کے مہرے	۷۰
ہتھ ٹھوکا	۸۵
قربانی کے بکرے	۹۷
انٹیلی جنس	۱۰۷
آستین کے سانپ	۱۲۳
گھناؤنے کھیل	۱۴۲

دوستی کے نام پر ۱۶۴
بھولا پنچھی ۱۷۷
سانپ کے منہ میں چھپکلی ۱۹۳
صیاد اپنے دام میں ۲۰۲
انکشاف ۲۱۲
خیلے پہ دہلا ۲۲۶
آتش فشاں ۲۳۸
دوسرا روپ ۲۴۸
سازش اور ٹکراؤ ۲۷۹
فاتح ۳۰۸
حملہ ۳۲۴
پارٹ آف گیم ۳۳۵
زمین اور ماں ۳۴۸

دیباچہ

یہ کتاب جو آپ پڑھنے جا رہے ہیں ذرا مختلف ذائقہ رکھتی ہے۔

آپ نے آج تک میری جن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے' ان میں ایمانداری اور اپنی بساط بھر کوشش سے میں نے پاکستان کے دشمنوں کو بے نقاب کیا ہے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ تصویر کا وہ رخ آپ کو دکھاؤں جس کو دیکھنا ہم پسند نہیں کرتے۔

یہ جاننے کے باوجود کہ ----

تلخ حقائق کے سامنے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے ہم بلی کے خطرے کو نہیں ٹال سکتے۔

"بھٹکا ہوا راہی۔" میرے اس مشن کا حصہ ہے----!

یہ آستین کے ان سانپوں کی کہانی ہے جو مادر وطن کو ڈنک لگانے سے کبھی نہیں چوکتے۔

یہ ان خون پینے والی جونکوں کا قصہ ہے جو روپ بدل بدل کر سامنے آئیں اور ملت کے جسد خاکی سے خون چوس کر اپنی پیاس بجھا رہی ہیں۔

ان خونی درندوں کے جو بظاہر بڑے معزز انسانوں کے روپ میں ہمارے سامنے موجود ہیں' کئی نام ہیں۔

کئی حوالے ہیں----!

کئی شناختیں ہیں----!

ان کے آج تک سلامت رہ جانے کا راز بھی شاید یہی ہے کہ انہوں نے خود کو کبھی ایک روپ تک محدود نہیں رکھا----

وقت کے ساتھ ساتھ یہ خون آشام بھیڑیے اپنے چہروں پر نقاب بدلتے رہتے ہیں۔

تاکہ ---- ان کی شناخت ممکن نہ رہے۔

۴۵ سال سے یہ خونخوار درندے پاکستان کے غیور اور سادہ لوح عوام کی رگوں سے خون نچوڑ رہے ہیں۔

ظلمن کی طرح انہوں نے ہماری ملی اقدار و روایات کو چاٹ لیا ہے۔

آج جب کہ ان کے کالے کرتوتوں کے سبب ہم اپنا آدھا ملک گنوا چکے ہیں تو بھی ان کالی دیوی کے پجاریوں کی پیاس نہیں بجھی۔

اور۔۔۔۔!

یہ نفرت' تعصب' منافقت اور ریاکاری کے گھناؤنے حربے سے مسلح ہو کر ایک مرتبہ پھر اپنی تمام تر شیطانی قوتوں کے ساتھ پاکستان کی سلامتی پر حملہ آور ہوئے ہیں۔

بھائی کو بھائی سے لڑا کر' گھناؤنے نعروں کی آڑ میں پاکستانیوں کو آپس میں ٹکرا کر یہ وحشی اپنی سیاست کی دکان چمکا رہے ہیں۔

انہوں نے آج اس عظیم ملک کو جو اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام پر معرض وجود میں آیا تھا' اقوام عالم کی نظروں میں ایک عام سا ملک بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

وہ عظیم قوم جس نے اپنے لہو کے دریا میں تیر کر پاکستان کی منزل پائی تھی۔ آج ان انسان نما درندوں کے ہاتھوں بے بس ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔

لیکن۔۔۔۔!

یہ نہیں جانتے کہ بظاہر جو دکھائی دے رہا ہے وہ سارا سچ نہیں ہے۔ گو کہ ان کی شیطان کاریوں کے ہاتھوں آج باغیرت پاکستانیوں کو دم گھٹتا محسوس ہو رہا ہے۔

لیکن ۔۔۔۔!

ایک لاوا اندر ہی اندر دہک رہا ہے۔

اور جس روز یہ لاوا پھٹے گا۔۔۔۔

ان سب شیطانوں کو جو اپنی دانست میں زمین پر خدا بنے بیٹھے ہیں اس طرح بہا کر لے جائے گا۔

جیسے تیز آندھی راکھ کو اڑا لے جاتی ہے۔۔۔۔

مکافات عمل سے بے بہرہ یہ ملک دشمن نہیں جانتے کہ پاکستان خدا کے بابرکت نام سے معرض وجود میں آیا تھا۔ اس کی جڑوں میں لاکھوں ماؤں' بہنوں' بچوں بزرگوں اور نوجوانوں کا خون ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔۔۔۔

اس کی ہریالی کو رہتی دنیا تک شہیدوں کا خون قائم رکھے گا۔۔۔۔

اور ۔۔۔۔

اس کے دشمن' اس مملکت خداداد کا برا چاہنے والے ایک روز اس طرح نیست و نابود ہو جائیں گے کہ پھر شاید ان کی داستان تک بھی داستانوں میں باقی نہیں رہے گی۔

طارق اسماعیل ساگر

۲۰ ستمبر ۱۹۹۱ء

ٹکراؤ

ٹرین نیویارک کے "پن سٹیشن" میں داخل ہو رہی تھی۔

ایک مرتبہ پھر اپنے کوٹ کی جیب تھپتھپا کر اس نے اندر کی جیب میں پلاسٹک کے چھوٹے سے پیکٹ کی موجودگی کا احساس کیا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

رین کوٹ جو اس نے سلیقے سے تہہ کر کے اپنے سر کے اوپر سامان کے لیے مخصوص جگہ پر رکھا تھا' اب اٹھا کر پہننے کی تیاری کرنے لگا۔ موسم کے تیور بتا رہے تھے کہ یہ جلد رکنے والی پھوار نہیں ہے۔

سٹیشن سے باہر اس کا استقبال برفیلی ہوا کے تھپیڑوں نے کیا۔ ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے گہرا سانس لیا' جیسے ہوا میں موجود ساری ٹھنڈک کو اپنے پھیپھڑوں میں اتار لینا چاہتا ہو۔

گرم ہال کمرے کے باہر لوگ قطار بنا کر ٹیکسیوں میں سوار ہو رہے تھے لیکن وہ پیدل ہی اپنے سامنے والی سڑک عبور کر گیا۔ دائیں ہاتھ پہلا موڑ مڑ کر اب وہ "براڈوے" پر آ گیا تھا۔

اپنے دونوں ہاتھ اس نے کوٹ کی لمبی جیبوں میں ٹھونسے ہوئے تھے۔ کوٹ کے کالر کھڑے کیے--- اور سر پر فلیٹ ہیٹ جمائے وہ بظاہر بر نباری سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ سڑک کے کنارے کاروں کی لمبی قطاریں گرین سگنل کی منتظر تھیں۔ کاروں کی چھتوں پر سفید برف کے گالے جمے تھے اور ونڈ سکرینوں پر وائپر اپنی پوری رفتار سے چل رہے تھے۔ قریباً سب ہی کاروں کی ونڈ سکرینوں کے کونوں پر برف جمی تھی۔

زندگی اس کے قدموں کی رفتار کے ساتھ ساتھ رینگ رہی تھی۔ سڑک کنارے بنی دکانوں کے نچلوں تلے امریکن کالے اور گورے شراب کی بوتلیں ہاتھوں میں تھامے جھوم رہے تھے۔

ہڈیوں میں سرایت کرتی اس سردی میں وہ اکیلا ہی پیدل نہیں چل رہا تھا۔ کچھ اور لوگ

بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

"بیچارے----!" اس نے زیرلب ان پر تبصرہ کیا۔

کہر کی چادر نے اپنے دامن میں سڑک سے آسمان تک کو سمیٹ لیا تھا لیکن وہ آنکھیں بند کر کے بھی "پینٹا ہوٹل" تک پہنچ سکتا تھا۔

فاصلہ تھا ہی کتنا----؟

بمشکل دو فرلانگ----!

○ ○ ○

معمول کے مطابق وہ چلتا ہوا ہوٹل کے دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازے کے باہر ہوٹل کے مستعد ملازمین ہر آنے والے گاہک کا سامان لپک لپک کر تھام رہے تھے۔ ہوٹل کے شیڈ کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر اس نے اپنے کالر پر جمی برف کو جھاڑا' پھر بیری عمل دونوں کندھوں پر دہرایا اور اب اپنے بازو پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھنے کے لیے وہ ریین کوٹ---- کی آستین ہٹا رہا تھا۔

اچانک ہی مائیکل اس کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔

بالکل ایسے جیسے مصیبت بن بتائے اور بن بلائے اچانک کسی کے سر پر پہنچ جائے۔

اس کے لیے اب اس "اچانک" کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی۔ اسے زندگی میں اچانک بہت سے عجیب و غریب حالات سے سابقہ پڑتا رہتا تھا۔

جتنی ہنگامہ خیز زندگی اس نے گزاری تھی' اس کا گمان کسی دوسرے کے بس میں نہیں تھا۔

مائیکل شاید پہلے ہی کہیں قریب موجود رہا تھا اور اس اطمینان کے بعد کہ وہ "محفوظ" ہے اس نے ارسلان کے نزدیک پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع دی تھی----!

"کمرہ نمبر ۲۰ میں چلے جاؤ----!" مائیکل نے اسے کہا اور واپس مڑ گیا۔

اس نے مقامی کالوں کی طرح ایک چمکدار سی جیکٹ پہن رکھی تھی اور سر کے بال لیس دار سلوشن سے گوندھ کر سلیقے سے سر پر جما رکھے تھے۔ گردن پر جمی میل گو کہ اس کے کالے رنگ کا حصہ بن چکی تھی لیکن الگ سے نظر آ رہی تھی اور اس کی جیکٹ کے کالر پر جم گئی تھی۔

اپنا ریین کوٹ اتار کر اس نے بازو پر لٹکایا اور ہوٹل میں داخل ہو گیا۔

استقبالیہ میں موجود لڑکی نے مسکراتے ہوئے اس کو خوش آمدید کہا لیکن ارسلان اس کی

طرف دیکھے بغیر لفٹ کی طرف چل دیا۔

اگلے ہی لمحے وہ لفٹ پر سوار دوسری منزل کی طرف جا رہا تھا۔ ۲۰ نمبر کمرے کے سامنے رک کر اس نے طویل راہداری پر نظریں جمائیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی یہاں موجود نہیں تھا۔

دروازے پر آہستہ دستک دے کر اس نے اندر موجود شخص کو اپنی آمد سے مطلع کیا۔

"یس----! اس کی دستک کے جواب میں ایک بھاری بھرکم آواز بلند ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

کمرے میں ایک لمبا تڑنگا گندمی رنگ کا آدمی صوفے پر ٹانگ پسارے بیٹھا تھا۔

"ہوں' ہوں----!" اس نے ارسلان کی "ہیلو" کا جواب یک غراہٹ نما مسکراہٹ سے دیا۔

"نجانے یہ کمبخت موسم کب سنبھلے گا----؟" اس نے اپنی دانست میں ماحول بدلنے کو بات کا آغاز کیا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی اسے گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا۔

"سامان لائے ہو؟" اس کی بات کا سامنے موجود شخص نے ذرا سا بھی نوٹس نہیں لیا تھا۔

ارسلان کو قدرے مایوسی ہوئی لیکن اس نے اندازہ کر لیا کہ اس کی توقع کے برعکس یہ شخص پاکستان یا بھارت کا باشندہ نہیں اور اس نے اپنی کھال کا رنگ بھی مصنوعی طریقے سے تبدیل کیا ہوا تھا۔

"یس سر!" کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پلاسٹک کی ایک تھیلی نکال کر سامنے میز پر رکھ دی۔

اندر موجود شخص نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ لمبا کر کے وہ تھیلی اٹھائی اور اس پر لپٹا کاغذ الگ کر کے تھیلی میں موجود سفید پاؤڈر کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تھیلی دیکھتے ہی ایک پراسرار چمک جاگ اٹھی تھی۔

اپنے منہ کے قریب لا کر اس نے تھیلی کو سونگھا اور اپنے دائیں ہاتھ رکھے بریف کیس میں منتقل کر دیا۔ اس بریف کیس سے ڈالروں کا ایک بنڈل نکال کر اس نے ارسلان کی طرف پھینک دیا تھا۔

ارسلان نے سامنے کی میز پر جھک کر بنڈل اٹھایا' دیکھے اور گنے بغیر جیب میں رکھ لیا۔

ابھی وہ بمشکل سیدھا ہی ہو پایا تھا کہ اچانک باتھ روم کا دروازہ کھلا اور ایک قریباً ننگی عورت جس نے اپنے سر پر تولیہ لپیٹ رکھا تھا' باہر نکل آئی۔

"ہائے----!" اس نے ارسلان پر نظر پڑتے ہی امریکی لہجے میں سلام کیا۔

"ہائے۔۔۔۔!" ارسلان نے اس کی طرف دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

اس کی موجودگی نے اس حرافہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا اور وہ بدستور اسی حالت میں چلتی اس کی آنکھوں کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر اپنے سر پر موجود تولیہ کھولنے لگی تھی۔

"مجھے اجازت ہے؟" ارسلان نے دریافت کیا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی' کافی نہیں پیو گے؟"

"میں نیچے ہال میں پی لوں گا۔ شکریہ!" یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اپنے تعاقب میں اس نے حرافہ کا قہقہہ سن لیا تھا' شاید اس کی حالت پر ہنس رہی تھی بے چاری!

یا شاید اس کی بے بسی پر قہقہہ لگایا تھا اس نے!

اس مرتبہ لفٹ سے اتر کر وہ باہر جانے کی بجائے ڈائننگ ہال کی طرف چل دیا تھا۔ ڈائننگ ہال قریباً بھرا ہوا تھا۔ ایک کونے کی میز پر ایک عورت شیشے کی دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھی تھی۔

○ ○ ○

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس میز کی طرف گیا۔ میز کے نزدیک موجود ہینگر پر اس نے اپنا رین کوٹ لٹکایا اور کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔

عورت نے ابھی منہ دیوار کی طرف کیا ہوا تھا۔ شاید سامنے کسی اجنبی کی موجودگی کے احساس نے اس کو ادھر دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔

مسکراتے ہوئے اس نے گردن موڑی اور اپنے سامنے موجود شخص کو دیکھ کر اچانک اسے سکتہ ہو گیا۔

کچھ یہی کیفیت ارسلان پر بھی گزری تھی۔

"ارسلان تم .....!" عورت کے منہ سے بمشکل نکلا۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان دو الفاظ کی ادائیگی کے لیے اسے بے پناہ قوت صرف کرنی پڑی ہے۔

حیرت اور دکھ ایک ساتھ اس کی آنکھوں اور چہرے پر جم گئے تھے۔

"ہما.....!" ارسلان نے بھی بڑی ہمت سے اس کا نام لیا تھا۔

دونوں شاید اس حادثے سے سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے' جب اچانک ہی ویٹرس نے دو مینو بڑے احترام سے ان کے سامنے رکھ دیے۔

○ ○ ○

دونوں کو جیسے ایک دم سے بھولی ہوئی کہانی یاد آ گئی تھی۔

لیکن یہ کہانی بھولی ہوئی کب تھی۔۔۔۔!

کم از کم ارسلان نے کبھی اس کہانی کو نہیں بھلایا تھا۔

پانچ سال پہلے جب وہ یونیورسٹی میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اس کی ملاقات ہما سے ہی ہوئی تھی۔ ہما اس سے ایک سال سینئر تھی اور دونوں ایم اے انگلش کر رہے تھے۔

"ہیلو۔۔۔۔!" اس نے ایک طلبہ تنظیم کا سٹیکر اپنے بائیں کندھے پر لٹکا رکھا تھا۔

ارسلان کے لیے حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس نے دوپٹہ نہیں اوڑھ رکھا تھا اور جس بے باکی سے اس نے ارسلان کو مخاطب کیا تھا' اس کا تصور بھی پاکستانی سوسائٹی میں محال تھا۔

"خوش آمدید!" ہما کے سامنے ایک اور نوجوان بھی اس کے قریب آ کر مخاطب ہوا۔۔۔۔!

"شکریہ!" ارسلان نے کہا۔۔۔۔ "مجھے انگلش ڈیپارٹمنٹ کی طرف جانا ہے۔"

"آیئے میں آپ کو لے چلوں۔" ہما نے آگے بڑھ کر کہا۔

"چلیے۔۔۔۔!" ارسلان جھجکتا ہوا اس کے تعاقب میں چل دیا۔

اچانک ہی اسے عابد نظر آ گیا تھا۔

عابد اس کے گاؤں کا رہنے والا اور یہاں سال دوم کا طالب علم تھا۔ ارسلان پر نظر پڑتے ہی وہ سیدھا اسی کی طرف آیا تھا۔

"کدھر منہ اٹھائے جا رہے ہو۔۔۔۔؟" اس نے ارسلان کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"کدھر نہیں' میرے ساتھ جا رہے ہیں ڈیپارٹمنٹ کی طرف۔۔۔۔!" اس کے بجائے ہما نے عابد سے کہا تھا۔

"دیکھیے مس ہما! یہ کوئی تنظیمی جھگڑا نہیں۔ یہ میرے گاؤں کا ساتھی ہے اور یہاں پر صرف تعلیم حاصل کرنے آیا ہے۔ اسے کسی گندی سیاست میں ملوث نہیں ہونا۔" عابد کا تعلق شاید اس کی مخالف تنظیم سے تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا ہم یہاں گندی سیاست کر رہے ہیں؟ تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟ یہ معصوم سی شکل بنا کر تم کسی کو دھوکہ دینا چاہتے ہو.....؟"

"میں آپ کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا۔ یوں بھی مجھے کسی عورت سے بحث کرنا زیب نہیں دیتا۔ آپ برائے مہربانی میرے ساتھ نہ الجھئے۔"

یہ کہتے ہوئے عابد نے اس کا بازو تھام لیا اور سکے کے ارسلان کو قریباً کھینچتا ہوا اپنے ساتھ دوسری طرف لے گیا۔ اس کے تعاقب میں ہما کا لیکچر جاری تھا لیکن عابد نے اس کی طرف دوبارہ دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔

خیریت گزری کہ وہ یونیورسٹی کے قدرے ویران حصے میں کھڑے تھے ورنہ ابھی یہاں طلبا تنظیمیں آپس میں ٹکرا جاتیں۔

"کون ہے یہ؟" کنٹین میں پہنچ کر ارسلان نے پہلا سوال کیا۔

"ہما اکبر شیروانی۔ ایک بگڑی ہوئی رئیس زادی! باپ علاقے کا سب سے بڑا زمیندار ہے۔ تمام بھائی اعلیٰ سرکاری ملازمتیں کر رہے ہیں۔ احمق کہیں کی! نوکروں کی فوج کے ساتھ فلیٹ کرائے پر لے کر رہتی ہے اور یہاں انقلاب کا پرچار کرتی ہے۔ ذہنی مریض ہے کمبخت۔ خیر چھوڑو! تم بتاؤ ادھر گاؤں میں تو خیریت ہے ناں؟"

نجانے کیوں ہما اکبر شیروانی کا تعارف اس طرح کروانا ارسلان کو اچھا نہ لگا۔ ٹھیک ہے اس کا تعلق عابد کی مخالف طلبا تنظیم سے تھا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ ایک لڑکی کے متعلق خواہ مخواہ ایسی رائے قائم کرے۔

ارسلان کو خواہ مخواہ ہما سے ہمدردی ہونے لگی تھی---- لیکن وہ عابد کو کچھ کہہ نہ سکا۔ عابد اس کے بڑے بھائی کا دوست تھا اور گاؤں کے نمبردار کا بیٹا۔ دونوں بچپن کے دوست تھے۔ اس کے والد سرکاری افسر تھے لیکن انہوں نے کبھی یہاں سے الگ ہونا پسند نہ کیا۔ زمین سے آمدن ہو جاتی تھی اس لیے ارسلان کے والد کو کبھی رشوت لینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

تینوں بہن بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ہوسٹلوں میں رہتے تھے لیکن ان کی تربیت اس نہج پہ ہوئی تھی کہ کسی نے کبھی دیہاتی زندگی پر شہری زندگی کو ترجیح نہیں دی تھی۔ ارسلان کے بڑے بھائی نے اعلیٰ سول سروس کا امتحان دے رکھا تھا اور بہن ایم اے کر رہی تھی۔ وہ خود انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کا خواب لے کر یہاں آیا تھا۔

طلبا سیاست اس کے لیے کوئی نئی یا چونکا دینے والی چیز نہیں تھی۔ میٹرک کے بعد سے اسے کالج میں تعلیم سے کم اور طلبا سیاست سے زیادہ سابقہ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کسی مضبوط طلبا تنظیم سے وابستگی کے بغیر کالج سے گھر تک کا راستہ بھی غیر محفوظ ہو سکتا ہے۔

عابد نے اس سے صرف گاؤں کی باتیں کی تھیں۔ دونوں چائے سے فارغ ہو چکے تھے اور اب عابد اسے مطلوبہ دفتر تک چھوڑنے گیا تھا۔ اس نے اپنی موجودگی میں ارسلان کے کاغذات اور فیس وغیرہ کا مرحلہ بھی طے کروا دیا تھا۔

○ ○ ○

ارسلان نے یونیورسٹی میں داخلے کے فوراً ہی بعد ایک ہوسٹل میں کمرہ حاصل کر لیا تھا اور یہاں سے فارغ ہو کر وہ اپنے ہوسٹل کے کمرے کی طرف ہی جا رہا تھا۔

اسے رہ رہ کر اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ ہما جیسی خوبصورت لڑکی کا موڈ خراب ہوا۔ کاش عابد وہاں نہ آیا ہوتا' اس نے سوچا۔ ہوسٹل پہنچ کر وہ اپنے بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ ہما اکبر شیروانی اس کے بستر تک اس کے ساتھ چلتی آئی تھی اور اب اس کے ذہن پر براجمان ہوئی بیٹھی تھی۔

شاید اس کے دل کا کوئی دریچہ اچانک ہما کے لیے کھل کر بند ہو گیا تھا اور اب وہ نہ واپس جانے والے مہمانوں کی طرح اس کے دل میں سما گئی تھی ---- وہ خوابوں کی دنیا میں رہنے والا لڑکا نہیں تھا۔

لیکن ----!

جو خواب اس نے اپنی کھلی آنکھوں سے آج یونیورسٹی میں دیکھا تھا' اس سے چھٹکارہ کیسے ممکن ہو گا؟ یہی کچھ سوچتا ہوا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ ڈائننگ ہال کی طرف جا رہا تھا۔ کھانے کا وقت ختم ہونے والا تھا جس کے بعد اسے ہوسٹل سے کھانا نہ ملتا اور ہوسٹل کے باہر جا کر کھانا اسے بہت عجیب لگتا تھا۔

بوجھل قدموں سے اس نے اپنا کھانا وصول کیا اور جیسے تیسے کچھ لقمے زہر مار کر کے واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ جس کی دیواروں' زمین' چھت اور بستر سے ہما اکبر کے مانوس لہجے کی خوشبو لپٹیں بن کر اس کے دل و دماغ کو معطر کر رہی تھیں۔

"ہیلو---- میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ ----!

دو فقرے ہی تو اس نے بولے تھے۔

کتنی اپنائیت تھی ان دو فقروں میں! کتنا موہ لینے والا انداز تھا اس کا! کبھی ہما راہ گم کردہ شہزادوں کی مدد کرنے والی خوبصورت پری بن جاتی اور کبھی جنات کے شہنشاہ کی قید میں پھنسی اس شہزادی کا روپ دھار لیتی جس کو آزاد کروانے کی سعادت بالآخر گاؤں کے لکڑہارے کو نصیب

ہوئی تھی۔

رات گئے تک ارسلان شام مصر اور فارس کا شہزادہ اور کبھی گاؤں کا لکڑہارا بنتا رہا۔ خوبصورت شہزادی اور پریوں کی ملکہ اس کے ہاتھ کئی مرتبہ لگی اور چلی گئی۔ اس کی آنکھ تب کھلی جب ہوسٹل کی مسجد کا موذن جاگنے والوں کو فلاح کی بشارت دے رہا تھا۔

لیکن فلاح کی راہ پر چلتے چلتے جیسے اچانک ہی کسی پگڈنڈی نے کوئی موڑ مڑ لیا ہو۔ جیسے کوئی شارٹ کٹ اپناتے ہوئے اصل راستے سے بھٹک جائے۔ بالکل ایسے ہی وہ بھی اپنی راہ چلتے چلتے زندگی کی پٹڑی سے اچانک ہی اتر کر کسی طرف لڑھک گیا تھا۔

○ ○ ○

جب وہ بیدار ہوا تو دھوپ روشندان سے اس کے منہ پر آ گئی تھی۔

سردیوں کی اس صبح کو سورج کی کومل کرنوں نے بڑی ملائمت اور نرمی سے بالکل ہما اکبر شیروانی کی طرح اسے خوش آمدید کہا تھا۔ سرہانے رکھی گھڑی پر آنکھیں ملتے ہوئے اس نے نظر ڈالی تو صبح کے آٹھ بجے رہے تھے۔

"میں آٹھ بجے تک سوتا رہا----؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

اسے اپنے آپ پر پہلے تو غصہ پھر ترس آنے لگا تھا۔ تولیہ اٹھا کر اس نے غسل خانے کا رخ کیا اور جب تیار ہو کر باہر نکلا تو ناشتے کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ وہ کبھی چائے کا عادی نہیں رہا تھا لیکن نجانے آج کیوں وہ شدت سے چائے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا۔

ذہن منتشر تھا۔

اور وہ خود تھکا تھکا سا یونیورسٹی کی طرف جا رہا تھا۔

ہوسٹل سے یونیورسٹی کنٹین کا فاصلہ بمشکل پندرہ منٹ کا تھا لیکن آدھ گھنٹے میں وہ وہاں پہنچا۔

کنٹین میں نوجوان طلبا اور طالبات مستقبل میں اپنی زندگیوں پر ٹوٹنے والے قہر سے لاتعلق چائے اور کوک کی بوتلوں سے منہ لگائے زور زور سے ہنس رہے تھے۔ ان کی ہر حرکت زندگی کی علامت تھی۔

جیسے وہ مکمل زندگی کے ساتھ جینے کا عزم لیے بیٹھے ہوں۔

ایک خالی کونے میں بیٹھ کر اس نے چائے منگوائی اور ابھی چائے کا کپ اس کے ہونٹوں

بمشکل چھوا ہی تھا جب اچانک اپنے بغلی دروازے سے اس نے ہما اکبر شیروانی کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ اس نے دروازے میں رک کر ایک سرسری نظر ماحول پر ڈالی۔

دو چار شناسا چہروں نے ہوس ناک آنکھوں سے اس کو "ہیلو ہیلو" کہا اور فقیروں کی طرح اس کی قربت کی بھیک مانگنے کے لیے اسے مدعو کرنے لگے۔

لیکن---- ہما ان سب سے لاتعلق اپنے ہونٹوں پر نہ ختم ہونے والی مسکراہٹ لیے سیدھی اسی کی میز کی طرف آئی۔

کسی نادیدہ قوت نے ارسلان کی ٹانگوں میں بجلیاں بھر کر اسے کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا۔

"ہیلو ----!!" اس نے حسب عادت ارسلان کی طرف ڈس لینے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکراہٹ اچھالی۔

جواب میں وہ بمشکل "ہیلو" ہی کہہ سکا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟ کام ٹھیک ہو گیا تھا ناں ----؟" اس نے کل والے واقعے پر بڑی عجلت سے معذرت کرنا چاہی۔

"ارے نہیں بھئی! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ معافی تو مجھے مانگنی چاہیے۔ میری وجہ سے ہی ساری تلخی ہوئی۔" اس نے ارسلان کی بات کاٹ کر اس کے دل کو کاٹ کھایا۔

"لیکن آپ کی.....!"

"کوئی بات نہیں۔ میں سمجھتی ہوں انسان کو اپنے نظریات کی خاطر اتنی سی قربانی تو دینا ہی پڑتی ہے۔ اگر آپ سچائی کے راستے پر چلیں گے تو بہت کم لوگوں کو اپنا ہم خیال پائیں گے۔ مجھے عابد صاحب سے کوئی گلہ نہیں۔ صرف اتنی بات کہوں گی کہ وہ اگر اپنے نظریات میں مخلص ہیں تو دوسروں سے خونخوار کیوں ہیں؟ محض اس بات سے ڈر جانا کہ میں آپ کو ڈیپارٹمنٹ تک لے جاؤں گی..... بہت عجیب لگتا ہے۔ بھئی میں کوئی جادوگرنی تو نہیں ہوں کہ آپ پر جادو کر کے آپ کو انسان سے کچھ اور بنا دیتی----" اتنا کہہ کر اس نے بے تکلفی کے انداز میں قہقہہ لگایا تو ارسلان بھی مسکرایا۔

اس کا دل تو چاہا کہ ہما کو کہہ دے اس سے بڑی جادوگرنی اور ہے کہاں ----؟ اس نے تو بنگال کے جادو کو بھی مات دے دی تھی۔ اتنی جلدی تو وہ لوگ بھی آدمی کو گدھا نہیں بناتے جتنی جلدی اس نے ارسلان کے دل میں اپنی محبت کا بھالا اتار دیا تھا۔

"آپ چائے تو پیجیے----!" اس نے ارسلان کے سامنے رکھی ٹھنڈی چائے کی طرف اشارہ کیا---- "لیکن آپ کی چائے تو ٹھنڈی ہو گئی۔"

اتنا کہہ کر اس نے ویٹر کو اشارہ کر کے وہ چائے اٹھانے اور نئی چائے کے ساتھ کچھ لانے کی ہدایت کر دی۔

قریباً آدھ گھنٹہ وہ دونوں باتیں کرتے رہے۔ اب ارسلان خود میں اتنی ہمت پا رہا تھا کہ اس کی باتوں کا کم از کم "ہوں ہاں" میں ہی جواب دیتا رہے۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے کہیں پھر نہ آپ کے گاؤں کے دوست آ جائیں اور آپ کو میرے ساتھ دیکھ برا منائیں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ارسلان نے بیوقوفوں کی طرح مسکراتے ہوئے دانت نکال دیئے۔

کاؤنٹر پر جب ارسلان نے بل ادا کرنا چاہا تو کنٹین والے نے بل وصول کرنے سے انکار کر دیا۔

"مس صاحبہ کے مہمانوں سے ہم بل وصول نہیں کر سکتے جناب!!" اس نے سعادت مندی سے ہما کی طرف دیکھ کر گردن جھکا لی۔

"یہ تو زیادتی ہے۔" ارسلان نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ کبھی آپ یہ زیادتی کر لیجئے' حساب برابر۔" اس نے ہنستے ہوئے جب بے تکلفی سے ارسلان کے کندھے پر ہاتھ مارا تو اس کا سارا بدن جھنجھنا اٹھا۔

دونوں اکٹھے ہی ڈیپارٹمنٹ کی طرف جا رہے تھے۔

سراب

دن ہفتوں اور مہینوں میں بدلتے گئے۔

وقت کا بچھیرا ارسلان کو اپنے پروں پر بٹھائے ہوا کے رخ پر اڑائے چلا جا رہا تھا اور ارسلان بے لگام گھوڑے کی طرح بھاگتا چلا جا رہا تھا۔

عابد یونیورسٹی میں اپنی تنظیم کا ناظم تھا۔ ایک بھائی کے ناطے اس نے متعدد مرتبہ چاہا کہ اس بے لگام گھوڑے کو لگام دے لے' اس کو روک دے۔ اس سے پہلے کہ بھاگتے بھاگتے اس کی ٹانگوں سے زندگی کا رس نچڑ جائے۔ اس سے پہلے کہ اس کے بدن کی ساری توانائیاں اس کی تمام ذہانتیں زنگ آلود ہو جائیں' اسے قابو کر لے لیکن یہ اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔

جیسے ارسلان کے بس میں کچھ نہیں رہا تھا۔

ہما اس شہر میں اپنی بڑی کوٹھی کی انیکسی میں رہتی تھی۔ اس کے والدین دوسرے شہر میں تھے۔ ہما کا گھر اس کی پارٹی کا ہیڈ آفس نظر آتا تھا۔ یہاں پارٹی سے منسلک نوجوانوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

ہما نے کسی کو ایک حد سے تجاوز نہیں کرنے دیا تھا۔ ارسلان محسوس کر سکتا تھا کہ اس کے علاوہ وہ کسی کے ساتھ اتنی "فری" نہیں ہوتی۔ کسی سے اتنی باتیں نہیں کرتی۔ کسی کو منہ نہیں لگاتی۔

ایک وہی تھا جس سے تنہائی میں گھنٹوں باتیں کیا کرتی تھی۔ اس کو سمجھاتی کہ اس ملک کے عوام کی قسمت تب ہی بدل سکتی ہے جب یہاں انقلاب آئے گا۔ ہمارے مسائل کا حل انتخابات نہیں' انقلاب ہے۔

وہ حیران تھا کہ اتنے رئیس ماں باپ کی بیٹی' سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہونے والی ہما اکبر شیروانی غریبوں کی کتنی خیر خواہ ہے۔ اس کی محبت میں اب عقیدت کا رنگ بھی جھلکنے لگا تھا۔

عجیب بات تھی کہ آج تک کھل کر وہ اس کے سامنے اظہار محبت نہ کر سکا تھا۔ اس کا

دل چاہتا تھا' کبھی ہم سیاست سے ہٹ کر بھی بات کریں۔

لیکن----!

ہما کو تو معاشرے کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ بے انصافیاں' ظلم' رشوت' کرپشن سارے روگ جو غریب عوام کو لگے تھے اس نے اپنی جان کو لگا رکھے تھے۔

وہ دونوں راتوں کو جاگ کر بینر لکھا کرتے۔ ہما اکبر شیروانی صدارت کی امیدوار تھی۔ اس کے مقابلے میں دوسری تنظیم نے عابد کو کھڑا کیا تھا۔

عابد سے اس کے کئی مضبوط حوالے اور رشتے تھے لیکن وہ ہما کے لیے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اس روز جب اچانک عابد اس کے کمرے میں آیا تو وہ گھبرا ہی گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔" عابد نے تسلی دی۔ "تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔ میرے تمہارے ساتھ کئی رشتے ہیں۔ خون سے زیادہ مضبوط رشتے---- اور یہ بھی جان لو کہ اگر تمہارا ایک ووٹ ہمارے حق میں کاسٹ نہ ہوا تو بھی ہارنے والے نہیں' جیت تو ہماری ہو گی۔ میں تو تمہیں صرف یہ سمجھانے آیا ہوں کہ تم سراب کے تعاقب میں اندھے ہو جاؤ گے۔ تم میرے نزدیک بچے ہو۔ چھوٹے بھائی کی طرح۔ میں تمہیں آخری مرتبہ سمجھا رہا ہوں کہ محبت اور ہوس کو گڈمڈ نہ کرو۔ تم ہما سے عشق کرتے ہو۔ گدھے! بے وقوف! تم نے ایک سال میں کچھ نہیں دیکھا۔ تمہاری آنکھیں بند ہو گئی ہیں یا تم نے ان پر ہوس کی پٹی باندھ لی ہے۔ دیکھو ارسلان! وہ ہما ہے تم جانتے ہو ہما ایک پراسرار پرندہ ہے جس کے سر پر بیٹھ جائے اسے بادشاہت تو مل جاتی ہے لیکن ہما نہیں ملتا---- وہ اپنی آگ میں جل کر مر جاتا ہے اور اس کی راکھ سے ایک اور ہما بھی جنم لیتا ہے۔

یہ روایت تم پر حقیقت بن رہی ہے۔ یہ بڑی تہہ دار لڑکی ہے۔ اس نے اپنے انقلابی پیکر میں جس کو پھانسا' وہ نشے کا مریض ہو گیا۔ تم دیکھو اس کے گھر آنے والے کتنے نوجوان نشہ کرتے ہیں.....!"

عابد نجانے کیا کیا کہتا رہا----!

وہ سر جھکائے سنتا رہا۔

لیکن ----!

عابد بھی محسوس کر رہا تھا کہ اس کی باتیں اس چکنے گھڑے سے پھسل رہی ہیں۔

"اچھا بیٹا! اگر تم نے اپنے ماں باپ کی ٹیا ڈبونے کا تہیہ ہی کر لیا ہے تو میں تمہارے لیے صرف دعا ہی کر سکتا ہوں۔ کسی روز تم بہت پچھتاؤ گے۔"

عابد اسے لعن طعن کر کے واپس چلا گیا۔

○ ○ ○

ارسلان نے بڑھ چڑھ کر ہما کی انتخابی مہم میں حصہ لیا لیکن وہ ہار گئی۔ جس روز الیکشن کے نتائج کا اعلان ہونا تھا' دونوں ہما کے گھر اس کے بیڈ روم میں بیٹھے تھے۔ فون پر اسے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ جب الیکشن کے حتمی نتائج کا اعلان ہوا' وہ پھٹ پڑی۔

"میں نہیں مانتی' دھاندلی کی ہے ان لوگوں نے۔ انتظامیہ ان کے ساتھ ملی ہو گی۔ میں اس پر احتجاج کرتی ہوں.....!"

اور وہ بچوں کی طرح رو دی۔

اس نے اپنا سر ارسلان کے زانو پر رکھ دیا اور رونے لگی۔ ارسلان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اسے کیسے تسلی دے۔ اس کے جسم کو چھوتے ہوئے اسے اپنے ہاتھوں کے جل جانے کا دھڑکا لگ گیا تھا۔ اپنے زانو پر رکھے ہما کے سر پر سے اٹھنے والی خوشبو کی لپٹوں نے اس کے تن بدن میں انگارے بھر دیئے تھے۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے بدن پر رعشہ طاری تھا۔

نجانے کس جنونی جذبے کے تحت اس نے ہما کو خود سے چمٹا لیا۔ ہما کو جب اس کی "موجودگی" کا احساس ہوا تو اس نے آہستہ سے خود کو ارسلان سے الگ کر لیا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔ ارسلان کا دل دھک سے رہ گیا۔

"اف میرے خدا! یہ میں نے کیا کر دیا----!" اس کو پچھتاوا سا لگ گیا تھا۔

پھر جیسے خود ہی اس نے خود کو تسلی دی کہ اس سے اگر کوئی گناہ بھی سرزد ہو گیا ہے تو اندھے جذبات کے ہاتھوں----

اور ان جذبات پر اس کا قابو نہیں ہے۔ وہ جب تک اس کا اظہار نہیں کرے گا' یہ منہ زور آندھی اسے کمزور پتے کی طرح اپنے ساتھ ساتھ لیے اڑاتی پھرے گی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ آج اس نے اپنے دل میں مضبوطی سے ایک عہد باندھا تھا اور اب اس عہد کو پورا کرنا تھا۔

ہما کی واپسی چائے کی ٹرالی کے ساتھ ہوئی۔ اس کے چہرے پر خلاف توقع آج کچھ اور ہی کیفیت دکھائی دے رہی تھی۔ ارسلان کو آج اس کا چہرہ پہلے سے بہت معصوم دکھائی دے رہا تھا۔

○ ○ ○

"سوری ! مجھے کچھ دیر ہو گئی۔" اس نے چائے بناتے ہوئے ارسلان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہما ! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔۔۔۔!" اس نے ہما کی آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈوروں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اچھا کمال ہے بھئی۔ اب کیا مجھے کہنے کے لیے تمہیں اجازت بھی لینی پڑے گی۔" اس نے بڑے جبرے اپنے لہجے کی شوخی کو لوٹایا تھا۔

"دراصل یہ بات مجھے پہلے ہی روز تم سے کہہ دینا چاہیے تھی لیکن میں بزدل ہوں یا پھر مجھ میں کبھی اتنا حوصلہ ہی نہ آیا کہ اتنی بڑی بات کہہ سکوں۔"

"ارسلان ! بہت تمہید باندھ لی۔ اب کہہ بھی ڈالو۔ ایسی کیا خاص بات ہے۔" بظاہر وہ ارسلان کے جذبات سے بالکل لاتعلق نظر آ رہی تھی۔

"ہما ! مجھے کہنا ہے کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور آج تک میں نے تمہارے لیے جو کچھ بھی کیا ہے وہ صرف تمہارے حوالے سے کیا۔ مجھے کسی انقلاب سے دلچسپی نہیں۔ میں سیدھا سادا دیہاتی لڑکا ہوں۔ بس مجھے تم سے عشق ہو گیا ہے۔ ایک جنون ہے' ایک آگ ہے جس نے اندر ہی اندر جل کر مجھے جھلسانا شروع کر دیا ہے۔ اگر میں نے آج بھی تم پر اظہار نہ کیا تو کسی دن کھوکھلے تنے کی طرح میرے جسم کا درخت گر جائے گا اور میں ختم ہو جاؤں گا۔"

وہ خاموش ہو کر ہما کی طرف دیکھنے لگا۔

ہما چپ رہی۔

یہ سناٹا جو اس کی خاموشی نے ماحول پر طاری کر دیا تھا۔ ارسلان کو ڈسنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنے فعل پر روئے یا ہنسے۔

"ارسلان۔۔۔۔!" بالآخر چائے کا گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے ہما نے خاموشی کے طلسم کو توڑا۔۔۔۔ "تم بہت اچھے نوجوان ہو' خاندانی لگتے ہو۔ تمہارے والدین نے تم سے بہت سی توقعات وابستہ کی ہوں گی۔ کوئی بھی لڑکی جس سے تم محبت کرو گے' شادی کرو گے' دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہو گی۔ میں نے دیکھا ہے دوسرے نوجوانوں کے برعکس تم میں حیا موجود ہے۔ یہی مرد کا زیور ہے۔۔۔۔ کاش! تم نے میرے متعلق جو توقعات وابستہ کر لی ہیں ان پر پورا اتر سکتی۔۔۔۔ لیکن میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گی۔ میں دھوکہ دے ہی نہیں سکتی۔ میں تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں تمہارے پیار کے لائق نہیں۔ میں نے جو راستہ اپنا لیا ہے

وہ اب نشے کی طرح میری ضرورت بن گیا ہے۔ میں اپنے نظریات سے ہٹ نہیں سکتی کیونکہ میں اس کی بہت قیمت ادا کر چکی ہوں۔ ہاں ارسلان تمہیں بتا دینے میں کوئی عار نہیں سمجھتی کہ میری پاکیزگی کبھی کی خون ہو چکی ہے۔ میں صرف بدن ہوں۔ بدن۔۔۔۔ مجھ میں روح نہیں ہے اور بدن بھی ایسا کہ جو تمہارے لائق نہیں۔ میں تمہیں دھوکہ نہیں دینا چاہتی۔ میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے پاؤں گی۔۔۔۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ تم ابھی اس راستے سے لوٹ جاؤ۔ تمہارا شاندار تعلیمی ریکارڈ ہے۔ تم زندگی میں آگے نکلو' ترقی کرو' مجھے بہت خوشی ہو گی۔" چند لمحے رک کر اس نے کہا۔

"مجھے تم سے محبت ہے۔ تمہاری سادگی' ایمانداری اور حیا سے مجھے بہت محبت ہے۔ میں تمہارے لیے مر تو سکتی ہوں لیکن تمہیں اپنا نہیں سکتی۔" اپنی بات کے خاتمے پر وہ بچوں کی طرح سسک پڑی۔

ارسلان پتھر کا بت بن چکا تھا !

اسے سکتہ سا ہو گیا تھا!

○ ○ ○

عابد نے ہما پرندے سے متعلق روایت کے حوالے سے اسے بتایا تھا کہ ہما جس کے سر پر بیٹھ جائے' اسے بادشاہت عطا ہو جاتی ہے لیکن وہ کسی کو ملتا نہیں' اپنی آگ میں جل کر مر جاتا ہے۔ کوئی اسے پا نہیں سکتا۔ اپنا نہیں سکتا۔ یہی اس کا مقدر۔۔۔۔!

اور یہاں۔۔۔۔!

ہما اکبر شیروانی جس کی آنکھوں میں حیات کے سارے رنگ انگڑائیاں لیتے تھے۔ جس کے سانسوں سے زندگی کا ردھم بندھا تھا۔ جو خدا کی اس زمین پر حیات کی علامت تھی۔ اس ہما اکبر شیروانی نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے لیے مر تو سکتی ہے' اسے اپنا نہیں سکتی۔۔۔۔!

یہ تھا اس کی سال بھر کی تپسیا کا نتیجہ !

اس روز بد کے لیے اس نے اپنی آنکھوں میں نیند حرام کر لی تھی۔

اپنے خاندان کی شرافت کو داؤ پر لگایا تھا۔

حافظ عابد نعیم کو ناراض کیا تھا جو اس کے لیے بڑے بھائی اور باپ کا درجہ رکھتا تھا۔

واقعات کا علم ہونے پر جب والدین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی تو باپ کی طرف دیکھے بغیر نظریں جھکا کر اس سے بات کرنے والا ملک ارسلان کنکریٹ کی مضبوط دیوار کی طرح تن کر

باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے باپ کی آنکھوں میں پہلی مرتبہ آنکھیں ڈال کر کہا تھا کہ وہ اپنے اور ہما کے درمیان کسی وجود کو برداشت نہیں کرے گا۔

اس روز سمراٹ اکبر اعظم کے سامنے جہانگیر نے بغاوت کردی۔ وہ "شیخو" جس کے لیے اکبر اعظم نے زندگی کو تج دیا وہی شیخو آج نورالدین جہانگیر بن کر اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا تھا۔۔۔۔!

تاریخ اپنے آپ کو یوں ہی دہرایا کرتی ہے۔۔۔۔!

کیا اس دن کے لیے ہوا تھا یہ سب کچھ؟ ارسلان نے اپنے آپ سے پوچھا اور وہ ٹوٹ کر رہ گیا۔

ایک جھٹکے سے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ کوئی معمولی لونڈا نہیں تھا جس کی محبت کو ہما اکبر شیروانی نے ٹھکرا دیا تھا۔

چھ فٹ لمبا اس کا وجود ریت کے گھروندے کی طرح زمین میں دھنس گیا۔ اس کی انانیت کا تناور درخت بوسیدہ شاخ کی طرح ٹوٹ کر گر پڑا۔

"میں اپنی اس حرکت پر شرمندہ نہیں ہوں مس ہما۔ میں نے بہت خلوص سے آپ کو چاہا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اس چاہت میں کہیں ہوس نہ در آئے۔ میں نے کبھی غور سے آپ کے جسم کو دیکھا ہی نہیں۔ میں تو آپ کی روح سے..... آپ کی.....!"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کا گلا رندھ گیا۔ وہ کمرے سے قریباً بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔

○ ○ ○

برآمدے میں اس کا سامنا اچانک ہی کچھ لڑکوں سے ہوا جو یونیورسٹی سے اس طرف آ رہے تھے۔

"ارسلان!" جاوید نے اس کا بازو پکڑ کر کہا ---- "ہوسٹل کی طرف نہ جانا۔ ان لوگوں نے جلوس نکالا تھا۔ گولی چل گئی ہے' ان کا ایک لڑکا مارا گیا ہے---- ہمارے دو ساتھی شدید زخمی ہیں۔ بڑی کشیدگی پائی جاتی ہے یونیورسٹی میں! کچھ بھی ممکن ہے' تمہیں تو وہ سب جانتے ہیں۔ اگر تم ان کے قابو میں آ گئے تو وہ چھوڑیں گے نہیں۔"

ارسلان نے اس کی بات سنی ہی کب تھی۔ اس کے دماغ میں تو جھکڑ چل رہے تھے۔

اس کی انا تو زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔ اس نے جھٹکے سے جاوید کو الگ کیا اور باہر نکل آیا۔

رکشے میں سوار ہو کر وہ یونیورسٹی ہوسٹل کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے ذہن پر تو ایک بھوت سوار تھا۔ ہما کے عشق کا بھوت!

رکشہ اس نے سڑک پر ہی چھوڑ دیا اور اب وہ پیدل ہوسٹل کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں سے جیتے والوں کے زور دار نعروں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں لیکن وہ ان سب آوازوں سے بے نیاز اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

"مارو سالے کو!" اچانک ہی کسی نے ہجوم میں پہچان کر نعرہ لگایا۔

"یہ بھی عاشق ہے اس کا۔ مجنوں کی اولاد سالا!"

گالیاں دیتے نوجوان اس پر پل پڑے۔ وہ بے بس جانور کی طرح مار کھاتا رہا۔ اپنی دانست میں مارنے والے اپنا کام مکمل کر چکے تھے لیکن اس کی خوش قسمتی کہ وہ محفوظ رہا----!

پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آوازیں اس کے ذہن پر ہتھوڑے برسانے لگی تھیں۔ یہ آخری احساس تھا اس کا---- اس کے بعد اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

○ ○ ○

ارسلان کو ہوش آیا تو وہ پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

اس کے دائیں ہاتھ والے سٹینڈ پر خون کی بوتل لٹکی تھی۔ کسی کا خون قطرہ قطرہ بن کر اس کے جیون کی ٹوٹتی ڈور کو سہارا دے رہا تھا۔ جسم کا شاید ہی کوئی ایسا حصہ تھا جس پر چوٹ نہ لگی ہو۔ اس کے بدن کا رواں رواں درد کر رہا تھا۔ کروٹ لینا اس کے اختیار میں ہی نہیں تھا۔ بوجھل اس نے اپنی گردن کو جنبش دی تھی۔

شاید کسی پرائیویٹ ہسپتال کا کمرہ تھا۔

اسے حرکت کرتے دیکھ کر ہی ایک مستعد ڈاکٹر اس کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔

"آپ اطمینان سے لیٹے رہیے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی جان بچ گئی۔ کوئی گہری چوٹ نہیں آئی۔ بس تھوڑی تکلیف برداشت کر لیجیے۔ انشاء اللہ آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔" مہربان آواز سنائی دی۔

ڈاکٹر نے شاید نرس کو اشارہ کیا تھا جو باہر کسی کو اطلاع دینے گئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے ماں اس کے سرہانے کھڑی تھی۔

"محترمہ! مہربانی ہو گی آپ کی' مختصر بات کیجئے۔ ابھی میں مریض کو زیادہ بولنے کی اجازت نہیں دے سکتا اور براہ کرم باہر موجود کسی بھی شخص کو ابھی اندر نہ آنے دیجئے۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر باہر نکل گیا۔

نرس نے کمرے کے کونے میں کرسی سنبھال لی تھی۔

"ارسلان! یہ تم نے..... یہ تم نے کیا ظلم کیا اپنے ساتھ ..... کیوں گئے تھے ان وحشیوں کے چنگل میں پھنسنے کے لیے؟"

اس کی آنکھوں میں آج دوسری مرتبہ وہ آنسو دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ عورت اپنی بے چارگی پر روئی تھی اور آج اس کے لیے رو رہی تھی۔

"خدانخواستہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو جانتے ہو---- جانتے ہو میں مرجاتی.....!"

ارسلان کے ہونٹ گنگ تھے----!

درد کا احساس دم توڑ چکا تھا۔

"اچھا یہ تم ہو ہما اکبر شیروانی۔ یہ تم ہو۔ جو مجھے اپنا نہیں سکتی----!" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "اور اب تم میرے لیے رو رہی ہو۔"

ایک مسکراہٹ اس کے زخمی ہونٹوں پر جم گئی۔ پھر اس نے کسی فتح کے جذبے سے سرشار آنکھیں موند لیں۔

ہما بولتی رہی----!

اسے ڈاکٹر نے خاموش کروایا---- اس نے ارسلان کو گہری نیند کا انجکشن لگا دیا تھا اور اب وہ سو گیا تھا۔

○ ○ ○

اگلے روز اس کے والدین بھی پہنچ گئے تھے۔

ان کے ساتھ عابد بھی آیا تھا۔ یونیورسٹی کی یونین کا نو منتخب صدر حافظ عابد نعیم! جس نے اسے کہا تھا' ایک روز تم بہت پچھتاؤ گے۔

اس نے ارسلان کو تسلی دی' اس کے والدین کو تسلی دی لیکن ارسلان نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ حافظ عابد نعیم کی نہیں ایک سیاست دان کی طفل تسلی ہے۔

"بھائی صاحب! آپ جانتے ہیں میں سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ محض ایک شخصیت سے ذہنی یا جذباتی وابستگی کی یہ سزا بالکل ناانصافی ہے۔ میں ان لڑکوں کو پہنچانتا ہوں جنہوں نے مجھ پر حملہ

لیا تھا۔ میں پولیس کو کسی کا نام نہیں بتاؤں گا لیکن میں کسی کو معاف نہیں کروں گا۔ آپ جانتے ہیں ہمارے علاقے کی روایت ہے' ہم پہل نہیں کرتے لیکن انتقام نہیں چھوڑتے۔"

آج وہ بالکل بدلے ہوئے لہجے میں عابد سے مخاطب تھا۔

"دیکھو عزیز من! میں نے تمہیں بہت سمجھایا اور بتا دیا تھا کہ تم غلط راستے پر چل رہے ہو۔ اس کا انجام یہی ہونا تھا۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ تم نے اپنے کیے کی سزا بھگتی ہے اور دوسری بات یہ کہ میں یہاں تمہارے لیے نہیں بلکہ اپنے بزرگوں کے منہ پر آیا ہوں اور تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو----!"

عابد کا لہجہ بھی بدل رہا تھا۔

"اس کا دماغ خراب ہو رہا ہے بیٹا۔ اس کلموہی نے اس پر جادو کر دیا ہے اور اس کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔" اس کی ماں نے بیٹے کی پوزیشن صاف کرنا بہتر جانا۔

اس کے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہے تھے----!

ہما ہر روز اس کی تیمارداری کے لیے آتی۔ اس کا برتاؤ اب قدرے سنجیدہ ہونے لگا تھا۔ سیاست پر وہ کم بات کرتی تھی لیکن ارسلان اب زیادہ گفتگو سیاست پر ہی کرنا پسند کرتا تھا۔

جال

ہسپتال میں آنے کے دوسرے دن ہی سے اسے ملک صاحب کی طرف سے پھولوں کا گلدستہ ملنا شروع ہو گیا تھا۔

ملک صاحب ملک کے معتمد سیاست دان تھے۔ اپنی اصولی سیاست کے لیے وہ عموماً اپوزیشن کی سب ہی پارٹیوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ملک صاحب کی ہمدردیاں انقلابی سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ساتھ تھیں اور ارسلان کی ایک دو ملاقاتیں ملک صاحب سے ہوئی تھیں لیکن تفصیلی گفتگو کا موقعہ کبھی نہیں ملا تھا۔ ان ملاقاتوں میں انہوں نے طلبا کو امن و امان سے رہنے اور درسگاہوں کے احترام کا درس ہی دیا تھا۔ ارسلان کے لیے ان باتوں کی اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں تھی کہ وہ یہاں ہما کے ساتھ آیا ہے اور ملک صاحب ہما کی بہت عزت کرتے تھے۔

صدارت کے لیے انتخاب لڑنے کا مشورہ بھی انہوں نے ہی ہما کو دیا تھا۔

اس روز وہ قدرے بہتر محسوس کر رہا تھا جب اچانک ملک صاحب اپنے سیکرٹری اور ورکرز کی فوج کے ساتھ اس کی ملاقات کو آ گئے۔ ان کے تعاقب میں اخباری رپورٹرز اور فوٹو گرافر بھی اس کے کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔

ملک صاحب ارسلان کی خیریت دریافت کر رہے تھے اور اخبار کے لوگ اپنے کام میں مصروف تھے۔ کمرے میں پریس کانفرنس کا ماحول بنا ہوا تھا۔ ملک صاحب نے ارسلان کے حق میں اور حملہ آور تنظیم کے خلاف اچھا خاصا بیان جھاڑتے ہوئے حملہ آوروں کو فوراً گرفتاری کرنے اور کڑی سے کڑی سزا دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنی پارٹی کی طرف سے ارسلان کو مکمل تعاون کا یقین دلاتے ہوئے اس کے بہتر مستقبل کے لیے دعا بھی کی۔

اگلے روز کے اخبارات اس کی اور ملک صاحب کی تصاویر سے اٹے ہوئے تھے۔ اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا لیکن اس کی طرف سے ایک لمبا چوڑا بیان حملہ آور تنظیم کے خلاف

بازی ہو چکا تھا۔ اخبار نویسوں کی جیبیں گرم کر دی گئی تھیں اور ارسلان جانتا تھا کہ اگر اس نے اپنے بیان کی تردید بھی کرنا چاہی تو کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔

لیکن ----!

اس نے سوچا۔ وہ تردید کرے گا ہی کیوں؟ جب اس نے گندی سیاست کی اس دوڑ میں اپنا گھوڑا دوڑانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے' پھر اس میں اتنا ڈیفینسو ہونے کی ضرورت آخر کیا ہے؟

پندرہ بیس روز ہسپتال میں گزارنے کے بعد جب وہ ہوسٹل پہنچا تو ہیرو کی حیثیت سے اس کا خوش آمدید کہا گیا۔

○ ○ ○

اگلے روز وہ گاؤں روانہ ہو گیا لیکن گاؤں میں اس کا دل لگتا کہاں تھا۔ وہ تو جلد از جلد شہر واپس جانا چاہتا تھا۔ زندگی نے اس پر دو طرفہ حملہ کیا تھا۔ اس کی انانیت پر ہما نے ضرب لگائی اور مروانگی کو مخالف طلبہ تنظیم کے لوگوں نے للکارا تھا----!

ایک بے نام سی آگ اسے اندر ہی اندر جھلسا رہی تھی۔ وہ جلد از جلد اپنی گمشدہ توانائیاں حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب کسی کا انتظار نہیں کرے گا----!

وقت کا بھی نہیں ----!

اب وہ خود آگے بڑھ کر اپنے حصے کی خوشیاں زندگی سے وصول کرنا چاہتا تھا۔ خواہ اس کی کتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔ اگر ہما اکبر شیروانی نے سیاست کو ہی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا تو وہ سیاست میں بھی اہم مقام حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے پاس ذہن تھا----!

قابلیت تھی ----!

اور سب سے بڑھ کر ایک مضبوط جسم تھا۔ جس سے وہ مرضی کے مطابق کام لینے پر قادر تھا۔ والدین کے روکنے کی پروا کیے بغیر چار پانچ روز بعد ہی وہ شہر سے لوٹ آیا۔

اس مرتبہ جب وہ اپنے نئے ہوسٹل میں پہنچا تو ملک صاحب کا سیکرٹری اس کا منتظر تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کی کار میں ملک صاحب کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا----!

ملک صاحب نے اس کا استقبال اس طرح کیا تھا جیسے وہ ملک کا منتخب وزیراعظم رہا ہو۔ انہوں نے اعزاز میں اچھی خاصی پارٹی کا اہتمام کیا گیا جس میں چیدہ چیدہ نوجوان مدعو تھے۔ یہ لوگ

آپس میں خاصے بے تکلف تھے۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس پارٹی میں ہما موجود نہیں تھی۔

ملک صاحب کا خاص مہمان ہونے کے ناطے ہر نوجوان لڑکی اور لڑکا اس کی طرف متوجہ تھے ہر کوئی اس سے بے تکلف ہونے میں لگا تھا۔

مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے لیکن ملک صاحب نے اسے علیحدگی میں گفتگو کے بہانے روکے رکھا اور رات دیر گئے تک وہ تنہائی میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے ارسلان کو باور کروا دیا تھا کہ اس میں ایک بڑا سیاستدان بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ اگر وہ ذرا ہمت کرے تو زندگی اس کے قدموں تلے بچھ جائے گی----!

ارسلان یہی تو چاہتا تھا----!

اس روز جب وہ رات گئے ملک صاحب کی گاڑی میں ہوسٹل کی طرف جا رہا تھا تو اس کا دماغ ساتویں آسمان پر اڑ رہا تھا۔

جب کبھی اسے احساس ہوتا کہ ہما اکبر نے اس کی محبت کو ٹھکرایا ہے تو اس کا خون کھولنے لگتا ----!

وہ ہر صورت ہما اکبر کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ خود میں کوئی ایسی خوبی پیدا کرے کہ پھر ہما کے لیے سوائے اس کی طرف کھنچے چلے آنے کے اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہ جائے۔

○ ○ ○

قریباً ایک مہینے کے بعد ہی ایک روز افتخار اس کے ہتھے چڑھ گیا۔

افتخار نے ہی سب سے پہلے وار کیا تھا۔ ارسلان نے اسے یونیورسٹی کے باہر دیوانہ وار پیٹ ڈالا۔ اس نے افتخار کی ٹانگ توڑ دی تھی۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا اور ارسلان کے ساتھی اس کا ہاتھ نہ روک لیتے تو شاید وہ افتخار کو جان سے ہی مار ڈالتا۔

بے ہوش افتخار کو کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر پھینکنے کے بعد وہ اپنے دوست کی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر وہاں سے فرار ہو گیا۔ موٹر سائیکل کا رخ شہر کی ماڈرن آبادی کے ایک جنگلے کی طرف تھا۔ موٹر سائیکل پر نظر پڑتے ہی چوکیدار نے مین گیٹ کھول دیا۔

موٹر سائیکل ایک کونے میں کھڑی کر کے دونوں برآمدے کی طرف چلے گئے۔ پھر ارسلان اپنے ساتھی کے تعاقب میں ذرا لیٹنگ روم میں داخل ہو گیا جہاں ایک آرام دہ صوفے پر ملک صاحب آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔

"ویل ڈن مائی بوائے! ویل ڈن۔ میں نے کہا تھا کہ تم آگے نکلو گے۔ تم میں بہت کچھ کر گزرنے کی سکت ہے۔" انہوں نے بے تکلفی سے ارسلان کو گلے لگاتے ہوئے اس کے ماتھے کو بوسہ دیا۔

"ونڈرفل! بہت اچھا کیا تم نے۔ یاد رکھو اس ملک میں شریف آدمی کو بزدل اور..... کہتے ہیں۔ یہاں خود کو منوانا پڑتا ہے۔ "بائی ہک یا بائی کرک" جیسے بھی۔ یہ لوگ شرافت کی زبان نہیں سمجھتے۔ مجھے دیکھو میں بیس سال سے بگواس کر رہا ہوں۔ کوئی میری بات پر کان دھرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔ میری زبان ہی کسی کو سمجھ نہیں آتی۔ ٹھیک ہے اسمبلی کے الیکشن میں جیت جاتا ہوں لیکن مفت نہیں---- لاکھوں خرچ کرنے کے بعد---- اور یہ کوئی "کرائی ٹیریا" بھی نہیں۔ تم میری جگہ کسی عام آدمی کو لاکھوں روپے کی مدد سے اس ملک کا وزیر بنا سکتے ہو---- بہت اچھا کیا تم نے---- ان لوگوں کو جواب ملنا ہی چاہیے۔ ارے کوئی تو مائی کا لال ایسا ہو----!" وہ خاموش ہو گیا۔

"سر جی ابھی تو ہم نے ارسلان صاحب کے اور بہت سے بدلے چکانے ہیں۔" اس کے ہمراہی نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔ ارے جب تک میں زندہ ہوں۔ کوئی تمہاری ہوا کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ جو تمہارا دل چاہے کرو' میں سنبھال لوں گا۔ چیف منسٹر میری جیب میں پڑا ہے---- اس بات کا علم آئی جی کو بھی ہے اور اس شہر کے ایس ایس پی کو بھی ---- اچھا بھئی میں چلتا ہوں۔ پولیس کے معاملات بھی سنبھالنے ہیں۔ تم لوگ آج رات یہیں رکنا' رات تک میں پولیس کو سنبھال لوں گا---- اور ہاں ---- ارسلان بیٹا! تم یہ رکھ لو۔" اس نے اپنے بریف کیس سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر ارسلان کی طرف پھینک دیا۔ "اور تم اختر میاں یہ رکھ لو"۔ اس نے چھوٹا ایک بنڈل اختر کی طرف پھینکا۔

ارسلان نے کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا لیکن اختر نے جھپٹ کر بنڈل اٹھایا اور اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

"بھئی ہمارے مہمان کا خاص خیال رکھنا۔ اسے احساس ہونا چاہیے کہ ملک کا مہمان ہے۔" اس نے اختر کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"سر جی! آپ فکر ہی نہ کریں۔ ارسلان صاحب کو خوش کر دیں گے۔" اختر نے بے حیائی سے دانت نکال دیئے۔

"عارفہ گھر پر موجود ہے۔ کھانا وغیرہ اس سے تیار کروا لینا"۔ جاتے جاتے اس نے رک کر اختر کی طرف دیکھا۔

"او کے سر جی!"

○ ○ ○

"یار! یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ پیسوں کی کیا ضرورت تھی؟"

ملک صاحب کے جاتے ہی ارسلان نے اختر سے کہا۔

"جان دے پاپے۔ جان دے۔ کیوں ہم غریبوں کے پیٹ پر بھی لات مروائے گا۔ پیارے تم تو انسان ہو۔ یہاں تو کتے بھی پیسے کے بغیر ڈھنگ کی زندگی نہیں جی سکتے۔ ارسلان صاحب! یہ سارا کھیل ہی مایا کا ہے۔ مایا کا۔۔۔۔ اب تم بڑے "جوڑوں" میں آ گئے ہو۔ چھوٹی چھوٹی باتیں سوچ کر ذہن کو پریشان نہ کیا کرو۔ ابھی آگے آگے دیکھو، کیا کیا نظارے دکھاتا ہوں۔"

اس نے دوسرے کمرے میں رکھے فریج سے ایک بوتل نکالی اور گلاس اٹھا کر وہیں چلا آیا۔

"یہ کیا؟" ارسلان نے کہا۔

"اس کے بہت سے نام ہیں پیارے اور کام بھی بڑے کرتی ہے۔ بڑا آدمی بننے کے لیے تو اس سے دوستی ناگزیر ہے۔"

اختر نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"میں شراب نہیں پیوں گا۔"

ارسلان نے اپنی دانست میں بڑا مضبوط فیصلہ کیا تھا۔ یہ فیصلہ بھی ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ نہ نہ کرتے ہوئے بھی اس نے ایک گلاس چڑھا لیا۔

اس کے بعد اختر نے وی سی آر کا سوئچ آن کر دیا اور اب جو فلم ٹی وی پر چل رہی تھی اس نے ارسلان کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ فلم کے خاتمے پر عارفہ کھانا لے کر آئی تو ارسلان کے ذہن کو شیطان نے اپنی مکمل گرفت میں لے لیا تھا۔

اسے احساس ہی نہ ہو سکا کہ کب کھانے کے بعد ان لوگوں نے سونے کا پروگرام بنا لیا اور وہ عارفہ سمیت بیڈ روم میں پہنچ گیا۔ ساری رات شیطان اپنی فتح پر قہقہے لگاتا رہا۔ عارفہ تجربہ کار شکاری تھی۔ اسے تنخواہ ہی شاید اس بات کی دی جاتی تھی۔ صبح ہونے تک ارسلان کی پاکیزگی بھی خون ہو چکی تھی۔ آج اس نے وہ کھیل کھیل لیا جس کا عام حالت میں کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

صبح جب وہ اپنے کمرے میں اوندھے منہ سو رہا تھا تو اختر، ملک صاحب کو یہ خوشخبری فون

پر سنا رہا تھا کہ شکار پوری طرح جال میں پھنس چکا ہے۔

"مشن او۔ کے ہو گیا سر جی!" اس نے فون پر کہا۔

"ونڈر فل! شاباش! بچ کر نہ جائے بندہ بڑے کام کا ہے۔ اب آ گیا ہے تو اسے ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا۔"

اس نے فون پر اختر کو ہدایت دی۔

"سر جی! آپ فکر ہی نہ کریں جی!" اختر نے بے حیائی سے دانت نکالے۔ فون کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ارسلان غسل خانے میں موجود تھا۔ جب وہ نہا کر باہر نکلا تو اس کا استقبال سب سے پہلے عارفہ نے کیا تھا۔ وہ بے تکلفی سے ارسلان سے لپٹ گئی تھی۔

ارسلان نے تو جیسے مکمل سرنڈر کر دیا تھا۔۔۔۔!

اختر کام کا بہانہ کر کے چلا گیا۔ اس کے بعد تمام معاملات عارفہ نے سنبھال لیے اور ارسلان دنیا وہ مافیہا سے بے خبر ہو کر وہیں کا ہو رہا۔

یہی ملک چاہتا تھا۔

اس نے شام تک پولیس کے تمام معاملات پورے کر دیئے۔ وہ رات بھی اس نے ملک کے گھر بسر کی اور اگلے روز جب وہ صبح کے وقت وہاں سے رخصت ہو رہا تھا تو ملک کی طرف سے ملنے والی آدھی سے زیادہ رقم اس نے عارفہ کو انعام میں دے دی۔

یہاں سے وہ اس نصیحت کے ساتھ رخصت ہوا تھا کہ کبھی بھول کر بھی کسی سے یہ تذکرہ نہیں کرے گا کہ اس نے رات ملک صاحب کے کسی بنگلے پر بسر کی تھی یا ملک صاحب سے اس کی کوئی ملاقات بھی کبھی ہوئی تھی۔

○ ○ ○

یہ آغاز تھا۔۔۔۔!

ارسلان نے اس راستے پر اپنا سفر انتہائی تیزی سے شروع کیا کہ کبھی اسے خود بھی شک ہونے لگتا کہ وہ واقعی وہی ارسلان ہے۔۔۔۔!

اس نے پانچ چھ ماہ کے عرصے میں تھانے، کچہری، جیل سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ ہر جگہ ملک، اس کے اور قانون کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اخبارات چیختے چلاتے رہے کہ ارسلان کو ملک کی پشت پناہی حاصل ہے لیکن اخبارات کی ان خبروں کا رد عمل سوائے چند مذمتی

بیانات کے اور کچھ نہ ہوتا۔

شراب اور شباب نے اسے اپنا اسیر بنا لیا تھا کہ اب اس کی رہائی مشکل نظر آتی تھی۔ اس درمیان وہ ہما سے لا تعلق یا بے خبر نہیں رہا تھا۔ ہما ایک پھانس کی طرح اس کے دل میں اٹک کر رہ گئی تھی۔

یونیورسٹی اس کا جانا کبھی کبھی ہوتا تھا۔ اس دوران اس نے خاص طور پر سے نوٹ کیا کہ ہما نے سٹوڈنٹس پالیٹکس سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اب ارسلان انقلابی سٹوڈنٹس فیڈریشن کا جنرل سیکرٹری تھا۔ کبھی کبھی دونوں کا آمنا سامنے میں ٹکراؤ ہوتا تو دونوں ہی نگر نگر ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے۔

اس روز تو ارسلان حیران ہی رہ گیا جب ہما اکبر شیروانی اس کے ہوسٹل میں ملنے آئی۔

"میں یونیورسٹی چھوڑ رہی ہوں۔" اس نے ارسلان سے کہا۔

"اس اطلاع کا شکریہ لیکن آپ مجھ سے کس ردعمل کی توقع رکھتی ہیں؟" ارسلان کا لہجہ خاصہ طنزیہ تھا۔

"تم بہت اونچے اڑ رہے ہو ارسلان۔ چھوٹی کشتیوں کو سمندر کے درمیان جانا زیب نہیں دیتا۔ اب بھی وقت ہے کنارے کی طرف لوٹ آؤ---- ہاں یہ بھی سن لو کہ اب تم کوئی بھی ردعمل ظاہر کرو گے تو اس کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہو گی۔ اب تم میں موجود معصومیت اور حیا مر چکی ہے۔ اب تم ہماری صف میں کھڑے ہو گئے ہو ارسلان۔ کاش تمہاری اور میری ملاقات کبھی نہ ہوئی ہوتی۔ میرے ضمیر کو یہی ایک خلش تڑپاتی رہے گی اس راستے پر تمہیں گامزن کرنے میں کہیں نہ کہیں میرا حصہ ہے---- ارسلان خدا کے لیے اب بھی وقت ہے لوٹ جاؤ۔ یہ سب فراڈ ہے۔ مجھے سب کچھ گنوا کر احساس ہوا ہے کہ یہ دھوکہ ہے دھوکہ---- تم دھوکے کی نگری کے مسافر بن چکے ہو---- یہ راستہ صرف ایک سمت کو جاتا ہے۔ تباہی کی سمت۔"

اس کا گلا رندھ گیا تھا۔ اس کے لیے بولنا محال ہو رہا تھا۔ بڑے صبر سے اس نے اپنے آنسو روک رکھے تھے----!

"ارسلان! میں نے کوشش کی تھی کہ اپنا فرض نبھاتے ہوئے تمہیں تباہی کے اس گڑھے کی طرف بڑھنے سے روک لوں جس کی طرف تم برق رفتاری سے بڑھ رہے ہو لیکن---- افسوس میں نے دیر کر دی۔ خدا تمہاری حالت پر رحم فرمائے۔" یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی باہر نکل گئی۔

○ ○ ○

"حاسد---- جل گئی سالی!" اختر نے ارسلان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا۔

وہ اسے خبر دینے آیا تھا ملک صاحب نے اس کو نئی موٹر سائیکل تحفے میں دی ہے اور اختر اس کی چابیاں ہی اسے دینا آیا تھا۔

"تمہاری شہرت اس کو ہضم نہیں ہو رہی۔ تم نہیں جانتے اس عورت کو۔ آج تک کوئی جھکا نہیں سکا۔ تم نے اسے نیچا دکھا دیا ہے اور یہ معمولی بات نہیں۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے ارسلان کہ تمہاری کیا پوزیشن بن چکی ہے۔ اگلے الیکشن میں تمہیں کوئی بھی پارٹی ہاتھ باندھ کر ٹکٹ دے سکتی ہے۔ تم بس آگے کی سمت دیکھو۔ آگے دیکھو۔ آگے بڑھو۔ آگے نکلو۔ زندگی پلٹ کر دیکھنے والوں کو اندھا کر دیا کرتی ہے ارسلان----!" اختر نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا---- "اور ہاں یار تم نے اس پر کیا جادو کر دیا ہے۔ ہر وقت تمہارا ذکر کرتی رہتی ہے۔ آج اس سے مل لینا ورنہ عارفہ مجھے معاف نہیں کرے گی۔"

دونوں اکٹھے ہی باہر آئے تھے----!

نئی موٹر سائیکل اور عارفہ کے ساتھ شب بسری----!

ملک کا شکنجہ اس کے گرد تنگ ہو رہا تھا! اس کی گرفت ارسلان کے حلقوم پر سخت ہو رہی تھی اور اسے احساس نہیں ہو رہا تھا۔

○ ○ ○

ملک کے گھر سے نکل کر وہ اپنی نئی موٹر سائیکل پر ہوسٹل کی طرف آ رہا تھا۔

کالج روڈ کا چوک مڑتے ہی ایک سفید رنگ کی ویگن نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ اس تعاقب کا احساس ارسلان کو اس وقت ہوا جب اچانک ہوسٹل کی سڑک گھومتے ہوئے ویگن اس کے بالکل سامنے آ گئی۔

موٹر سائیکل کو بریک لگاتے لگاتے وہ ویگن سے ٹکرا کر گر پڑا----! گرنے سے اسے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ اس نے غصے سے اٹھ کر کھڑا ہونا چاہا لیکن اچانک ہی سر پر لگنے والی ہاکی کی ضرب نے اس کو دن میں تارے دکھا دیئے۔

اندھیرے میں ڈوبتے اس کے ذہن پر جو آخری منظر نقش ہوا' وہ ان اجنبی اور شناسا چہروں کا تھا جو ویگن سے اتر کر ہاتھوں میں ہاکیاں تھامے اس پر حملہ آور ہوئے تھے۔

شاید ان میں سے ایک نے اپنے ہاتھ میں پستول بھی تھام رکھا تھا۔

ارسلان کو ہوش آیا تو وہ کسی زمین دوز کمرے میں فرش پر پڑا تھا۔

کسی نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تھے۔ اس کے سامنے پانچ نقاب پوش کھڑے تھے۔

"کون ہو تم؟" اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن پنڈلی پر پڑنے والی ضرب نے اسے دوبارہ زمین پر گرا دیا۔

اس کے ساتھ ہی چاروں اس پر پل پڑے۔

انہوں نے ارسلان کو زیر تفتیش مجرموں کی طرح کمرے کی چھت سے لٹکتی دو لوہے کی زنجیروں میں باندھ لیا تھا۔ اس کی دونوں کلائیاں زنجیروں سے بندھی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے پاؤں میں ایسی ہی زنجیر ڈال دی گئی۔

اس دوران اغوا کنندگان نے اس سے اپنا تعارف کروا دیا۔

"تم کیا سمجھتے تھے کہ وہ حرامی کی اولاد ملک ہر جگہ تجھے بچا لے گا۔ اسے کہو گورنر، چیف منسٹر یا آئی جی سے کہہ کر تمہیں سزا سے بچا لے۔ کتے کے پلے! تم نے افتخار کو مارا۔ ہم تمہارے ہاتھ تمہارے جسم سے الگ کر دیں گے۔"

ایک غصیلی آواز نے اسے گالیاں بکتے ہوئے کہا۔

ارسلان سمجھ گیا کہ وہ مخالف تنظیم کے قابو میں آ چکا ہے اور معافی مانگنے یا گڑگڑانے پر بھی خیر کی کوئی توقع نہیں تھی۔

اس نے دیوانہ وار انہیں گالیاں دینا شروع کر دیں جس کے ساتھ ہی چاروں حسب توفیق اس پر ستم آزمائی کرنے لگے۔

اس درمیان میں وہ دو مرتبہ بے ہوش ہوا لیکن ہر دفعہ ہوش میں لانے کے بعد وہ لوگ باقاعدہ ماہر ڈاکٹروں کی طرح اس کی نبض اور بلڈ پریشر چیک کرتے۔

ان کا لیڈر اس کے بعد جیل کے ڈاکٹروں کی طرح انہیں دوبارہ مار کٹائی کا سگنل دیتا اور وہ اس پر تشدد کرنے لگتے۔

شام گئے تک یہ عمل جاری رہا۔

اس درمیان وہاں مختلف تنظیموں کے لوگ آتے جاتے رہے۔ وہ ارسلان سے ایک سفید کاغذ پر دستخط کروانا چاہتے تھے لیکن شام گئے انہیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ مرتا مر جائے گا لیکن جیتے جی دستخط نہیں کرے گا۔

"ٹھیک ہے "مہر" لگا کر رہا کر دو۔ اگر یہ ہمارا مہمان بنا ہے تو ہماری نشانی لے کر ہی

واپس جائے۔" ان کے لیڈر نے احکامات جاری کیے۔

کسی نے اس درمیان استری کا پلگ لگا دیا تھا۔ جب استری آگ کی طرح دہکنے لگی تو پلگ اتار کر اسے الگ کر لیا گیا۔

تشدد سے نیم بے ہوش ارسلان کی گالیوں پر کان دھرے بغیر ان میں سے ایک نے اس کی کمر سے قمیص پھاڑ کر الگ کر دی۔ دوسرے لڑکوں نے اس کی بے بسی پر قہقہہ لگایا۔

اس کی ساتھ ہی آگ کی طرح دہکتی استری اس کی کمر سے چپکا دی گئی۔ اس کے جسم سے کھال جلنے لگی تھی۔ اس کے منہ سے ذبح ہونے والے بکرے کی طرح زوردار آوازیں نکل رہی تھیں۔ بمشکل ایک منٹ کی اذیت وہ برداشت کر سکا۔ پھر بے ہوش ہو گیا۔

بے ہوش ارسلان کو ان لوگوں نے سٹریچر پر ڈالا اور اندھیرے میں کھڑی ایک ایمبولینس تک لے آئے۔ سٹریچر ایمبولینس میں منتقل کرنے کے بعد انہوں نے ایمبولینس سٹارٹ کی جس کا رخ نزدیکی ویران سڑک کی طرف تھا۔ ارسلان کو نہ تو آتے ہوئے اور نہ ہی یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے علم ہوا کہ اسے کہاں لایا گیا ہے اور کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ سڑک کے ایک ویران گوشے میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے نزدیک انہوں نے ارسلان کو گندگی کی طرح پھینکا اور رفو چکر ہو گئے۔

شکار اور شکاری

ملک پائپ منہ سے لگائے ٹیلی فون کے نزدیک ہی بیٹھا تھا۔ جب اچانک فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو----!" دوسری طرف اختر مخاطب تھا۔

"سرجی! کام ہو گیا۔ بالکل آپ کے حکم کے مطابق میں نے ان کے خاص آدمی کو فون پر مطلع کر دیا تھا کہ ارسلان کدھر جا رہا ہے۔ انہوں نے اسے کالج روڈ کے تھوڑی دور ہی قابو کر لیا۔ موٹر سائیکل وہیں پڑی رہی اور وہ اسے اپنے "انٹیروگیشن" سینٹر میں لے گئے تھے۔

"تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا یا بکواس کر رہے ہو؟"

ملک آج بالکل بدلے ہوئے لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

"خدا کی قسم سرجی!! میں نے ان لوگوں کو اپنی آنکھوں سے ارسلان کو اغوا کرتے دیکھا تھا۔"

اختر پالتو کتے کی طرح مالک کی وفاداری میں دم ہلا رہا تھا۔

"ویل ڈن! شاباش۔ خوش کر دیا۔ اب میں دیکھوں گا۔ اب کھیل کا مزہ آئے گا۔" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے سٹڈی روم میں موجود تھا جہاں ایک مقامی اخبار کا رپورٹر اس سے طلبا سیاست میں تشدد کے رجحان پر انٹرویو لے رہا تھا اور ملک بڑھ چڑھ کر اس تشدد کے رجحان کی نفی میں دلائل پیش کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا اگر جلدی ہی اس عفریت پر قابو نہ پایا گیا تو یہ درسگاہوں کے سکون کو نگل جائے گی پھر کالجوں کو جانے والے بچوں کی زندگیوں کی ضمانت کوئی نہیں دے سکے گا۔

اس نے مروجہ تشدد کی ساری ذمہ داری مقامی انتظامیہ اور ایک طلبا تنظیم پر عائد کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان لوگوں نے درسگاہوں کو بدمعاشی کے اکھاڑے بنا کر ان کے تقدس کو نگل لیا ہے۔

انٹرویو کے خاتمے پر جب متعلقہ رپورٹر باہر نکلا تو ملک کا سیکرٹری بھی اس کے ساتھ ہی باہر تک آیا تھا۔ وہ رپورٹر کو اپنی گاڑی میں اس کے اخبار کے دفتر چھوڑنے جا رہا تھا۔

"سرجی یہ رکھ لیں۔" اس نے تھوڑی دور جا کر ڈیش بورڈ میں رکھا ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا----؟ ارے اس کی کیا ضرورت تھی۔" رپورٹر نے بے شرمی سے دانت نکالتے ہوئے لفافہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"او جی! یہ تو جناب آپ لوگوں کا حق ہے۔ دیکھئے نا! اگر آپ مہربانی نہ کریں تو ہم لوگوں کو کون پوچھے گا----!"

سیکرٹری اس سے بھی زیادہ بے شرم دکھائی دے رہا تھا۔

○ ○ ○

ملک اپنے کمرے میں ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو----!" اس نے معمول کے مطابق نہایت مہذب قسم کی آواز نکالی۔

"اپنے پالتو کتے کو مین روڈ کے کوڑے کرکٹ والے ڈرم سے وصول کر لو اور ہاں خیال رکھنا ایک روز ہم تمہارا بھی یہی حشر کریں گے۔" اس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے مغلظات کا طوفان ابلنے لگا۔

کیا مجال جو گالیاں سن کر ملک کے ماتھے پر شکن بھی آئی ہو۔ ایک مکارانہ سی مسکراہٹ البتہ اس کے ہونٹوں سے چپک گئی۔

"بیٹے! تم کون ہو؟ کیا بات کر رہے ہو؟ بھئی مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ ارے دیکھو خودار بزرگوں کو گالیاں نہیں دی جاتیں----!"

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی رابطہ کٹ گیا۔

ملک کی آنکھوں میں شیطانی چمک بیدار ہو گئی تھی۔ اس نے فوراً ہی دوسرا فون اٹھایا۔ اب وہ کسی اخبار کے دفتر میں سلامی صاحب کو تلاش کر رہا تھا۔

"جی سلامی صاحب! آپ کا خادم بول رہا ہوں۔"

"جناب خادم تو ہم ہیں آپ کے بلکہ ہم تو ساری قوم کے خادم ہیں۔" سلامی کی مریل سی آواز سنائی دی۔

"بھئی فوراً اپنا فوٹو گرافر اور رپورٹر مین روڈ کے کارنر پر جو کوڑا کرکٹ پھینکنے والا ڈرم

ہے' وہاں بھیج دو۔ ایک اہم خبر تمہاری منتظر ہے اور ہاں تصاویر سمیت زوردار سرخیاں لگا کر خبر دینا۔ بس دکھا دو اپنی صحافت کا کرشمہ!"

ملک کی آواز سے خوشی ٹپک ٹپک پڑتی تھی۔

"جناب فکر ہی نہ کریں۔ نوکر کیا اور نخرہ کیا! وہ میرا پلاٹ والا معاملہ.....!" سلامی نے ٹیلی فون کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"سلامی صاحب آج تک آپ کا کون سا کام رکا ہے۔ ارے ہم تو یاروں کے یار ہیں۔" ملک نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر فون بند کر دیا۔

اس نوعیت کا فون ملک نے ایک اور اخبار کے دفتر میں بھی کیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اختر سے کہا کہ اپنے دوستوں کے ساتھ جا کر ارسلان کو اٹھا لائے۔

لیکن---!

ان لوگوں کو بھی خاص ہدایت دی گئی تھی کہ وہ فوٹو گرافروں کے کام میں رکاوٹ نہ ڈالیں' بھلے طبی امداد لیٹ ہو جائے۔

پولیس' طلباء اور اخبار والے اکٹھے ہی جائے حادثہ پر پہنچے تھے اور سب تن من سے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔

○ ○ ○

ارسلان کو اس کے ساتھی فوراً نزدیکی ہسپتال لے گئے۔ اخبارات والوں نے اپنا کام شروع کر دیا اور پھر پولیس نے انقلابی سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری اطلاعات ملک اختر نواز کا بیان قلمبند کرنا شروع کر دیا۔ جس نے اس حملے کی ساری ذمہ داری مخالف تنظیم پر ڈال کر اس کے چار پانچ متحرک کارکنوں کے نام ایف آئی آر میں بطور ملزمان لکھوا دیئے تھے۔

صبح کے اخبارات نے یہ خبر نمایاں طور پر شائع کی تھی۔ طلبا برادری میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ ملک کی ہدایت پر ایک جلوس آئی جی کے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ آئی جی تک جلوس پہنچے' ان کے فون کی گھنٹی بجی۔

○ ○ ○

آئی جی صاحب نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف مشہور اور معتبر سیاسی رہنما ملک صاحب

لائن پر آ گئے۔

"آئی جی صاحب! بڑے افسوس کی بات ہے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد محض ایک ہفتے میں یہ چوتھا واقعہ ہے۔ اگر آپ لوگوں نے میری بکواس پر کان دھرے ہوتے اور پہلے ہی مارشے پر ملزمان کو کیفر کردار تک پہنچایا ہوتا تو یہ نوبت ہرگز نہ آتی---!"

"ملک صاحب ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اگر سختی کریں تو بھی آپ لوگ ہمارے خلاف بیان بازی شروع کر دیں گے۔ میرے پاس کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے نہ اللہ دین کا چراغ ہے.....!"

"آئی جی صاحب! ذرا سنبھل کر بات کیجئے۔ ٹھیک ہے ہوم منسٹر سے آپ کی رشتہ داری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ عوامی نمائندوں کی بے عزتی شروع کر دیں۔ میں کچھ نہیں جانتا' آپ کو آج شام تک بہرصورت ملزمان کو گرفتار کرنا ہو گا اور ہاں اگر شام تک آپ کوئی کرشمہ نہ دکھا سکے تو یہ معاملہ یہاں نہیں رکے گا۔ میں چیف منسٹر سے بات کروں گا۔ آئی جی صاحب! آپ نے جمہوریت کو مذاق سمجھ رکھا ہے کیا؟"

اس نے آئی جی کی بات کاٹ کر غصے سے کہا۔

"دیکھئے ملک صاحب! میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں اور اس میں رشتہ داری کا کیا معاملہ آن پڑا۔ میں نے انکار نہیں کیا۔ اگر پولیس امن و امان نہیں چاہے گی تو کون امن و امان سے زندہ رہ سکے گا؟ آپ مطمئن رہئے' میں انشاء اللہ کوشش کر رہا ہوں۔"

آئی جی کا دل تو چاہتا تھا کہ اس کا منہ نوچ لے لیکن مصلحت نے اس کی زبان پر تالا لگا دیا تھا۔

آئی جی صاحب ایمان دار آدمی تھے لیکن بدقسمتی سے ہوم منسٹر کے رشتہ دار بھی تھے جن کا تعلق ملک صاحب کی مخالف پارٹی سے تھا اور آئی جی صاحب اندازہ لگا سکتے تھے اس "ایشو" پر ملک جیسے سیاست دان کیا کیا طوفان نہیں کھڑا کر سکتے۔

ملک کا فون ابھی بند ہی ہوا تھا جب آئی جی صاحب کا دفتر طلبا کے نعروں سے گونجنے لگا۔ ایک مرتبہ پھر ان کے امتحان کا وقت آ گیا تھا۔ انہوں نے اپنی فوری سنبھالی' طلبا کے نمائندوں کو اپنے دفتر میں طلب کیا۔

بپھرے ہوئے طلبا کا مطالبہ تھا کہ آئی جی ان سے باہر آ کر بات چیت کرے۔

بادل نخواستہ آئی جی کو باہر آ کر بات کرنا پڑی۔ ان کی قوت برداشت کا ہر طرح سے امتحان لیا گیا لیکن ان کے پاس سوائے ضبط کے اور چارہ بھی کیا تھا۔ آئی جی صاحب نے ہجوم کو یقین دلایا کہ شام تک وہ ملزمان کو گرفتار کر لیں گے۔ ہجوم کی طرف سے شام تک گرفتاری نہ

ہونے کی صورت میں دوبارہ ہنگامہ آرائی کی دھمکیاں دی گئیں۔

شام تک انتظامیہ کے دباؤ پر آئی جی نے پرچے میں نامزد بے گناہ ملزمان کو گرفتار کر ہی لیا۔

اگلے روز جب انہیں ریمانڈ لینے کے لیے عدالت میں پیش کیا گیا تو چاروں ملزمان کے وکیلوں نے حادثے کے وقت ان کی معروفیات کی اور جگہ ثابت کر دی۔ دو چار روز جیل میں رہنے کے بعد ان کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

○ ○ ○

ارسلان کے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہے تھے۔

اس کے والد نے اس کی گھٹیا حرکتوں کے پیش نظر اس کی شکل دیکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

ایک ماں کی ذات تھی یا پھر بھائی اور بہن جو اس روگ کے خود بھی روگی بن رہے تھے اور ان سب سے بڑھ کر ہما اکبر شیروانی تھی جس نے ارسلان کی خدمت جی جان سے کی۔ وہ رو رو کر ہاتھ باندھ کر اس کی منتیں کرتی رہی کہ وہ اس راستے سے لوٹ جائے۔

لیکن۔۔۔۔!

ارسلان نے لوٹ جانے کے لیے یہ راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ وہ تو زندگی کی دوڑ میں دیوانہ وار آگے نکلنا چاہتا تھا۔ خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنا پڑے۔

ملک اور اس کا شیطانی گروہ اس سے چمٹا رہا۔ وہ لوگ تیمارداری کے ساتھ ساتھ انتقام کے جراثیم اس کے خون میں انجیکٹ کرتے رہے اور جب وہ صحت مند ہو کر واپس آیا تو ملک نے اس کو ہوسٹل جانے سے منع کر دیا۔ اس کی رہائش کا خصوصی بندوبست کیا گیا تھا۔

کلاشنکوف اس کے ہاتھوں میں تھما دی گئی تھی!

اس کے ذہن میں انتقام کا لاوا پک رہا تھا!

عارفہ اس کے الاؤ کی تپش بڑھانے کے لیے اس کے پہلو سے چمٹا دی گئی تھی۔

○ ○ ○

اس روز وہ ملک کے گھر ایک اہم میٹنگ کے لیے اکٹھے ہو رہے تھے۔ وہ پانچ تھے

ارسلان، اختر، رفیق اور دو ملک کے فراہم کردہ غنڈے! انہیں ایک اہم مشن سونپا جا رہا تھا۔

"حافظ عابد اس شرارت کی جڑ ہے۔ جب تک یہ شخص زندہ ہے تمہیں چین کی زندگی نہیں جینے دے گا۔ اس کے جیتے جی یونیورسٹی کا کوئی الیکشن تم نہیں جیت سکتے۔ اسے مار ڈالو۔۔۔۔" ملک کا لہجہ خونخوار ہو رہا تھا۔

"بالکل ٹھیک کہا سر جی! بالکل ٹھیک۔ میں تو آپ سے ہمیشہ یہی کہتا آیا ہوں کہ پاگل کو نہیں اس کی ماں کو مارو۔" اختر مکاری کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔۔۔۔!

"درخت کی جڑوں کو کاٹ ڈالو بیٹا! شاخیں سوکھ کر گر جائیں گی اور یہ جو پتے ہیں ناں۔۔۔۔ یہ تو ہوا کا جھونکا برداشت نہیں کر پائیں گے، خشک ہو جائیں گے اور تم جانتے ہو خشک پتے معمولی ہوا میں بکھر جاتے ہیں۔"

ملک کسی عفریت کی زبان میں پھنکار رہا تھا۔

"ٹھیک ہے ارسلان ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جذباتی نہیں بننا بیٹا! ذرا سنبھل کے۔ پلاننگ کے ساتھ اور ہاں خطرہ مول لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کام مکمل ہوتے ہی نکل جاؤ۔ اگر گرفتاری ناگزیر ہو گی تو یہ دونوں گرفتاری دیں گے۔"

اس نے قربانی کے دونوں بکروں کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے اطاعت میں گردن جھکا دی۔

چند روز بعد وہ عابد کی ایک جگہ موجودگی کی اطلاع پر ایک ویگن میں مسلح ہو کر عازم سفر تھے۔ وہ یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے صدر حافظ عابد کو قتل کرنے جا رہے تھے تاکہ خوف دہشت اور غنڈہ گردی کے ذریعے اگلے الیکشن میں کامیابی حاصل کر سکیں۔

○ ○ ○

مقامی کالج میں الیکشن قریب آ رہے تھے۔ حافظ عابد طلبا تنظیم کا صدر تھا اور اس کالج میں اپنی تنظیم سے متعلق انتخابات میں حصہ لینے والے پینل کی انتخابی مہم کے سلسلے میں ایک جلسہ سے خطاب کرنے آیا تھا۔ ان لوگوں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں اور جانتے تھے کہ ارسلان اپنی پیٹھ پر لگے گھاؤ کو دیکھ کر اکثر تلملاتا ہو گا۔

انہیں علم تھا کہ ارسلان جیسے نوجوان جب ملک صاحب جیسے لیڈروں کے ہتھے چڑ جائیں تو پھر نہ ان کی سوچ اپنی سوچ رہتی ہے نہ ان کا جسم اپنا جسم رہتا ہے۔ ان کو پھر ملک جیسے

گھاگ اور شاطر کھلاڑی اپنی انگلیوں کے اشارے پر نچاتے ہیں۔

کالج کی گراؤنڈ مین گیٹ کے سامنے نظر آ رہی تھی جہاں حافظ عابد کی تنظیم کا انتخابی جلسہ ہو رہا تھا لیکن اس بات کا علم بہت کم لوگوں کو تھا کہ ان کے ساتھیوں نے کالج کی چھت پر مورچے قائم کر رکھے ہیں اور وہ کسی بھی ناگہانی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

جلسے کے آغاز سے پہلے ہی انہوں نے کالج کی چھت پر مورچے باندھ لیے تھے۔۔۔۔!!

○ ○ ○

وہ کسی ناگہانی آفت کی طرح نازل ہوئے تھے۔ سب سے پہلے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر موجود ارسلان باہر نکلا اور حافظ عابد کو گالیاں دیتا ہوا اسٹیج کی طرف لپکا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھیوں نے وین سے نکل کر اندھا دھند ہوا میں گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ حملہ آور شاید اس "کاؤنٹر حملے" کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھے۔ انہیں لینے کے دینے پڑ گئے کیونکہ بلندی سے گولیاں برسانے والوں کو ان پر ہر لحاظ سے برتری حاصل تھی۔

ملک صاحب کے فراہم کردہ دونوں غنڈے تو پہلی ہی بوچھاڑ پر دم دبا کر بھاگ نکلے' یوں بھی ان کا کام اب ختم ہو گیا تھا۔ انہوں نے ایک مرتبہ لڑائی کا آغاز کروانا تھا۔ اس کے بعد دونوں پارٹیاں آپس میں نمٹیں۔ ان کا درد سر نہ تھا۔

ملک بڑا گھاگ سیاستدان تھا۔ معمولی سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر وہ اس مقام تک پہنچا تھا۔ اسے علم تھا کہ طلبا کی کسی ہنگامہ آرائی میں کسی غیر طالب علم کی گرفتاری کیا گل کھلا سکتی ہے۔

عین ممکن تھا گرفتار ہونے والے دوسری پارٹی کے ہاتھوں پکڑے جاتے یا پولیس تشدد کی تاب نہ لاتے ہوئے اصلیت بک دیں اور اس کا سارا سیاسی کیریئر داؤ پر لگ جائے۔ اس نے تو ان دونوں کو صرف ارسلان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ساتھ کیا تھا ورنہ تو اصل کام ارسلان نے ہی کرنا تھا۔

طالب علموں میں بھگدڑ مچی تھی۔۔۔۔!

اپنی جانیں بچانے کے لیے جس کا منہ جدھر اٹھا وہ بھاگ نکلا۔ خوفزدہ اور سہمے ہوئے بے چارے شریف اساتذہ مختلف کمروں میں اپنی جانیں چھپائے ہوئے تھے۔ کسی کو اتنا ہوش نہیں تھا کہ وہ پولیس کو ٹیلی فون ہی کر دیتا۔

شاید ان لوگوں کو علم تھا کہ کالج سے بمشکل پندرہ بیس گز دور موجود پولیس کے ٹرک اگر اپنی جگہ سے اس ہنگامہ آرائی کے باوجود جنبش نہیں کر سکے تو ان کے ٹیلی فون سے ان کی ٹانگوں میں حرکت آنے سے رہی۔

ارسلان کی نظریں حافظ پر جمی تھیں اور وہ پستول تھامے اس کے تعاقب میں لپکا۔ عین اس مرحلے پر جب حافظ عابد اس کی رینج میں تھا اس نے پستول سیدھا کیا تو ارسلان کی ماں ایک ڈھال بن کر سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"بیٹا! عابد نے تمہیں اور تمہاری بہن کو قرآن پڑھایا ہے۔ ہم ساری زندگی صرف ایک احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتے۔ اگر خدانخواستہ تم نے کبھی اس کی بے عزتی کی تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

اس نے ہسپتال میں اس وقت ارسلان کو کہا تھا جب وہ اپنی عیادت کو آئے حافظ عابد صاحب سے الجھنے لگا تھا۔

نجانے کیوں چاہتے ہوئے بھی وہ حافظ عابد پر فائر نہ کر سکا۔

لیکن۔۔۔۔!

یہ کیا۔۔۔۔؟

حافظ عابد تو اپنا پہلو تھامے زمین پر گر پڑا تھا۔ اس نے تو گولی نہیں چلائی' پھر یہ گولی کس نے چلائی؟ ارسلان گڑبڑا کر رہ گیا۔ اس کے اوسان ہی خطا ہو گئے۔ شاید چھت پر موجود حافظ عابد کے ساتھیوں نے اسے گولی کھا کر گرتے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے دیوانہ وار فائرنگ شروع کر دی تھی۔ وہ راستے میں آنے والی ہر شے کو تباہ کرنے پر تل گئے تھے۔

"بھاگو۔۔۔۔!

اچانک ہی کسی طرف سے نکل کر نواز نے اس کا بازو تھاما اور جھٹکا دے کر اپنی طرف کھینچا۔

ارسلان جیسے خواب غفلت سے اچانک ہی بیدار ہوا تھا۔ یہ احساس کہ اس سے چند گز پر حافظ عابد کی لاش خون میں لت پت پڑی ہے' اس کے لیے بہت جان لیوا تھا۔

یہ وہی حافظ عابد تھا جس نے انگلی پکڑ کر مسجد کا راستہ دکھایا تھا۔ حافظ عابد اس سے عمر میں تو زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اس کے گھر میں حافظ عابد کا احترام بزرگوں کی طرح کیا جاتا تھا۔ اسے قرآن پڑھانے والا محترم نوجوان آج گھناؤنی سیاست کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔

یہ خلش تو اسے مار ڈالے گی۔ اس نے سوچا۔

وین تک نواز اسے قریباً کھینچتا ہوا لایا تھا۔ دونوں کسی طرح اوپر سے ہونے والی فائرنگ

سے بچتے بچاتے بمشکل وین تک پہنچے تھے جس کی ڈرائیونگ سیٹ اختر نے سنبھال لی تھی۔ گولیوں سے وین چھلنی ہو رہی تھی۔

انہیں حیرت ہو رہی تھی کہ ابھی تک اختر زندہ کیسے رہا؟

وین کا انجن سٹارٹ تھا۔ دونوں بھاگ کر وین میں سوار ہوئے تھے۔ ٹریفک سڑک پر گولیوں کی آواز سے بند ہو چکی تھی۔ سڑک کے دوسری طرف پولیس کے جوان ہاتھوں میں رائفلیں پکڑے لڑکوں پر سوار محو تماشہ تھے۔ ارسلان کے لیے حیرانگی کی بات تو یہ تھی کہ کسی نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

اختر وین کو دیوانہ وار چلاتا ہوا مطلوبہ جگہ تک لے آیا تھا۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق انہیں وین اسی جگہ چھوڑ دینی تھی جہاں وہ پہنچے تھے۔ یہاں سے دو موٹر سائیکلوں پر انہیں الگ الگ راہ فرار اختیار کرنی تھی۔

ایک موٹر سائیکل پر اختر اور ارسلان اور دوسری پر نواز۔ دونوں الگ الگ سمتوں میں فرار ہو رہے تھے۔ اپنا اسلحہ انہوں نے بیس چھوڑ دیا تھا۔ احتیاطاً پستول اختر نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

موٹر سائیکل کا رخ اسی بنگلے کی طرف تھا جہاں وہ اکثر عارفہ کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ نواز ان سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکا تھا۔

"ویل ڈن مائی ڈیئر بوائز ویل ڈن----! یہاں آتے ہی فون پر انہیں ملک صاحب کی طرف سے اس "کارنامے" پر مبارک باد مل گئی۔

شام کی خبروں سے انہیں حافظ عابد کی موت کا علم بھی ہو گیا تھا۔

ارسلان کے دل و دماغ کو اس خبر سے ایک دھکا سا لگا۔ اسے اپنا دل بیٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے آہستہ آہستہ کوئی اسے مٹھی میں لے کر دبا رہا ہو۔ اپنی ٹانگوں سے اسے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

ایک بے نام سا پچھتاوا اس کی جان کو آ گیا تھا۔

اس نے حافظ عابد پر گولی نہیں چلائی تھی لیکن وہ خود کو اس کا قاتل تصور کر رہا تھا۔

ساری رات عارفہ اور شراب اس کا غم غلط کرتے رہے۔ اس مرتبہ ملک صاحب نے ان کے لیے عارفہ جیسی اور فاحشاؤں کا بندوبست بھی کر رکھا تھا۔

شراب اور شباب کے نشے نے ارسلان کو مدہوش کر دیا تھا۔ جلد ہی وہ نیند کی آغوش میں سما گیا۔ جہاں ایک مرتبہ پھر حافظ عابد کی بے گناہ لاش ایک سوال بن کر اس کے لاشعور کو ڈسنے لگی۔

دو تین مرتبہ وہ ہڑبڑا کر اٹھا لیکن عارفہ نے اسے سنبھال لیا۔

○ ○ ○

حافظ عابد کی شکل میں مخالف تنظیم کو اس سال کا سب سے بڑا شہید اور سب سے اہم "ایشو" مل گیا تھا۔

انہوں نے حملہ آور تنظیم کے چھ اہم لیڈروں کے نام ملزمان کی فہرست میں درج کروا کر یہ الزام بھی دہرا دیا تھا کہ حملہ آوروں کو ملک صاحب کی سیاسی جماعت کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ اس کا جواب ملک صاحب کی بجائے ان کی سیاسی جماعت کے پراپیگنڈہ سیکرٹری نے شام کو ایک ہنگامی پریس کانفرنس میں دیا۔ اس پریس کانفرنس میں قریباً ہر قابل ذکر اخبار کا رپورٹر اور لیٹرہ مین موجود تھا اور پریس کانفرنس کے خاتمے پر "حصہ بقدر جثہ" کے مصداق ہر کسی کو اس کی حیثیت کے مطابق نذرانہ دے دیا گیا تھا۔

ملک صاحب اس ملک میں سیاست کرنے کے تمام "آداب" سے آگاہ تھے۔ وہ معمولی سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر اس مقام تک یونہی نہیں پہنچ گئے تھے۔

پریس سے بہترین تعلقات---- ان کا نصب العین تھا اور اس کی ہر ممکن قیمت وہ ادا کرنے کو تیار رہتے تھے۔

ان کی جماعت کی طرف سے جاری وضاحت اگلے ہی روز قریباً تمام اخبارات کے صفحہ اول پر نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھی جب کہ مخالف تنظیم کے مقتول نوجوان کی خبر بیس اندر کے صفحات میں لگا دی گئی تھی۔

یہ تو نوجوانوں کے جذبات کو بھڑکانے والی بات تھی۔

دوپہر تک شہر کی سڑکوں پر ہزاروں طالب علم جمع ہو کر "عابد شہید کا راستہ' ہمارا راستہ' کے نعرے بلند کرتے پہلے تو آئی جی صاحب کے دفتر کی طرف بڑھے۔ آئی جی صاحب اس سے پہلے ہی وزیراعلیٰ کے طلب کرنے پر ان کے ہاں ایک ہنگامی اجلاس میں شرکت کرنے تشریف لے جا چکے تھے۔ یہاں ان لوگوں نے جی بھر کے پولیس اور انتظامیہ کا ماتم کیا۔ جب کسی طرح ان کے طیش دلانے پر بھی صورت حال جوں کی توں رہی تو جلوس کی طرف سے پولیس پر پتھراؤ شروع ہو گیا۔ جواب میں مجبوراً پولیس نے اشک آور گیس استعمال کی۔ جب معاملہ اس پر بھی کنٹرول نہ ہوا تو ہوائی فائرنگ کی نوبت آ گئی۔

عین ان لمحات میں جب پولیس اور طلباء کے درمیان شہر کی سڑکوں پر آنکھ مچولی ہو رہی تھی' یونیورسٹی اور کالج کی یونینوں کی چار بسوں پر سوار کچھ طلباء اپنے مشن پر الگ سے چل پڑے تھے۔

سیاست اور۔۔۔۔۔

ان کا رخ شہر کے سب سے بڑے اخبار کے دفتر کی طرف تھا۔ دفتر کے سامنے لمبیں روک کر انہوں نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ڈنڈے اور ہاکیاں سنبھالیں اور اخبار کے دفتر میں جا گھسے جب کہ ان کے چند ساتھیوں نے دفتر کے باہر کھڑے ہو کر ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔

ڈنڈا بردار فورس نے اخبار کے دفتر میں گھس کر ہر قابل ذکر شے کو توڑنا شروع کر دیا۔ اس اثناء میں جو کوئی اخباری ملازم ان کے ہتھے چڑھا' اس کی بھی انہوں نے اچھی طرح دھنائی کر دی۔ وہ جنونیوں کی طرح اخبار کے مالکان کو گالیاں بکتے اپنے کام میں مصروف تھے۔ عملے کے ہر قابل ذکر رکن نے ہاتھ روم یا میزوں کے نیچے چھپ کر جان بچائی تھی۔ اخبار والوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کم از کم اخبار پر حملے کی اطلاع سن کر پولیس ضرور حرکت میں آ جائے گی لیکن آدھ گھنٹے تک پولیس کی طرف سے صرف تسلیاں ہی ملتی رہیں۔

جب حملہ آور اپنا کام مکمل کر کے اطمینان سے فرار ہو گئے تو پولیس کے مسلح جوان ٹرکوں میں سوار موقعہ واردات پر پہنچ گئے۔ شاید وہ اس موقعے کے منتظر تھے کہ کب حملہ آور فارغ ہوں اور وہ ان کی جگہ سنبھالیں۔

پولیس فورس کی کمان ایس پی صاحب فرما رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی پولیس کے جوانوں کو عمارت گھیرے میں لینے کا حکم دیا۔ پولیس کے مسلح دستوں نے تباہ شدہ عمارت کو گھیرے میں لے کر اس میں چھپے ہوئے خوفزدہ اور زخمی لوگوں کو مقید کر دیا۔

○ ○ ○

اخبار کے مالک صاحب خوش قسمتی سے اپنے دولت خانے پر تشریف فرما تھے۔ جب ان کو اس واردات کی خبر کی گئی تو وہ بھی بھاگم بھاگ دفتر پہنچے۔ ان کے چیخنے چلانے پر پولیس والوں

نے بالآخر زخمیوں کو ہسپتال پہنچانے کی اجازت دی ورنہ وہ تو موقعہ واردات سے کسی بھی "کارآمد شے" کو ادھر ادھر کرنے کی اجازت دینے پر تیار ہی نہیں ہو رہے تھے۔

"اب آپ لوگ کیا جھک مارنے آئے ہیں؟ حملہ آور تو اپنا کام کر کے چلے گئے۔۔۔۔!" اخبار کے مالک نے ایس پی کے منہ کے سامنے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے جناب! ٹھیک ہے آپ بڑے لوگ ہیں۔ آپ کے تعلقات اعلیٰ حکام سے رہے ہوں گے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سرکاری ملازمین کی بے عزتی شروع کر دیں۔"

ایس پی کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ دبنے والا نہیں ہے۔

اخبار کے مالک نے "چھوٹے ملازم" کے منہ لگنا پسند نہیں کیا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

تھوڑی دیر میں پولیس اور اعلیٰ حکام بھی موقعہ واردات پر پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ اس دوران پولیس نے حملہ آوروں کے ڈنڈوں اور ہاکیوں سے بچ جانے والے اخباری کارکنوں کی اس طرح انگوٹھائی شروع کر دی کہ گویا یہ کارنامہ انہوں نے ہی انجام دیا ہو۔ اخباری ملازمین نے اس بے ہودہ رویے کے خلاف بطور احتجاج پولیس کو بیان دینے سے انکار کر دیا تھا۔

"جناب والا! جب آپ پولیس سے تعاون نہیں کریں گے تو ہم ملزموں کو گرفتار کیسے کر پائیں گے۔۔۔۔!" ایس پی صاحب نے ملازمین کے اس رویے پر شاکی لہجے میں اخبار کے مالک کو جواب دیا۔

اخبار کے مالک کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کا ٹینٹوا دبا دے۔ وہ لوگ بجائے ہمدردی کے الٹا ان کے زخموں پر نمک چھڑک رہے تھے۔ بس ایک ملک صاحب تھے جنہوں نے دل و جان سے اس حادثے پر صدمے کا اظہار کیا تھا اور ایک ایک کارکن کے پاس جا کر اپنے دلی رنج و غم کا برملا نمونہ پیش کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی حملہ آور تنظیم کے خلاف ڈٹ کر بیان دیا تھا۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ سیاست میں تشدد کا جو سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے' اس کی واحد وجہ اس تنظیم کے لوگوں کی غیر اخلاقی اور غیر قانونی کارروائیاں ہیں۔

ملک صاحب نے ہسپتال میں داخل اس اخبار کے چاروں زخمی کارکنوں کی خود عیادت کی تھی اور چاروں کے لیے اپنی جیب سے ۲۰ ہزار روپے کی امداد کا اعلان بھی کیا تھا۔

ان کے ایسے ہی "انقلابی اقدامات" نے کارکنوں کے دل موہ لیے۔ اگر کسی کے دل میں ملک صاحب کے خلاف کچھ بغض تھا تو وہ بھی اب ختم ہو چکا تھا۔

حملہ آوروں نے جاتے ہوئے اخبار کی انتظامیہ کو وارننگ دے دی تھی کہ اگر انہوں نے اب بھی اپنی اصلاح نہ کی تو وہ اس سے بھی زیادہ سخت قدم اٹھانے پر مجبور ہوں گے۔ شہر کے

دوسرے اخبارات کے ملازمین اور مالکان کو فون کر کے انہوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ اس ایک مثال سے ہی سبق حاصل کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو گا بصورت دیگر ان کے ساتھ بھی یہی تاریخ دہرائی جا سکتی ہے۔

○ ○ ○

اخبار کے مالک کی اشک شوئی کے لیے صوبے کی متعدد شخصیات گاڑیوں کے جلوسوں میں آ جا رہی تھیں لیکن کوئی بھی حملہ آوروں کو فوری سزا دینے کے موڈ میں نظر نہیں آتا تھا۔

اخبار کے مالک نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ سیاسی لوگ ہیں اور مفادات کی جنگ میں کسی تیسرے فریق کا بوجھ اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ وہ کسی نہ کسی سطح پر مفادات پر سمجھوتہ کر سکتے تھے اور اخبار کی حیثیت گندی سیاست کے اس بازار میں نہ ہونے کے برابر تھی۔

اگلے روز اخبار کے مالک صاحب اپنے عملے کے سینئر ارکان سمیت اس سیاسی تنظیم کے دفتر تشریف لے جا رہے تھے جس کی پروردہ طلباء تنظیم نے ان کا یہ حال کیا تھا۔ سیاسی تنظیم کے لیڈروں نے اخبار کے مالک کے خوب لتے لیے اور اسے وارننگ دینے کے انداز میں کہا کہ اگر انہوں نے خبروں میں اپنی یک طرفہ پالیسی ترک نہ کی تو طلباء مشتعل ہو کر کچھ بھی کر گزریں گے اور اس صورت میں وہ ان کے لیے کچھ نہیں کر پائیں گے۔

انہوں نے بے چارے مالک سے اس طرح سلوک کیا تھا جیسے یہ ساری تباہی اس کے اپنے ہاتھوں انجام پائی ہو۔ مالک صاحب بھی بڑے کائیاں آدمی تھے۔ وہ بھیگی بلی بنے زخمی لیکن مجبور شیر کی طرح سر جھکائے سب کچھ سنتے رہے۔ بالآخر فریقین کے درمیان طے پایا کہ آئندہ اخبار حملہ آور پارٹی کے کارکنوں کی خبریں بھی نمایاں شائع کرے گا اور حملہ کی اس خبر کو زیادہ نہیں اچھالے گا۔

سیاسی جماعت کے گرگ جہاندیدہ نے اخبار کے مالک کی آمد کی خبر فوراً ہی تمام اخبارات کو جاری کر دی تھی جس میں اخبار مالک کی طرف سے اپنے سابقہ رویے پر "معذرت کا اظہار" کرنے کا تذکرہ بھی موجود تھا۔ یہ خبر متاثرہ اخبار کے کاروباری حریف نے مع تصاویر اپنے اگلے روز کی اشاعت میں صفحہ اول پر شائع کرتے ہوئے اداریتی نوٹ میں اسے "خوش آئند قدم" قرار دیتے ہوئے اس امر کی ضرورت پر زور دیا تھا کہ سیاسی جماعتوں کے قائدین اور اخبارات کے درمیان "خوشگوار تعلقات" سے امن و امان کی صورت حال کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔

متاثرہ اخبار کا مالک حالات کی اس ستم ظریفی پر اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کسی نے بھوکے بھیڑیوں کے سامنے پھینک دیا ہو۔

○ ○ ○

ارسلان کی ضمانت قبل از گرفتاری ملک صاحب کے کارندوں نے احتیاطاً کروا لی تھی لیکن ارسلان کے لیے چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ اس کا نام مخالف تنظیم نے ملزمان کی فہرست میں نہیں لکھوایا تھا حالانکہ اسے سب نے پہچانا تھا اور یوں بھی اس نے اب خاصی شہرت کما لی تھی۔ یہ بات اس کے لیے حیران کن تھی۔

حافظ عابد کا جنازہ اٹھا تو ایک کہرام مچ گیا۔ ارسلان کا نام ایف آئی آر میں نہ سہی مگر اس کے والدین تک یہ بات پہنچ چکی تھی کہ حملہ آوروں کی کمان ان کا صاحبزادہ ہی کر رہا تھا۔

بوڑھے اور معزز والدین کے لیے یہ لرزا دینے والی اطلاع تھی۔ اس حادثے نے ان کے اوسان ہی خطا کر دیئے تھے۔

"ارسلان میں تمہیں دودھ کی دھاریں نہیں بخشوں گی۔ تم پر خدا کا عذاب ٹوٹے، تم نے حافظ قرآن کو مار ڈالا۔ خبردار! کبھی اس طرف کا رخ نہ کرنا۔ آج سے تم ہمارے لیے مر گئے ہو۔" والدہ نے روتے ہوئے سینکڑوں عورتوں کی موجودگی میں زندگی کے سب سے بڑے اور جان لیوا فیصلے کا اعلان کر دیا۔

جس روز اخبارات میں لاتعلقی کا یہ اشتہار شائع ہوا۔ ہما تڑپ اٹھی۔ وہ خود کو ضمیر کی ملامت سے کبھی چھٹکارہ نہ دلا سکی۔ ارسلان کی تباہی میں اسے کہیں نہ کہیں اپنا ہاتھ بھی نظر آتا تھا۔

○ ○ ○

ارسلان ملک صاحب کی طرف سے فراہم کردہ فلیٹ میں پہنچا ہی تھا جب اس نے دروازے پر مانوس سی آہٹ سنی اور ہما دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

"ارسلان خدا کے لیے اس راستے سے ہٹ جاؤ۔ تم ملک کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہو۔ وہ تمہیں تباہ کر دے گا۔ اب بھی وقت ہے ارسلان تم چاہو تو اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر

کے دوبارہ شریفانہ زندگی میں لوٹ سکتے ہو۔"

اس نے رد دینے والی آواز میں ارسلان سے کہا۔

"مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہما اکبر شیروانی۔ میں کوئی راستے میں گرا پڑا اپاہج نہیں ہوں کہ لوگ مجھ پر ترس کھاتے پھریں---- اور جب میرے والدین نے ہی مجھے عاق کر دیا ہے۔ محض ایک غلط اطلاع کی بنیاد پر تو تم کون ہوتی ہو مجھ سے ہمدردی جتانے والی----! جاؤ چلی جاؤ----! مجھے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ میں نے زندگی کا جو راستہ چنا ہے' خوب سوچ سمجھ کر چنا ہے۔ میں کوئی بچہ نہیں ہوں' نہ مجھے انگلی پکڑ کر چلانے کی کوشش کرنا---- اور یہ جو تم ہر قدم پر مجھے میری کم مائیگی کا احساس دلاتی رہتی ہو' میں اس رویے کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔ نہیں چاہیے مجھے یہ جھوٹی ہمدردی---- اگر تمہیں اتنی ہی محبت تھی مجھ سے تو میری محبت کو ٹھکرایا کیوں تھا؟ کیا سمجھا تھا تم نے مجھے اور کیا سمجھتی ہو تم اپنے آپ کو.....؟"

ابھی تک شراب کا نشہ نہیں اترا تھا۔

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو ارسلان۔ خدارا مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں۔ میں تمہیں تباہ ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے تم سے بہت محبت ہے ارسلان۔ میں مر جاؤں گی---- مرجاؤں گی....." وہ بچوں کی طرح سسکیاں لے کر رونے لگی۔

لیکن----!

وہ پتھر کا بت بنا اسے دیکھتا رہا----!!

ہمدردی کا ایک لفظ بھی ہما اکبر شیروانی کے لیے اس کے پتھریلے ہونٹوں سے ادا نہ ہوا۔ شاید ہما کے رونے سے اس کی کسی حس کی تسکین ہو رہی تھی۔

کتنا اذیت پسند ہو گیا تھا وہ----!

ہما نے خود ہی ضبط کیا' خود کو نارمل کیا۔ اپنے آنسو پونچھے اور ارسلان کی طرف دیکھ کر انتہائی سنجیدگی اور حوصلے سے کہا---- "ارسلان تم مجھ سے شادی کرو گے؟"

ارسلان کے لیے یہ سوال ہی چونکا دینے والا تھا۔ اسے اپنا نشہ اترتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تو سناٹے میں آ گیا۔

○ ○ ○

اس سے پہلے کہ وہ سوال کا کوئی جواب دے' اچانک ہی دروازہ پر آہٹ ہوئی اور جاوید

اندر آ گیا۔

"اوہو! بھئی میں غلط ایڈریس پر تو نہیں پہنچ گیا----!" اس نے ہما کی طرف دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ارسلان مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے----!" اس مرتبہ اس نے طنز کا تیر ارسلان کی طرف پھینکا تھا۔

ارسلان کو صورت حال نے گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے والدین اسے عاق کر چکے تھے۔ کئی مقدمات میں وہ پولیس کو مطلوب تھا اور ضمانت پر رہا تھا۔ اس کا واحد سہارا ان حالات میں جب کہ وہ مخالف تنظیم کی "ہٹ لسٹ" پر بھی آ چکا ہو' سوائے ملک صاحب کے اور کون تھا۔

جب اسے خبر ملی تھی کہ حملہ آوروں میں اس کا نام درج نہیں کروایا گیا تو ملک صاحب نے انتہائی رازدارانہ لہجے میں کہا تھا----!

"برخوردارا ذرا ہوشیار رہا کرو۔ خدا نہ کرے دشمن کے عزائم خطرناک ہیں۔ تمہارا نام ایف آئی آر میں نہ دے کر ایک طرح سے انہوں نے تمہارے متعلق اپنے بھیانک ارادے کا قتل خود ہی دے دیا ہے۔ وہ لوگ اب حافظ عابد کے خون کا بدلہ تمہیں مار کر لینا چاہیں گے اور جب انہوں نے باقاعدہ دشمنوں میں تمہارا نام ہی پولیس کو نہیں دیا تو اپنی دانست میں یہی سوچا ہے کہ خدانخواستہ تمہارے قتل کی صورت میں ان پر شک کرنے کا جواز ہی ختم ہو جاتا ہے۔"

یہ لرزا دینے والی حقیقت تھی جس سے وہ ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند نہیں کر سکتا تھا۔ یوں بھی اس تک مخالف تنظیم کی وارننگ پہنچ چکی تھی کہ وہ اپنی اور اس کی دشمنی میں کسی اور بے کو لا کر کھیل کا مزہ کرکرا کرنا نہیں چاہتے۔

وہ قدم قدم پر ملک صاحب کا دست نگر تھا۔ اگر اس کے سر سے دست شفقت اٹھا لیتا تو وہ خارش زدہ کتے کی موت مارا جاتا اور کوئی اس کی لاش بھی وصول کرنے کی جرات نہ کرتا۔

اور----!

دوسری طرف ملک صاحب اس لڑکی ہما اکبر شیروانی کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے جس نے عین انتخابات کے موقعے پر تنظیم کو دھوکہ دیا تھا۔ انہوں نے باقاعدہ اعلان کروا کر ہما اکبر شیروانی کو انقلابی طلباء فیڈریشن سے خارج کروا دیا تھا۔

"اگر انہیں علم ہو گیا کہ وہ ہما اکبر سے ابھی تک ملتا ہے تو.....؟" یہ سوچ ہی اس کے لیے بہت اذیت ناک تھی۔

"ہما میں پھر کبھی اس مسئلے پر بات کروں گا۔" اس نے ہما کو ملک کے چچے جاوید کی

موجودگی کا احساس دلانا چاہا۔

"مجھے ابھی اور اسی وقت اپنی بات کا جواب چاہیے۔" ہما کے لہجے میں چھپی سنجیدگی اور پختگی نے ارسلان کے ہاتھ پیر پھلا دیئے تھے۔

"میں نے کہا نا کہ ابھی میں بات نہیں کر سکتا۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

"ارسلان اگر تم نے کتے کی موت مرنے کی ٹھان ہی لی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ خدا حافظ!"

وہ دروازہ زور سے بند کر کے باہر نکل گئی۔

"کمال ہے بھئی!" جاوید نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"آئی تھی بے چاری مجھ سے مدد مانگنے۔ شاید کوئی نیا بلاک کھڑا کرنے جا رہی ہے۔ بڑی خطرناک عورت ہے یار میں نے تو کہہ دیا کہ میں کم از کم اس کے چنگل میں پھنسنے کو تیار نہیں ہوں۔"

ارسلان کو بھی حالات نے سیاست سکھا دی تھی۔ اس نے بڑی مکاری سے مسکراتے ہوئے جاوید کے سامنے اپنی صفائی پیش کی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جاوید کے ذریعے بات اور طرح ملک صاحب کو پہنچے' حالانکہ یہ اس کا دل ہی جانتا تھا کہ اس حادثے نے اس پر کیا ستم ڈھایا ہے۔

اس کو اپنے اعصاب تڑختے محسوس ہو رہے تھے۔

"دیکھو یار! تم اپنے بھائی ہو۔ میں تمہیں صاف صاف بتا دوں کہ ملک صاحب اس کو اب بالکل پسند نہیں کرتے اور جس کسی سے یہ ملے گی' اس کے خلاف بھی ان کے دل میں بدگمانی پیدا ہو گی----!" جاوید نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیا۔

"جاوید! مجھے اس بات کا علم ہے اور تم بھی اس کا خیال رکھنا کہ میرے متعلق ملک صاحب کو کوئی غلط اطلاع نہیں پہنچنی چاہیے۔ میری زندگی تو داؤ پر لگی ہی ہے' اپنا برا چاہنے والوں کو میں پھولوں کے ہار نہیں ڈالوں گا۔ یہ تو ظاہر ہے.....!"

اس کے لہجے میں چھپی دھمکی کا ادراک جاوید کو ہو گیا تھا۔

"یار لعنت بھیجو! مجھے کیا ضرورت ہے۔ ہم تو یاروں کے یار ہیں۔" اس نے بڑی میسنی ہنسی ہنستے ہوئے ارسلان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اس کے بعد دونوں اگلے روز شام کو ہونے والی میٹنگ میں زیر بحث آنے والے مسائل پر بحث کرنے لگے۔

○ ○ ○

جاوید کی روانگی کے بعد سے ایک مستقل بچھتاوا اس کی جان کو آ گیا تھا۔ جاوید کے جاتے ہی وہ بھاگم بھاگ نزدیکی پی سی او تک گیا۔ وہ فون پر اپنی مجبوری کو ہما کے گوش گزار کر کے اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا---! وہ ہما کو یہ کہنے جا رہا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو' وہ اس سے شادی کر کے اس ماحول سے جان چھڑانے کے لیے تیار ہے۔ اس نے سوچا تھا جب ہما کو بتائے گا کہ وہ آج تک اس کے منہ سے یہی الفاظ سننے کے لیے ترس رہا تھا تو وہ کتنی خوش ہو گی---- وہ اسے معاف کر کے اس کے تمام گناہوں سمیت اسے سینے سے لگا لے گی۔

لیکن---!

قسمت اس پر اتنی مہربان کب رہی تھی جو اب اس کو زندگی کی خوشیوں سے اپنا حصہ وصول کرنے کا حق مل جاتا۔ اسے تو حالات نے ستم ڈھانے کے لیے جانے کب سے منتخب کر لیا تھا۔

قہر کی دیوی کو نجانے اس کی کون سی ادا بھا گئی تھی کہ اب وہ اپنا دست ستم اس کے سر سے اٹھانے پر تیار ہی نہ ہوتی تھی۔

"بی بی جی گھر پر نہیں ہیں!" دوسری طرف سے غیر مانوس سی آواز سنائی دی۔

رات تک وہ دیوانہ وار فون کرتا رہا لیکن ہر دفعہ اسے یہی جواب ملا۔ رات کو ہما کے نوکر نے جو ارسلان کو جانتا تھا' اطلاع دی کہ وہ اپنے والدین کو ملنے گئی ہے جو ملک کے دوسرے بڑے شہر میں رہتے تھے۔ بہت کوشش کے باوجود اسے ان کا فون نمبر نہ مل سکا۔ پھر وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو رہا کہ ہما کی واپسی پر اس سے معافی مانگ کر اسے منا لے گا۔

اس دوران وہ ملک صاحب کے چلائے چکروں میں پھنسا رہا۔ اپنی جان کی حفاظت کے لیے وہ یوں بھی ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھاتا تھا۔

یونیورسٹی تو اس کا جانا برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ سات آٹھ روز بعد جب وہ ایک دن اتہام حجت کے لیے یونیورسٹی گیا تو اسے علم ہوا کہ ہما نے یونیورسٹی چھوڑ دی ہے۔ اسے شاید امریکہ کے کسی کالج میں داخلہ مل گیا تھا۔ اگلے روز وہ یہاں اپنے دوستوں سے تھوڑی دیر کے لیے الوداعی ملاقات کرنے آئی تھی----!

اس کے ہم جماعتوں نے بتایا کہ ہما اب پہلے والی ہما اکبر شیروانی نظر نہیں آتی تھی۔

"یار وہ تو بالکل بدلی ہوئی لڑکی تھی۔ ایک دم خاموش۔ جیسے کسی نے اس کا سب کچھ چھین لیا۔"

ایک ہم جماعت نے بڑی ہمدردی سے اس کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تمہارا پوچھ رہی تھی کہ تم کبھی یونیورسٹی آتے بھی ہو یا نہیں؟" ہم نے کہا "بی بی شہزادہ ہے شہزادہ۔ یہ کالج' یونیورسٹیاں تو ہم جیسے ---- فقیروں کے لیے بنی ہیں۔ ارسلان جیسے شہزادوں کے منشی ضرور یہاں پڑھنے آتے ہیں' انہیں کیا ضرورت ہے بھئی اپنی انرجی ضائع کرنے کی؟ ڈگری تو چل کر ان کے قدموں کو بوسہ دیتی ہے۔ امتحان دینے کو ہم کیا کم ہیں!"

جانے اس کا دوست کیا کیا طنز کے نشتر چلاتا رہا لیکن ارسلان یہاں تھا ہی کب؟

وہ تو کسی اور ہی دنیا میں کھو گیا تھا----!

جیسے اس اطلاع نے اس کا دل کچل ڈالا ہو۔ کچھ سوچتا وہ چپ چاپ موٹر سائیکل سٹینڈ کی طرف آیا اور اب وہ تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر موٹر سائیکل اڑاتا ہوا ہما کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

"سر جی! وہ تو واپس ہی نہیں آئیں۔ ایسی گئیں کہ دوبارہ پلٹ کر ادھر دیکھا بھی نہیں۔ پرسوں تھوڑی دیر کے لیے آئی تھیں۔ مجھے اور خانساماں کو خاصے پیسے دیئے اور کہا کہ وہ باہر جا رہی ہیں۔ اب لمبے عرصے تک نہیں لوٹیں گی۔ سر جی! بہت اداس تھیں بی بی جی۔ کار سے اتر کر وہ چند منٹ کے لیے انیکسی میں گئیں' پھر روتی ہوئی کار میں بیٹھ کر چلی گئی----! اب تو وہ شاید ملک سے باہر ہی جا چکی ہوں گی----!" باغ میں کام کرنے والے مالی نے بڑے دکھی لہجے میں اسے بتایا۔

ارسلان کے دل پر الم کا پہاڑ آن گرا---- اس نے بڑی ہمت سے اپنی بکھری توانائیوں کو مجتمع کیا اور لرزتی ہوئی آواز میں مالی سے اس کے والدین کا فون نمبر دریافت کیا۔

"ہم تو ان پڑھ لوگ ہیں بابو جی! کیا بتا سکتے ہیں----! مالی نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

بعد از خرابی بسیار اس نے ہما کے گھر کا فون رات تک حاصل کر ہی لیا اور جب رات گئے اس نے ملک کے اس بڑے شہر میں مقامی پی سی او سے فون کر کے ٹرنک کال پر ہما سے بات کرنا چاہی تو دوسری طرف کسی سیکرٹری قسم کی چیز نے جواب دیا---- "جناب وہ تو کل کی لندن جا چکی ہیں!"

جب اس نے ہما کے والدین سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو دوسری طرف سے ڈانٹ کر فون بند کر دیا گیا۔

ارسلان ٹوٹ کر رہ گیا----!

وہ کئی ٹکڑوں میں بکھر گیا تھا۔ اپنے منتشر وجود اور دل و دماغ کے سارے ٹکڑے سمیٹنا اسے اپنے بس سے باہر دکھائی دے رہا تھا۔ ٹیلیفون اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا تھا۔ بمشکل دیوار کے سہارے وہ ٹک کر بیٹھا اپنے اوسان بحال کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس کی اندھیری زندگی سے امید کی کرن بھی رخصت ہو گئی تھی۔ اب وہ تھا اور ظلمتوں میں گم راستے---- جن پر اس نے اندھوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے حیات کے اس سفر کو پانا تھا۔

"کیسے چل سکوں گا میں ہما؟ تم نے یہ کیا کیا؟ تم تو بہت ہمت والی تھیں۔ تم تو مجھے ہمت دلا کر گمناہوں کی اس دلدل سے باہر نکالنے جا رہی تھیں---- اب میرا کیا ہو گا؟ کیا ہو گا میرا----؟"

وہ پاگلوں کی طرح خود سے باتیں کرتا رہا۔

اپنے کسی سوال کا جواب اب اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ حالات کے آکٹوپس کے شکنجے میں جکڑ چکا تھا۔ کسی ہزار ہاتھ پاؤں والی بلا نے اسے دبوچ لیا تھا اور وہ مرضی سے اپنے جسم کا کوئی بھی عضو ہلانے پر قادر نہیں رہا تھا۔

اب اسے بے بسی سے اپنی آنکھوں کے ساتھ اپنی بربادی کا تماشا دیکھنا تھا۔

جس سمت کا سفر اس نے اختیار کیا تھا' وہاں قدم قدم پر مصائب و آلام کی دیویاں بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھیں۔

وہ بہت بدقسمت تھا!

خوش بختی نے دبے قدموں اس کے دروازے پر آہٹ نہیں کی تھی----!!

اس نے تو دھکے دے دے کر خوش نصیبی کو اپنے گھر سے نکالا تھا اور ایسا نکالا تھا کہ اب اس نے دیس نکالا ہی لے لیا تھا۔

کیا کروں؟

کدھر جاؤں؟

کس کے پاس جاؤں؟

اس نے خود سے پوچھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اختر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اختر کل ہی ملنات پر رہا ہو کر گھر آیا تھا۔

فریب نگری

"خیریت----؟" اس نے رات کے بارہ بجے ارسلان کو اپنے دروازے پر کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

"میں بہت دکھی ہو گیا ہوں اختر! چلو عارفہ کے ہاں چلتے ہیں۔" اس نے غیر ارادی طور پر ہی عارفہ کا نام لے لیا تھا۔

"لعنت بھیجو اس پر۔ پیارے ہم تمہارا غم غلط نہیں کرائیں گے تو کون کروائے گا۔ آؤ آج تمہیں ایسے جہان سے آشنائی کرواتا ہوں کہ پھر سب کچھ بھول کر وہیں کے ہو رہو گے۔"

اختر نے بے حیائی سے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

اور وہ اس کو شراب و شباب کے اس نئے جہان میں لے آیا جہاں ایک مرتبہ آ کر کوئی قسمت والا ہی بھرے ہاتھوں لوٹتا ہے۔

نازنین تھا اس طوائف کا نام جس کے کوٹھے پر اختر اسے لے کر آیا تھا۔

"میرا دوست بہت اداس ہے' بہت بڑا آدمی ہے یہ۔ اس کا بہت خیال رکھنا۔"

اس نے بوڑھی نائیکہ کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"حضور! یہ خاندانی طوائفوں کا کوٹھا ہے۔ یہاں بڑے لوگ ہی آتے ہیں' ہم چھوٹے لوگوں کو منہ نہیں لگایا کرتے۔"

جھاندیدہ نائیکہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ارسلان کو تول لیا تھا۔

نازنین نے اپنے نازو ادا کے وہ کمالات دکھائے کہ ارسلان مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس نے ثابت کر دکھایا تھا کہ وہ عارفہ کی طرح کوئی معمولی جسم فروش لڑکی نہیں ہے۔

یہاں آ کر ارسلان کو شدت سے احساس ہوا تھا کہ آج تک وہ جھک ہی مارتا رہا ہے---- اصل میں تو نازنین ہی وہ لڑکی ہے جو اس کے دکھوں کا مداوا کر سکتی ہے۔

پہلی ہی ملاقات میں وہ نازنین کے ناز نخروں پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ اس نے پہلی ہی ملاقات

نازنین کو اپنا لینے کا عہد کر لیا تھا' خواہ اس کی کچھ ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔

اس بات کا احساس اسے نہ ہو سکا کہ پہلی ہی رات دو ہزار روپے اس نے نازنین کی نذر کیے تھے اور اس کے عوض حاصل کی تھی چند گھنٹوں کی رفاقت۔

صبح کی اذان ہو رہی تھی جب دونوں گھر لوٹے۔ گھر لوٹتے ہوئے اسے پھر اپنے کھوکھلے پن کا احساس ہونے لگا تھا۔ اسے پھر ہما یاد آ گئی تھی۔

کوئی ایسی بات اس میں ضرور تھی جس نے ایک مرتبہ تو ارسلان کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کو ہما کا قرب کبھی حاصل نہیں رہا تھا' حالانکہ ہما کو اپنی شرافت کا بھی کوئی دعویٰ نہیں تھا لیکن نجانے وہ کیوں چاہتی تھی کہ ارسلان اپنی اس دنیا میں لوٹ جائے جہاں سے وہ نکل کر ادھر آ نکلا تھا۔

دوپہر تک وہ لمبی تان کر سوتا رہا----!

نیند میں بھی ہما کا اداس اور سوالیہ چہرہ اس کے لاشعور پر مسلط رہا۔

○ ○ ○

شراب اس کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی----!

اسے روزانہ شراب کی طلب محسوس ہونے لگتی تھی۔ نازنین کے ہاں اس کا آنا جانا معمول کی بات بن گئی تھی۔ جتنے پیسے اسے ملک صاحب کی طرف سے ملتے تھے' وہ نازنین کے ہاں لٹا آتا تھا۔

اسی دوران ملک کے حکم پر اس نے چار پانچ مرتبہ مخالف تنظیم کے مختلف جلسے جلوسوں پر فائرنگ کی تھی۔

جس قسم کی تفتیش کا سامنا اس نے مخالف تنظیم کے عقوبت خانے میں کیا تھا' اس قسم کی تفتیش سے وہ مخالفوں کو بھی گزار چکا تھا۔ ایسا ہی ایک عقوبت خانہ ان لوگوں نے کھول رکھا تھا----!!

جو مہر اس کے جسم پر لگائی گئی تھی----!

وہ مہر اس نے اپنے بیشتر مخالفین کے جسموں پر لگا دی تھی۔ کبھی وہ اس اذیت کے تصور سے بھی لرزاں تھا جو اس کو دی گئی تھی۔ اب وہی اذیت دشمنوں کو پہنچا کر وہ لذت محسوس کرتا تھا۔

اس کا نام مخالفین میں دہشت کی علامت بن گیا تھا۔ اب ملک صاحب نے اس کو جیپ

لے دی تھی اور جب بھی وہ گھر سے نکلتا' مسلح نوجوان اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ وہ لوگ شہر کی ماڈرن آبادیوں میں دندناتے پھرتے---- خواتین کو تنگ کرنا ان کا معمول تھا لیکن کوئی آنکھ اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

پولیس والے ان کی شکل دیکھتے ہی اپنی شکل دوسری طرف پھیر لیتے۔ جیسے انہوں نے انہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔

کبھی کبھی تو اس صورت حال پر ارسلان کو ہنسی آجاتی تھی۔

اخبارات ان کے خلاف خبر چھاپنے سے احتراز برتتے تھے۔ پولیس والے ان کے منہ لگنا پسند نہیں کرتے تھے۔

انتظامیہ ان جیسے نوجوانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے ان کے سامنے دم ہلاتی رہتی تھی کیونکہ ان کی رسائی اقتدار کے ایوانوں تک تھی' ان لوگوں تک تھی جن کے قلم سے نکلی چند سطریں ملازمین کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیتیں کبھی آسمان سے زمین پر پٹخ سکتی تھیں۔

سیاست دان اپنے جلوسوں کی رونق بڑھانے اور مخالفین کے جلسوں کی رونق گھٹانے کے لیے ان کے دست بازو کے محتاج تھے۔

پھر انہیں لگام کون دیتا؟

کس کو پڑی تھی جو اپنی عزت اور نوکری خطرے میں ڈال کر محض قانون کی بالادستی کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالتا۔

○ ○ ○

ارسلان کی حیثیت گینگ لیڈر کی تھی---- اس کے ساتھی چھوٹی موٹی وارداتیں کرتے رہتے تھے۔ کبھی کسی راہ چلتی خاتون کا پرس چھین لیا۔ کبھی کسی ویگن والے کو ڈرا دھمکا کر پیسے چھین لیے۔ کبھی کسی دکاندار کو دھمکیاں دے کر وہاں ہاتھ مار لیا۔

لیکن----!

ارسلان ایسی چھوٹی موٹی اور گھٹیا حرکتوں کا قائل نہیں تھا۔ وہ تو کوئی لمبا ہاتھ مارنے کا قائل تھا جس کی ضرورت بھی آج کل بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

نازنین کی ماں کے تقاضے روز بروز بڑھتے جا رہے تھے اور ملک صاحب کی طرف سے اتنی زیادہ رقم ابھی نہیں ملتی تھی کہ وہ اس کی ماں کا منہ بند کر سکے۔ اس روز جب وہ دن میں ایک دوست کی کار پر نازنین کے ہاں گیا تو اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی نازنین پھوٹ پھوٹ کر رونے

لگی۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" وہ گھبرا کر رہ گیا تھا۔

"ارسلان تم اس بازار گناہ کے اصول کبھی نہیں سمجھ پاؤ گے۔ تم بہت بھولے ہو ارسلان۔ تم کچھ نہیں جانتے۔" اس نے ٹسوے بہاتے ہوئے کہا۔

"اوہو نازنین پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ کچھ بتاؤ گی بھی----؟" ارسلان نے اس کو اپنی سمت کھینچتے ہوئے کہا۔

"ارسلان ہماری دنیا کے کچھ اصول ہیں۔ اب وہ وقت آگیا ہے جس کے لیے میری ماں نے مجھے پال پوس کر جوان کیا تھا۔ اب وہ میری قیمت وصول کرنا چاہتی ہے ارسلان!" نازنین نے روتے ہوئے اپنا سر اس کے سینے پر ٹکا دیا۔

"یہ ناممکن ہے' میں تمہاری ماں کو.....!"

"نہ ارسلان خدا کے لیے ایسی بات نہ کرو۔ کبھی بھول کر بھی ایسا خیال دل میں نہ لانا---- ارسلان تمہارے لیے یہ ممکن نہیں ہو گا۔ تم نہیں جانتے کہ ملک صاحب تک رسائی میری ماں کے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔ تمہارے اور انکے تعلقات کی نوعیت کچھ مختلف ہو سکتی ہے لیکن میری ماں سے بگاڑ کر وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر نہیں کھودیں گے---- جب انہیں کسی لڑکی کی ضرورت ہوتی ہے تو میری ماں ہی کے مستقل گاہک ہیں۔ ارسلان! مجھے یہ بات تمہیں بہت پہلے بتا دینی چاہیے تھی لیکن جب تک مجھے علم ہوا کہ تم ملک صاحب کے آدمی ہو' میں تمہاری محبت میں بری طرح گرفتار ہو چکی تھی---- ارسلان میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ خدارا! مجھے بچا لو ارسلان----! میری ماں نے میرا گاہک تلاش کر لیا ہے اور وہ ملک صاحب کا خاص آدمی ہے۔"

آخری فقرہ اس نے کچھ اس انداز سے کہا تھا کہ ارسلان کو چھت گھومتی نظر آنے لگی۔

"چلو ہم بھاگ چلیں----!" اس نے اپنی دانست میں تمام مسائل کا حل تلاش کر لیا تھا۔

"لیکن کہاں؟ ارسلان تم ابھی بچے ہو۔ تم دنیا کو نہیں سمجھتے ارسلان۔ تمہیں علم نہیں کہ ملک صاحب نے اگر تم پر سے ہاتھ اٹھا لیا تو تم.....!" وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر باقاعدہ ٹسوے بہانے لگی۔

ارسلان نے بڑی مشکل سے اس کا رونا دھونا بند کروایا۔

"خدا کے لیے تین چار دن کے اندر کہیں سے پچیس ہزار روپیہ لا کر میری ماں کے منہ مارو اور مجھے اس موذی سے بچا لو ورنہ میں زہر کھا کر مر جاؤں گی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ "بھاں بھاں" کرتی ہوئی پھر ارسلان کے سینے سے لگ گئی۔

"تم بے فکر ہو جاؤ میری جان! اگر تمہیں دولت دے کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے تو میں ساری دنیا کے خزانے تمہاری ماں کے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔"

ارسلان تو "ورہام" بننے پر تلا ہوا نظر آتا تھا۔

"اوہ ارسلان! کتنے عظیم ہو تم--- اور کتنے ذلیل ہیں یہ دنیا والے۔ ارسلان دراصل یہ دنیا پیار کے قابل ہی نہیں ہے۔ میں نے تو اپنی زندگی میں کبھی پیار کا تصور ہی نہیں کیا تھا۔ ارسلان! لیکن تم نجانے کہاں سے میری زندگی میں چلے آئے۔ تم نے تو پتھر میں شگاف ڈال دیا ہے ارسلان!" اس نے ارسلان پر اپنا بوجھ ڈالتے ہوئے اسے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔

اس سے پہلے دو پانچ--- ہزار کی فرمائشیں ہوا کرتی تھیں لیکن نازنین کی ماں مکرا ذبح کرنے پر تل گئی تھی۔

جانے یہ سونے کی مرغی پھر انڈا دے یا نہ دے۔

یہی سوچ کر اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ لمبا ہاتھ مارنے کا پلان تیار کیا تھا اور ارسلان کے جانے کے بعد وہ اپنی بیٹی کا سر منہ دیوانہ وار چوم رہی تھی' جس نے اپنے اسلاف کی روایات کو بھرم قائم رکھا تھا اور کمال ہوشیاری سے ارسلان کے سامنے "ملک صاحب" کا پتہ کھیل گئی تھی۔ اس طرح انہوں نے ارسلان کو یہ بھی باور کرا دیا تھا کہ اگر اس نے کوئی "ایڈونچر" کرنے کی کوشش کی تو وہی ملک جس کا وہ پروردہ ہے' اس کے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔

یوں بھی ارسلان نے جس درخت پر پناہ لے رکھی تھی' اس کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا---!

○ ○ ○

ارسلان یہاں سے سیدھا اختر کے پاس پہنچا تھا۔

"یار کچھ کرنا ہی ہو گا۔ تم نہیں جانتے یہ لوگ صرف پیسے کی زبان سمجھتے ہیں۔" اختر نے اس کی بات سن کر کہا۔

"لیکن ملک صاحب سے اتنی رقم کیسے مانگی جائے؟" ارسلان نے کہا۔

"نہ نہ یہ غضب نہ کرنا۔ ملک صاحب کو اس بات کی ہوا نہیں لگنی چاہیے کہ تم نازنین کے کوٹھے پر جاتے ہو۔ انہیں یہ تو علم ہے کہ تم اس بازار میں جاتے ہو لیکن میں نے اس بات کی ہوا تک نہیں لگنے دی کہ تم---- نازنین کے پاس جاتے ہو--- اور ہاں جاوید سے خبردار

رہنا۔ وہ آج کل ملک صاحب کا کچھ زیادہ ہی چہیتا ہو رہا ہے۔"

اختر نے اس کو خبردار کیا' اس نے آخری فقرہ جان بوجھ کر ادا کیا تھا۔

واقعی جاوید اس کا رقیب بن رہا تھا۔ کبھی وہ ملک صاحب کا سب سے زیادہ چہیتا تھا اور نوازشوں کی تقسیم اسی کے ذریعے ہوتی تھی لیکن اب آہستہ آہستہ اپنی چرب زبانی کے سہارے جاوید نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا اور بہت سے کام جو پہلے اختر کے ہاتھوں انجام پاتے تھے' اب جاوید کے ہاتھوں انجام پانے لگے تھے۔ خاص طور سے مختلف مواقعوں پر عورتوں کا حصول اور شراب کی خریداری کا ذمہ تو ملک صاحب نے مستقل جاوید کو سونپ دیا تھا۔

اختر کے شاطر ذہن نے ایک تیر سے دو شکار کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ارسلان بہرصورت اس کی ہاں میں ہاں ملائے گا۔

دوسری طرف ارسلان کا بھی چاہتا تھا کہ وہ اختر کا منہ نوچ لے کیونکہ اس نے ہی سب سے پہلے اسے نازنین کے کوٹھے کا راستہ دکھایا تھا۔ اگر اسے علم تھا کہ یہ کوٹھا ملک صاحب کی نظر میں ہے تو وہ اسے وہاں لے کر ہی کیوں گیا؟

لیکن----!

وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ اسے قدم قدم پر سہاروں کی ضرورت تھی۔ کبھی وہ اختر کو اپنی میسا کھیاں بناتا' کبھی نواز کو اور کبھی جاوید کو۔ جس راستے پر وہ چل نکلا تھا وہاں سامنے سے آنے والی گولی سے بچنے کے لیے اسے ہر وقت کسی نقاب کی' کسی ڈھال کی ضرورت تھی۔

اب اس اکیلے کے بس میں کچھ نہیں رہ گیا تھا۔

سوائے اس کے کہ وہ اپنا الگ گروپ بنا کر ملک سے ہی ٹکرا جائے لیکن اتنی ہمت کا مالک نہیں تھا وہ۔

اسے تو حالات نے موم کی گڑیا کی طرح اچانک کان سے پکڑ کر اس طرف دھکا دیا تھا ورنہ تو شاید اس نے زندگی میں کبھی ایسے بھیانک تجربات سے گزرنے کا تصور ہی نہیں کیا تھا۔

حالات کی جس بھٹی کا ایندھن وہ بن چکا تھا' اس میں اسے آخری لمحات تک جلنا ہی تھا۔

کبھی کبھی اسے بڑی شدت سے اپنا گھربار' والدین' بہن بھائی' ساتھ ننگی' گاؤں' سکول' کالج اور وہ راستے یاد آتے جن پر وہ آوارہ ہرنوں کی طرح گھات میں لگے شکاریوں سے بے پروا ہو کر اٹکھیلیاں لگایا کرتا تھا۔

جانے صیاد کب سے اس کی گھات لگائے بیٹھا تھا۔

دو تین مرتبہ اس نے والدین کو سمجھانے اور منانے کی کوشش کی تھی لیکن توبہ کا دروازہ شاید اس پر بند ہو چکا تھا۔

کوئی اسے معاف کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اگر وہ اس بات کا یقین بھی کر لیتے کہ اس نے عابد پر گولی نہیں چلائی تب بھی وہ یہ کبھی ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ دین میں مسلح غنڈوں کے ساتھ عابد سے صلح کے مذاکرات کرنے وہاں گیا تھا۔

ہا----!

خوش بختی کا پرندہ ----!

اس کے سر پر بیٹھ کر اڑ چکا تھا۔

اسے بادشاہت مل گئی تھی۔

وہ جرائم کی دنیا کا چھوٹا موٹا بادشاہ بن گیا تھا لیکن خوش نصیبی اس سے منہ موڑ چکی تھی۔

○ ○ ○

"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔ بڑا شاندار منصوبہ ہے۔ ہمیں اچھا خاصا مال بھی مل جائے گا اور اپنے دشمن جاوید سے نجات بھی مل جائے گی۔" اختر کے شیطانی ذہن نے منصوبہ تیار کر لیا تھا۔

"کیا----؟" ارسلان نے بے چینی سے دریافت کیا۔

جواب میں اختر نے اسے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ انہیں چھوٹے شہر میں بینک کی ایک وین پر حملہ کرنا ہے۔ وین میں موجود بینک کا مسلح گارڈ ان کا ساتھی ہو گا۔ وہ لوگ رقم حاصل کر لیں گے لیکن بینک کے گارڈ فائرنگ سے ان میں سے ایک کو مرنا ہو گا اور مرنے والا سوائے جاوید کے اور کون ہو سکتا ہے۔ یہی ایک صورت تھی اس سے نجات حاصل کرنے کی۔ اس رقم کی تقسیم میں بھی ایک حصہ دار کم ہو جائے گا۔ ان کی جوابی فائرنگ سے ایک گولی گارڈ کی ٹانگ وغیرہ میں بھی لگنی ضروری ہے۔

"یہ کارنامہ بھی میں ہی انجام دوں گا---- ہم تو یاروں کے لیے جان قربان کر دیا کرتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا! اب میں بے وقوف نہیں بنوں گا----!" ارسلان نے دل ہی دل میں کہا۔

ایک شیطانی منصوبہ اس کے ذہن میں بھی ترتیب پا گیا تھا----!

"کتنی رقم ہو گی اندازاً؟" اس نے اختر سے پوچھا۔

"یہی کوئی ایک ڈیڑھ لاکھ! یار وہ مضافاتی علاقے کا بینک ہے' وہاں اس سے زیادہ کیا ملے گا؟"

"اور حصے دار کتنے ہوں گے----؟" ارسلان نے اگلا سوال کیا۔

"تین----!"

"ہونہہ---- فرض کیا ایک لاکھ رقم ہے تو تیس' پینتیس ہزار کے لیے ہم اپنی جان داؤ لگائیں گے۔" ارسلان نے بیزاری کے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا----؟" اختر کو سمجھ تو آ گئی تھی لیکن وہ اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

"ایک حصے دار اور کم ہو جائے تو ہم دونوں کو قابل ذکر رقم مل جائے گی۔" اس نے اختر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"یار تمہاری بات تو دل کو لگتی ہے لیکن .....؟"

"لیکن ویکن کچھ نہیں----!" اس نے اختر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بھئی دیکھو ناں جاوید سے تم نجات حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ظاہر ہے وہ چوکیدار کی گولی سے مرے گا---- اور تم اس کی ٹانگ میں گولی مارو گے لیکن ٹانگ ہی میں کیوں؟ سر میں کیوں نہیں؟" اس کا لہجہ بڑا خونخوار تھا---- "میرے برادر! یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ دوران تفتیش سنبھل کر پھوڑ دے---- اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چھوٹا آدمی ہے' پیسہ ہی ہضم نہ کر سکے---- چھوڑو! ذرا سوچو----! اور ہاں!! بھئی وہ ہمارے پیارے ساتھی کو تو بھی گولی مارے گا۔ جو ہمارے دوست کو قتل کر دے' اسے بھی قتل تو ہونا چاہیے---- خون کا بدلہ خون۔"

آج ارسلان کو اختر ایک بدلے ہوئے انسان کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ بالکل ایسے جیسے اولی زخمی چیتا شکاریوں کے نرغے میں پھنسا ہو۔

"ٹن----!" اختر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"ٹن----!"

○ ○ ○

اسی روز شام کو اختر اپنے ساتھ جاوید کو لے کر ارسلان کی طرف لے گیا۔ تینوں نے اس

امر کو ملحوظ خاطر رکھا کہ ان کی آپس میں ملاقات کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ خاص طور سے انہوں نے ملک صاحب کو اس میٹنگ کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ ان کی خوش قسمتی یہ بھی تھی کہ ملک اس روز رات کی فلائٹ سے دوسرے شہر جلسے میں تقریر کرنے جا رہا تھا۔

رات کو ہی اختر بینک کے گارڈ سے معاملہ طے کرنے چلا گیا اور رات کے دوسرے پہر واپس آگیا۔ اس نے دوسرے دن کا پروگرام طے کر لیا تھا۔

تینوں مطمئن ہو کر لیٹ رہے۔

واردات کے دن تینوں الگ الگ موقعہ واردات کے قریب اکٹھے ہوئے تھے۔ اختر بس کے ذریعے وہاں پہنچا تھا جب کہ جاوید اور ارسلان موٹر سائیکلوں پر آئے تھے۔ یہ دونوں موٹر سائیکل چوری کے تھے جو جاوید نے اپنے ایک کمینک دوست سے مستعار لیے تھے۔ موٹر سائیکلوں کی نمبر پلیٹ بدلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے واردات میں یہی موٹر سائیکل استعمال کرنے تھے۔ جاوید کے چور ساتھی کو قطعاً" علم نہیں تھا کہ اس کے دوست کسی جرم کا ارتکاب کرنے جا رہا ہے--- نہ ہی اس نے کسی اور کی شکل دیکھی تھی۔

ارسلان اور اختر کے پاس پستول تھے جب کہ جاوید نے ماؤزر تھام رکھی تھی۔ اس کے ذمے رقم کا تھیلا اٹھا کر بھاگنا تھا۔ فرار کے لیے ایک موٹر سائیکل ارسلان اور اختر نے جب کہ دوسری جاوید نے استعمال کرنی تھی اور دوپہر کے بعد انہوں نے شہر میں ایک جگہ اکٹھے ہو کر رقم تقسیم کرنا اور پھر الگ ہو جانا تھا۔

○ ○ ○

تینوں طے شدہ منصوبے کے مطابق مضافات سے شہر کو آنے والی اس ذیلی سڑک کے کنارے چھپے بیٹھے تھے جہاں سے وین کو رقم لے کر اس سے ملحقہ بڑی سڑک پر پہنچ کر شہر جانا تھا۔

اس کچی سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ یوں بھی شدید سردی اور اس پر دور دراز سے ہونے والی بارش نے لوگوں کو گھروں میں دبکے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

انہوں نے موٹر سائیکل جھاڑیوں میں چھپا رکھے تھے اور خود راستے پر نظریں گاڑے بیٹھے تھے۔ جیسے ہی گھڑی کی سوئیاں مقررہ وقت پر پہنچیں' ان کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

دور سے انہوں نے وین اس طرف آتے دیکھ لی تھی اور اب منصوبے کے مطابق انہوں نے ہاتھوں میں پکڑے پتھر سڑک پر لڑھکا دیئے تھے۔

نہیں تھا کہ اس پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ یوں بھی دھند کی وجہ سے دور کی چیزیں صاف دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ اچانک ہی جب اسے سڑک پر پتھر نظر آئے تو اس نے پوری قوت سے بریک لگائی۔ شاید اس کی چھٹی حس نے پیش آمدہ خطرے کی نشاندہی کر دی تھی کیونکہ اس نے اچانک ہی گاڑی کو ریورس کر کے بھاگنے کا ارادہ کیا تھا۔

لیکن ----!

اس کے دل کی دل میں رہ گئی کیونکہ اختر نے وین کے دونوں ٹائروں کو فائرنگ کر کے پھاڑ دیا تھا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ماؤزر ہاتھ میں تھامے جاوید وین کے کھلے دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے تو یہی علم تھا کہ اندر سے کوئی مزاحمت نہیں ہو گی اور وہ تھیلا اٹھا کر موٹر سائیکل کی طرف بھاگے گا۔

لیکن----!

جیسے ہی وہ وین کے دروازے کے نزدیک پہنچا۔ اندر مسلح گارڈ جسے اختر نے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کر رکھا تھا۔ اچانک اٹھا اور اس نے اپنی بارہ بور کی بندوق جاوید کی طرف سیدھی کر لی۔ جاوید اپنی دھن میں رقم والے تھیلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ صورت حال کی سنگینی کا اندازہ کر کے خود کو تیار کرے۔ گارڈ کی رائفل نے شعلہ اگلا اور کارتوس سیدھا اس کے سینے میں داخل ہو گیا۔

جاوید کو اگلا سانس لینے کی مہلت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ بارہ بور کے کارتوس سے اس کا زندہ بچ نکلنا ناممکن تھا----!

منصوبہ بڑا شاندار تھا----!

کیونکہ گارڈ کے دوبارہ بندوق لوڈ کرنے تک دوسرے لمحے اس پر قابو پا لیتے اور وہ "بے چارہ" کچھ نہ کر پاتا۔ انکوائری میں بھی اسے بہادری پر انعام ملتا۔

منصوبے کی دوسری کڑی کے مطابق دونوں نے گارڈ' ڈرائیور اور کیشیئر کو باہر نکال کر تھیلا اٹھا لیا اور اختر کے پیچھے کھڑے ہو کر اسے اگلا اشارہ کر دیا۔

اختر نے مردہ جاوید کا موزر اٹھایا اور اوندھے منہ زمین پر لیٹے گارڈ کے سر میں گولیاں اتار دیں۔ اسے بھی جاوید کی طرح اگلا سانس لینے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ جس پوزیشن میں زمین پر لیٹا تھا اسی حالت میں زمین کا رزق بن گیا۔

بظاہر منصوبہ مکمل تھا اور اب دونوں نے موٹر سائیکلوں پر فرار ہونا تھا۔

لیکن----!

ابھی ڈراپ سین باقی تھا۔

اس سے آگے کا منصوبہ ارسلان نے خود طے کیا تھا۔ جاوید سے تو اسے گارڈ نے نجات دلا دی تھی۔ گارڈ کو اختر نے مار ڈالا لیکن اختر اب اس کے بہت سے گناہوں میں شریک تھا۔ یوں بھی اس نے ارسلان کو ساری زندگی بلیک میل کرتے رہنے کے لیے ملک صاحب کی داشتہ سے ٹکرا دیا تھا۔

یہ بھی تو ممکن تھا مستقبل میں اختر ہی اس کے لیے پھانسی کا پھندہ بن جائے----؟

اس نے اچانک ہی پستول اختر کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ صورت حال کے اچانک بدل جانے پر حواس باختہ اختر کچھ سمجھ پائے' یکے بعد دیگرے تین گولیوں نے اس کا بھیجا اڑا کر رکھ دیا۔

زمین پر لیٹے دونوں دہشت زدہ انسانوں کو سمجھ ہی نہ آ سکی کہ ان کے نزدیک ہوس اور درندگی کا کیسا ہولناک کھیل جاری ہے---- کیشئر جو کمزور دل کا آدمی تھا' اسی لمحے بے ہوش ہو گیا----!

ارسلان نے پھرتی سے تھیلا سنبھالا۔ اسے موٹر سائیکل پر موجود دوسرے تھیلے میں منتقل کیا۔ دوسری موٹر سائیکل کا پٹرول پائپ کھینچ کر اس نے پٹرول باہر گرنے دیا پھر کچھ فاصلے سے پٹرول پر ماچس کی جلتی ہوئی تیلی پھینک دی۔

موٹر سائیکل جلنے لگی تھی----!

دوسرے ہی لمحے وہ اپنی موٹر سائیکل کو سڑک کی طرف اڑائے چلا جا رہا تھا۔ اسے منصوبے کے باقی حصوں پر خود ہی عمل کرنا تھا۔ چہرے سے لگی نقاب اس نے اتار کر پھینک دی تھی۔ جب تک دونوں کو ہوش آتا' وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

منصوبے کے مطابق وہ بڑی سڑک کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دریا کے پل تک پہنچ گیا۔ یہ پل یہاں ہنگامی طور پر بنایا گیا تھا۔ پل پر کھڑے ہو کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور موٹر سائیکل سے تھیلا اتار کر اسے دریا برد کر دیا۔

اب وہ دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ اس درخت کی طرف بھاگ رہا تھا جہاں ان لوگوں نے موقعہ واردات پر جانے سے پہلے بیگ چھپا دیا تھا' جسے انہوں نے بعد میں استعمال کرنا تھا۔

○ ○ ○

گھنے درخت کی آڑ میں چھپ کر اس نے بیگ سے کپڑے نکال کر تبدیل کیے۔ اپنے جسم پر موجود کپڑے جو اس کے سائز سے کم از کم دو گنا بڑے تھے اور اس نے اس واردات میں استعمال کرنے کے لیے غریب بازار سے خریدے تھے' بینک کے تھیلے میں ڈال دیئے۔ تھیلے والی رقم اس نے بیگ میں منتقل کر لی تھی اور بیگ میں موجود کپڑوں کے دو جوڑوں میں سے ایک جوڑا خود پہن لیا تھا۔ گرم چادر اس نے مقامی لوگوں کی طرح اوڑھ لی تھی اور اب بڑے اطمینان سے چلتا ہوا سڑک کی طرف جا رہا تھا۔

تین چار منٹ بعد ہی اسے ایک مسافر بس اس طرف آتی دکھائی دی اور وہ بس کے ذریعے اپنے شہر کی بجائے دوسرے شہر کی طرف عازم سفر تھا۔ دو گھنٹے بعد وہ اس شہر میں اتر گیا۔

یہ شہر اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ یہاں کے سکول میں اس نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنے سکول کے زمانے کا اکاؤنٹ اس نے کبھی ختم نہیں ہونے دیا تھا اور ملک صاحب یا اس کے کسی دوست کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ کسی اور شہر میں بھی اس کا کوئی اکاؤنٹ ہے۔

○ ○ ○

رات اس نے یہاں بسر کی اور صبح بینک میں کچھ رقم اپنے نام سے جمع کروا کے اپنے شہر کی طرف چل دیا۔ اخبار میں اس نے ڈاکے کی خبر تو پڑھ لی لیکن ابھی تک پولیس مرنے والے ڈاکوؤں کی شناخت کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

وہ جانتا تھا شناخت میں بھی دو تین روز لگ جائیں گے۔ اس دوران اس نے باقی رقم سے نمٹنا تھا۔ اپنے شہر پہنچ کر اس نے آدھی سے زیادہ رقم یہاں تین بینکوں میں موجود اپنے اکاؤنٹس میں منتقل کر دی اور باقی رقم کے ساتھ اطمینان سے گھر واپس آ گیا۔

ابھی تک کسی کو اس کے رات بھر غائب رہنے کا علم نہیں ہوا تھا۔ رات کو وہ معمول کے مطابق اپنی پنڈال چوکڑی کے ساتھ معمول کی سیر کو نکل گیا۔ انہوں نے اختر اور جاوید کی کمی محسوس تو کیا تھا لیکن کسی نے خاص ذکر نہیں کیا۔

رات دیر گئے وہ نازنین کے پاس پہنچ گیا۔ مطلوبہ رقم اس نے نازنین کی نانکہ ماں کی جھولی میں ڈال دی اور رات بھر اس کے ساتھ اپنا غم غلط کرتا رہا۔ دوپہر کے بعد اپنے گھر پہنچ گیا جہاں ملک صاحب نے شام کی فلائٹ سے واپس آنا تھا اور اس نے پارٹی کارکنوں کے ساتھ انہیں ایئرپورٹ پر لینے جانا تھا۔

شطرنج کے مہرے

ملک صاحب کو وہ لوگ حسب روایت پھولوں کے ہار سے لاد کر جلوس کی شکل میں ہوائی اڈے سے ان کے گھر تک لے کر آئے تھے۔

اس درمیان ملک صاحب نے خاص طور پر اختر اور جاوید کی غیرحاضری محسوس کی تھی جس کا ذکر انہوں نے گھر پہنچتے ہی ارسلان سے کیا۔

"سناؤ کیسے رہے تین چار دن حالات؟"

"سر جی! مزہ آ گیا۔ ہم نے اپنے چاروں ساتھیوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ وہ جو کالج والا لڑکا ہے نا اس کی دونوں ٹانگیں توڑ دی ہیں اور اس کے جنرل سیکرٹری کی اولاد کو بھی ٹھپہ لگا دیا ہے---- سالے کیا یاد کریں گے۔" اس نے ملک صاحب کو اپنی کارگزاریوں سے آگاہ کیا۔

"وہ دونوں اختر اور جاوید نظر نہیں آ رہے----!" ملک صاحب نے پوچھا۔

ایک لمحے کے لیے تو ارسلان کا دل زور سے دھڑکا لیکن اب اس کے لیے یہ سب کچھ ایسی غیرمعمولی بات نہیں رہی تھی۔ اس نے انسانی اذیت کی انتہا کر بھی دی تھی اور دیکھ بھی لی تھی' اس لیے اب کوئی قتل اس کے سر چڑھ کر بول نہیں سکتا تھا۔

"جاوید کو دیکھے تو مجھے بھی سات آٹھ روز ہونے کو آئے ہیں' اختر البتہ تین چار روز پہلے تک ہمارے ساتھ تھا۔ بلکہ کل پرسوں دوسرے لوگوں نے بھی اس کی کمی محسوس کی---- ملک صاحب! برا مت مانیے۔ یہ لوگ آپ سے کچھ زیادہ ہی لفٹ لے رہے ہیں اور دوسرے کارکن اس بات کو بہت محسوس کرنے لگے ہیں---- اب یہی لے لیجیے ان لوگوں کا خیال تھا کہ جاوید آپ کے ساتھ ہے۔"

ارسلان نے الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے والی حکمت عملی سے کام لیا۔

"نہیں بیٹا! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میرے لیے سب کارکن قابل عزت ہیں---- تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ تمہیں چاہتا ہوں لیکن اب مجھے ان دونوں کے متعلق تشویش

...ی ہے' کہیں وہ مخالفوں کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئے؟"

ملک نے عندیہ ظاہر کیا۔

"ملک جی اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ہمیں خبر ہو جاتی۔ آپ جانتے ہیں اس وقت بھی ان ...ہیڈکوارٹر میں اپنے تین آدمی کام کر رہے ہیں۔ان کی طرف سے ایسی کوئی اطلاع تو نہیں ملی۔ ...وں ان لوگوں نے خاور پر حملہ کیا تھا۔ اس کا بازو ٹوٹ گیا ہے۔ اگر ان دونوں....." تھوڑی ...لے وہ رک گیا' پھر اچانک کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"پھر بھی میں پتہ کروا لیتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ملک کے فون سے ہی مخالف تنظیم کے ہیڈکوارٹر کا نمبر ملایا۔

"میرا نام سلیم ہے جی! ذرا مشتاق صاحب کو بلا دیں۔ بہت ضروری کام ہے۔" اس نے ...سری طرف سے استفسار پر کہا۔

تھوڑی دیر بعد مشتاق لائن پر تھا۔ اس نے ہوں ہاں کرتے ہوئے ارسلان کی بات سنی۔

"نہیں بھائی جان سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر وہ یہاں آتے تو مجھے ضرور ملتے۔ میں تو ...ں چار روز سے کہیں گیا ہی نہیں۔ امتحانات کی تیاری کر رہا ہوں۔" دوسری طرف سے جواب ...ا۔

"ٹھیک ہے پھر تو اور پریشانی والی بات ہو گئی ناں۔" اس نے کہا۔

"آپ خود تکلیف نہ کیا کریں۔ میں بتا دوں گا جب بھی ادھر آئے۔" دوسری طرف سے ...ایا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"ملک صاحب! کمال ہے۔ آخر انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔" ارسلان نے ...یشانی کا اظہار کیا۔

"ان کے سارے ٹھکانے چیک کرو۔ سمجھ نہیں آتی اس طرح بتائے بغیر وہ جانے والے ...ں --- ایک بات تو ظاہر ہے وہ دونوں اکٹھے ہی غائب ہوئے ہوں گے۔" ملک صاحب نے ...ود ایک اندازہ قائم کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جناب! ابھی دیکھ لیتے ہیں۔"

کہتے ہوئے ارسلان نے دو تین ٹیلی فون نمبر ملائے لیکن جواب میں ہر طرف مایوسی کا ...ظہار کیا گیا۔ آدھ گھنٹہ تک دونوں کوشش کرتے رہے لیکن انہیں نہ ملنا تھا نہ ملے۔

ملک کے چہرے پر اب کچھ پریشانی کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ "یہ لوگ کچھ زیادہ ہی ...ف لینے لگے ہیں۔ میں نے کہہ رکھا ہے کہ مجھے بتائے بغیر کوئی واردات نہیں کرنی لیکن.....!" ...ا کہہ کر ملک خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"ارسلان! تم خود ایک کام کرو۔ جاوید کا ایک سکوٹر چور دوست ہے۔ میں جانتا ہوں اسے۔ ایک دو مرتبہ اس نے سفارش کروائی ہے اس کی۔ مجھے شک ہوتا ہے کہ وہ کہیں اس کے ساتھ مل کر تو کوئی چکر نہیں چلا رہا---- کہیں پھنس نہ گیا ہو---- لیکن اختر....."

ملک کو اچانک ہی کچھ یاد آ گیا تھا۔

"آپ اطمینان رکھیے جناب میں ابھی نکلتا ہوں اس مشن پر۔" ارسلان نے ملک سے کسی سکوٹر چور دوست کا ایڈریس سمجھتے ہوئے کہا۔

○ ○ ○

اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ وہی ہو گا جس سے جاوید نے موٹر سائیکلیں اس واردات کے لیے حاصل کی تھیں۔ اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ وہ اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان لوگوں نے اس چور دوست کو رات تک قابو کر لیا تھا اور اب اپنے تفتیشی سینٹر میں لے آئے تھے۔

پہلے تو وہ جاوید سے ملاقات ہی سے انکار کرتا رہا لیکن دو تین منٹ کے بعد ہی اس نے انہیں بتایا کہ کچھ روز پہلے جاوید اس سے دو موٹر سائیکلیں مستعار لے گیا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ وہ کوئی واردات کرنے جا رہا ہے۔ واردات کی نوعیت سے وہ بے خبر تھا۔

ارسلان کے ساتھیوں نے ٹھوک بجا کر تسلی کر لی تھی کہ اس کا بیان حرف بحرف درست ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹیلی فون پر ملک صاحب کو تفتیش کے نتائج سے آگاہ کر رہے تھے۔ ملک صاحب کے حکم پر جس طرح اس چور کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں لائے تھے' اسی طرح اس کے ٹھکانے پر چھوڑ آئے۔

رات گئے تک وہ لوگ اندازے قائم کرتے رہے کہ جاوید نے موٹر سائیکلیں کس لیے حاصل کی تھیں۔ اچانک سکندر کو چند روز پہلے والی واردات یاد آ گئی۔ ڈکیتی کی یہ خبر اخبارات میں دو تین روز تک زیر بحث رہی تھی۔ اس نے سب کا دھیان اس خبر کی طرف دلایا۔

"لیکن وہاں تو لکھا تھا کہ ڈاکو تین تھے اور تیسرا فرار ہو گیا ہے۔ بھاگنے سے پہلے وہ اپنے ایک ساتھی کو بھی گولی مار گیا تھا۔" اکبر بولا۔

"کچھ بھی ہو' آخر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ ابھی تک لاشوں کی شناخت تو نہیں ہو سکی۔" ارسلان نے رائے دی۔

"ارسلان بیٹا! تم سکندر کو لے کر اس مہم پر نکلو۔ کوشش کرنا کہ پولیس کو لاعلم رکھ کر

اس کی شناخت کر سکو۔ اگر خدانخواستہ وہ اپنے ہی بندے ہوئے تو چپ چاپ نکل آنا۔ ابھی ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ الیکشن سر پر کھڑا ہے اور مجھے پارٹی ٹکٹ مل چکا ہے----!" ملک صاحب نے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں ملک صاحب۔ اگر تو لاشیں ابھی مردہ خانے میں ہیں تو پولیس کو ہاؤں کان خبر نہیں ہو گی---- اگر انہوں نے لاشیں ضائع کر دی ہیں' پھر تصاویر تو ظاہر ہے پولیس کے قبضے میں ہی ہوں گی۔" سکندر بولا۔

"میرے خیال سے ابھی تک لاشیں سنبھالی ہوئی ہیں۔ بصورت دیگر اخبارات میں تصاویر ضرور شائع کی جاتیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ پولیس نے اس ڈکیتی میں مرنے والوں کی تصاویر شائع نہیں ہونے دیں۔" ارسلان بولا۔

"شاید انہیں تیسرے آدمی کی تلاش ہو۔ وہ سمجھتے ہوں کہ تصویروں کے شائع ہونے سے تیسرا ڈاکو ہوشیار نہ ہو جائے۔" سکندر نے اپنی رائے دی۔

خوف کی ایک لہر ارسلان کی ہڈیوں میں سرایت کر گئی۔

اگلے روز وہ سکندر کے ساتھ واردات والے شہر کے سرکاری مردہ خانے کی طرف جا رہے تھے۔

مردہ خانے کے باہر پولیس گارڈ مستعد بیٹھی تھی لیکن ارسلان نے انہیں "رام" کر لیا۔ اس نے حوالدار سے کہا تھا کہ ان کا ایک ساتھی کچھ دنوں سے غائب ہے اور اپنا شک دور کرنے کے لیے ہر نامعلوم لاش کو دیکھنے چلے آئے ہیں۔

"لیکن باؤ جی یہ تو ڈاکو تھے!" حوالدار نے گہری نظروں سے دونوں کا جائزہ لیا۔ "یار وہ بھی کوئی شریف آدمی نہیں تھا----!" ارسلان نے سو کا ایک نوٹ حوالدار کی مٹھی میں دیتے ہوئے کہا۔

"کم ہے جناب' تین آدمی ہیں۔" اس نے سو کے نوٹ پر نظر ڈال کر بے حیائی سے دانت نکال دیئے۔

"اچھا یار ہم بھی کوئی امیر آدمی نہیں ہیں' بس اور بات نہ کرنا۔" اتنا کہتے ہوئے سکندر نے پچاس کا ایک نوٹ اس کو تھما دیا۔

"ایسا ایک اور نکالیں باؤ جی!" حوالدار نے ڈھٹائی سے دانت نکال دیئے۔

"یار تم تو حد کر رہے ہو" ارسلان نے بیس روپے اس کی طرف بڑھا کر مردہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"جیسی مرضی جناب کی----!" حوالدار نے نوٹ اپنی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔

ارسلان کے لیے تو یہاں کچھ بھی خلاف توقع نہیں تھا لیکن سکندر تو سناٹے میں آ گیا۔

"اف میرے خدایا تمہارا شک صحیح ثابت ہوا----!" ارسلان نے سکندر کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"یار میں نے تو اندازہ ہی لگایا تھا۔ تم جانتے ہی ہو مہینے میں ایک آدھ بار کارروائی تو پٹرول پمپ وغیرہ لوٹنے کی جاوید ڈال ہی دیا کرتا تھا' لیکن اختر! اور پھر وہ تیسرا کون تھا؟" سکندر خاموش ہو کر دیوار کو گھورنے لگا۔

"اختر بھی چھپا رستم نکلا۔ میرا خیال ہے انہوں نے کسی پیشہ ور کھلاڑی کے ساتھ ہمیں لاعلم رکھ کر کارروائی ڈالنے کی کوشش کی ہو گی۔ تم تو جانتے ہو یار آج کل جاوید کا بازار حسن میں جانا کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا---- بہانہ تو ملک صاحب کا ہی ہوتا تھا۔ شاید وہاں کوئی معاشقہ چل رہا تھا اور یار جی نے اپنی محبوبہ پر رعب گانٹھنے کے لیے لمبا ہاتھ مارنے کی سوچی ہو گی---- میرے ذہن میں تو یہی بات آتی ہے لیکن یہ اختر کہاں سے ٹپک گیا؟"

ارسلان کا چہرہ بالکل نارمل تھا۔

وہ اتنا پرسکون نظر آ رہا تھا جتنا کوئی عادی مجرم بھی نہ آ سکے۔

جرائم' مار دھاڑ' تشدد اور جنسیات کے سیلاب میں بہہ کر شاید اس کے اندر موجود ضمیر نام کی چڑیا اڑ گئی تھی یا چہرے پر احساس ملامت کو چھپائے رکھنے میں اس نے کمال حاصل کر لیا تھا۔

○ ○ ○

دونوں نے ملک صاحب کو رپورٹ دی تو ایک لمحے کے لیے ملک صاحب کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

اگر یہ خبر مخالف تنظیم کو ہو جاتی کہ انقلابی تنظیم کے دو اہم رکن ڈاکہ زنی کی واردات میں مارے گئے ہیں تو وہ ملک صاحب کا سیاسی حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتے۔

شام تک وہ فکر میں غلطاں رہا کہ اب کیا کیا جائے؟ ارسلان اور سکندر واپس آ چکے تھے۔

"جس طرح بھی ممکن ہو اس خبر کو چھپانا ہے عوام کی نظروں سے اور سب سے بڑھ کر دشمنوں کی نظروں سے۔ اگر کسی کو علم ہو گیا تو قیامت آ جائے گی۔"

ملک صاحب کو ان لوگوں نے آج پہلی مرتبہ اتنا پریشان دیکھا تھا۔

"کیا طریقہ ہو سکتا ہے سر؟" سکندر نے پوچھا۔

"لاشوں کو لاوارث قرار دے کر دفن کروا دو۔ جتنی جلدی ممکن ہو۔" ملک نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"لیکن سر....."

"کیا لیکن----!" سکندر نے کچھ کہنا چاہا لیکن ملک صاحب نے اس طرح پھاڑ کھانے والے لہجے میں اس کی بات کاٹی کہ وہ لرز کر رہ گیا۔

"مم میرا مطلب....." اس نے گھگیاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

"تمہارا مطلب تھا کہ ان دونوں شہیدوں کے جنازے بڑی شان و شوکت کے ساتھ اٹھائے جاتے کیونکہ انہوں نے بڑا عظیم کارنامہ انجام دیا تھا یا پھر وہ دشمن تنظیم کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔" ملک صاحب نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"سکندر پاگل مت بنو---- سر کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرو اور یہ مت بھولو کہ تم بھی تین مقدمات میں پولیس کو مطلوب ہو۔ میرے متعلق بھی تم جانتے ہو۔ اگر ان لاشوں کی شناخت ہو گئی تو کھاتہ کھل جائے گا اور مخالف تنظیم ہمارے خلاف اتنا پراپیگنڈہ کرے گی کہ لوگ ہمارے منہ پر تھوکنا پسند نہیں کریں گے۔" اس مرتبہ ملک کی بجائے ارسلان نے سکندر کی طرف طیش کر آنکھ دباتے ہوئے اسے "موقعے کی نزاکت" کا احساس دلایا۔

سکندر اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ ارسلان نے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ ملک صاحب کو اپنے باغیانہ خیالات کا احساس نہ ہونے دیں بصورت دیگر ان کے لیے مسائل کا ناقابل عبور پہاڑ کھڑا ہو جائے گا جس سے سر ٹکرا ٹکرا کر وہ پاش پاش ہو جائیں گے۔

سکندر نے معذرت خواہانہ انداز میں اپنی گردن جھکا کر ملک صاحب کی اطاعت پر صاد کر دیا تھا۔

"اس علاقے کے ڈی ایس پی صاحب سے مل لینا۔ میں اس دوران اسے قابو کرتا ہوں۔ لاشوں کو لاوارث قرار دے کر دفن کرنے کا بندوبست کرنا ہو گا اور تمہیں ہر مرحلے پر ان لوگوں کی مدد کرنا ہے۔ نیچے والے عملے کو قابو میں رکھنا' پیسوں کی پروا نہ کرنا---- اور ہاں مشتاق سے کہنا کہ آج شام ہی دونوں کے اغواء کی رپورٹ پولیس کو لکھوا دے۔ اس اغواء میں مخالف تنظیم کے مقامی صدر اور جنرل سیکرٹری کے علاوہ کم از کم آٹھ دس ایسے ورکروں کو ملوث کر دو جن کا غائب رہنا ہمارے لیے خطرناک ہو گا۔ وکیل سے مل لینا۔ وہ تمہیں ساری کہانی سمجھا دے گا اور ضروری اندراج کروانے تمہارے ساتھ بھی جائے گا۔

خبردار موقعے کے گواہ ذرا مضبوط تیار کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ اگلے الیکشن سے پہلے ان

لوگوں کی ضمانتیں ہوں اور یہ باہر آ کر ہمارے لیے مسائل کھڑے کریں۔"

ملک نے ایک تیر سے کئی نشانے کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس کے فیصلے بڑے سفاکانہ ہوتے تھے۔

اس نے ایسی ہی چالبازیوں کے سہارے سیاست کے جانے کتنے خاردار پاٹ لیے تھے۔ مخالفین کو ملک نے کبھی بھونکنے والے کتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کا اصول تھا کہ کاٹنے والے کتے بھونکا نہیں کرتے' جیسا کہ بھونکنے والے کتے کاٹا نہیں کرتے۔۔۔۔ ملک کے ہمراہی جانتے تھے کہ کبھی وہ کچھ نہیں کہتا جو اس نے کرنے کی ٹھانی ہو اور جو کرنے کی ٹھان لے اس سے کبھی نہیں رکتا' خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

○ ○ ○

اگلے روز علی الصبح دونوں اپنی منزل کی طرف عازم سفر تھے۔ ان کی آمد سے پہلے ڈی ایس پی کے ساتھ "مک مکا" ہو چکا تھا۔ اس کی حیثیت کے مطابق اس کی قیمت چکا دی گئی تھی اور اب ان دونوں نے اپنی موجودگی میں باقی معاملات طے کروانے تھے تاکہ ملک صاحب کو "سب اچھا" کی حتمی رپورٹ دے سکیں۔

مقتولین کی لاشیں ناقابل شناخت قرار پا چکی تھیں۔ پولیس کے مستعد اہلکاروں نے راتوں رات کاغذات مکمل کر کے صبح مقامی مجسٹریٹ کے حضور پیش کر دیئے تھے۔ ضابطے کی کارروائی مکمل تھی۔

ریٹائرنگ روم میں تشریف فرما مجسٹریٹ صاحب بہادر نے کاغذات پر سرکاری مہر کے ساتھ دستخط ثبت کر دیئے اور اب لاشوں کو کفن دفن کے معاملات سے گزارا جا رہا تھا' لاشیں دفن کر دی گئیں۔

لیکن۔۔۔۔!

دونوں جانتے تھے کہ راتوں رات ان لاشوں کو بھی لیبارٹریوں میں پہنچا دیا جائے گا جہاں میڈیکل کے طلباء ان پر تجربات کریں گے اور اس کی الگ قیمت وصول کی جائے گی۔

دوپہر تک تمام مراحل بخیر و خوبی طے پا گئے اور دونوں ہونہار ورکروں نے ملک صاحب کو مقامی ٹیلی فون ایکسچینج سے ہی "سب اچھا" کی رپورٹ دے دی۔

عین ان لمحات میں جب وہ دونوں اس قصبے میں ایک غیرانسانی اور وحشیانہ کام میں مصروف تھے' ان کے ساتھی اپنے وکیل کے ساتھ شہر کے ایس پی صاحب کے دفتر میں جمگھٹا

لگائے کھڑے تھے۔ اس ہجوم کی قیادت انقلابی طلباء تنظیم کا صدر مشتاق کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ زخمی طالب علم موجود تھے۔ ایک کے بقول اس کے ہاتھ پر گولی لگی تھی اور دوسرے کی ران میں خنجر سے زخم لگایا گیا تھا۔

ان لوگوں نے حلفیہ بیان دیا کہ وہ اختر اور جاوید کے ساتھ بس سٹاپ پر ویگن کے منتظر تھے کہ وہیں اچانک ایک وین آ کر رکی جس میں موجود پندرہ بیس لڑکے ان پر پل پڑے۔ حملہ آوروں کی قیادت مخالف طلباء تنظیم کا مقامی صدر اور سیکرٹری جنرل کر رہے تھے۔ انہوں نے ہوالوروں' خنجروں اور ڈنڈوں سے حملہ کیا۔ صدر نے نذیر پر گولی چلائی جو اس کے ہاتھ پر لگی ہے کہ جنرل سیکرٹری کے خنجر کا وار دوسرے طالب علم حیات کی ران پر ہوا۔ وہ دونوں گر پڑے۔ حملہ آور ان کے دونوں ساتھیوں اختر اور نواز کو اغوا کر کے لے گئے۔

وکیل نے اپنی موجودگی میں پرچہ درج کروایا اور ایف آئی آر کی نقل بھی حاصل کر لی تھی۔ ضابطے کی کارروائی مکمل ہوتے ہی مضروبوں کو سرکاری ہسپتال پہنچا کر وہاں سے اپنی مرضی کی "میڈیکل رپورٹ" حاصل کر لی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہنگامی پریس کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں ملک صاحب کے مختلف اخبارات میں پروردہ رپوٹرز اس طرح پہنچے جیسے انہیں نجانے کب سے اس پریس کانفرنس کا انتظار تھا یا پھر جیسے یہ پریس کانفرنس کسی نازک ترین قومی مسئلے پر طلب کی گئی ہو۔

○ ○ ○

انقلابی طلباء تنظیم کے صدر مشتاق نے تمام "تیارشدہ" واقعات کی تفصیلات مزید مرچ مسالہ لگا کر بیان کیں۔ مخالف تنظیم کی غنڈہ گردی' دہشت گردی کا جی بھر کے رونا رویا اور پولیس کو وارننگ دی کہ اگر ۲۴ گھنٹے کے اندر ان کے اغوا شدہ ساتھی برآمد نہ ہوئے اور حملہ آوروں کو گرفتار نہ کیا گیا تو اس کے لیے طلباء برادری کے جذبات پر قابو رکھنا ممکن نہیں رہے گا اور حالات بگڑنے کی تمام تر ذمہ داری پھر پولیس پر عائد ہو گی۔

اس دھمکی کے ساتھ ہی پریس کانفرنس اپنے اختتام کو پہنچی۔ اخبار نویسوں نے اپنے سامنے موجود پیسٹریوں اور پیٹیز کے ڈھیر پر حملہ کر دیا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اس وقت تک کھاتے رہے جب تک کسی پلیٹ میں کوئی ایک کھانے والی شے بھی موجود رہی۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے "حصہ بقدر جثہ" کے مصداق سب اس پریس کانفرنس کے کرتا دھرتا کی طرف سے عزم کردہ لفافے اپنی جیبوں میں منتقل کرنے لگے۔

پولیس اور اخبارات ایک ساتھ حرکت میں آئے۔۔۔۔!

نمایاں سرخیوں کے ساتھ خبریں چھپیں جبکہ راتوں رات پولیس کے مسلح جوانوں نے الیف آئی آر میں نامزد ملزمان میں سے آدھے سے زیادہ اپنے قابو میں کر لیے۔ ان میں وہ بے چارے بے گناہ نوجوان شامل تھے جو امتحانات کی تیاری کر رہے تھے یا پھر جن کے صبح بیپر ہونے والے تھے۔

بعد از خرابی بسیار پولیس ملزمان کے سرکردہ لیڈروں یعنی مقامی صدر اور جنرل سیکرٹری کو گرفتار نہیں کر سکی تھی' نہ ہی ابھی تک اغواکنندگان کو برآمد کیا جا سکا تھا۔

اگلے روز شام کو مقامی پولیس کی طرف سے پریس کانفرنس میں کہا گیا کہ پولیس نے سارے شہر کی ناکہ بندی کی ہوئی ہے اور ملزمان بچ کر نہیں جا سکتے خواہ وہ کتنے ہی بااثر ہوں قانون کی گرفت سے نہیں نکل پائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی انقلابی طلباء تنظیم کے کارکنوں کو پرامن رہنے کی اپیل کی گئی تھی۔

پولیس کی اس اپیل کے جواب میں انقلابی طلباء تنظیم کے صدر مشتاق نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ وہ پولیس کی طرف سے یقین دہانی کے بعد اپنے الٹی میٹم میں ۴۸ گھنٹے کا اضافہ کر رہے ہیں اور مزید دو دن کے اندر اگر ان کے ساتھیوں کو برآمد نہ کیا گیا تو وہ سڑکوں پر نکل آئیں گے۔

"بے خبر" اور "باخبر" دونوں طرح کے اخبارات نے اپنی استعداد کے مطابق اس سانحے پر اداریے نوٹ بھی اگلے روز شائع کیے تھے۔ ہوشیار اخبار نویسوں نے کسی پر الزام دھرے بغیر' کسی کا نام لیے بغیر اس فتیح فعل کی ذمہ داری مذمت کی تھی اور صوبائی حکومت کے لیے اس واقعے کو ایک چیلنج قرار دے کر کہا تھا کہ جلد از جلد اغواکنندگان کو برآمد کروایا جائے۔ اخبارات نے اپنا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ طلباء کی سیاست میں اس حد تک تشدد خطرے کی گھنٹی ہے اور اس کا سختی سے قلع قمع کرنا ناگزیر ہو چکا ہے۔

بعض مبصر تو بہت دور کی کوڑی لائے تھے اور انہوں نے اس واردات کے پس پردہ "غیر ملکی ہاتھ" کی کارستانی کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا کیوں کہ دشمن طاقتیں ایک عرصے سے ملکی سالمیت کو تہہ و بالا کرنے پر تلی ہوئی تھیں اور انہوں نے اب طلباء برادری میں بھی اپنے ایجنٹ داخل کر دیئے تھے۔

اخبارات کی خبروں سے سارے صوبے کی فضا مغموم اور مسموم ہو گئی تھی۔ لوگ حالات کی اصلیت کو جانے بغیر اپنے اندازے قائم کر کے مفروضوں کی بنیاد پر رائے قائم کر رہے تھے۔ ایک بات پر اتفاق رائے تھا کہ یہ گھناؤنا جرم ہے اور اس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کر کے

ذمہ داروں کو کیفر کردار تک ضرور پہنچایا جائے۔

ملک صاحب کے سامنے اخبارات کے ڈھیر میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ان کے شیطانی ذہن نے کئی منصوبے تخلیق کیے تھے جن پر وہ ایک ایک کر کے عمل کرنا چاہتے تھے۔

وہ اگلا الیکشن صرف جیتنا ہی نہیں بلکہ سرکار میں کوئی اہم منصب حاصل کرنا چاہتے تھے اور تقدیر نے سیاست کی ترپ چال ان کے ہاتھ میں دے دی تھی۔

ملک ایک بازی میں سب کو شہ مات دینے کے لیے تلا ہوا جاتا تھا۔ اس نے بڑے جبر سے خود کو سنبھال رکھا تھا۔ ملکی سیاست میں بھونچال آ گیا تھا۔ نئے الیکشن شیڈول کا اعلان کسی بھی دم ہوا چاہتا تھا اور ملک کوئی نیا داؤ کھیلنا چاہتا تھا۔

اس کی شیطانی مسکراہٹ روز بروز گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے بازی کی گندی شطرنج پر اپنے مہرے ترتیب دے لیے تھے اور بڑی سمجھداری سے اب ایک ایک چال چل رہا تھا۔

○ ○ ○

طلباء تنظیموں کے درمیان جنگ کی سی فضا پیدا کر دی گئی تھی۔ ملک کے مختلف کالجوں میں جہاں جہاں جس جس تنظیم کا زور چلتا تھا' وہ لوگ اپنی طاقت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

درس گاہیں میدان جنگ کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

ملک کے سب سے بڑے صوبے میں اس طرح کے حالات پیدا ہو چکے تھے کہ حکومت کو بھی اقتدار خطرے میں پڑتا دکھائی دے رہا تھا۔ صوبے کے وزیراعلیٰ کی طرف سے آئی جی پر دباؤ بڑھ رہا تھا اور آئی جی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟

سیکورٹی والوں کی طرف سے اس بات کی یقین دہانی کروا دی گئی تھی کہ لڑکے اغوا نہیں ہوئے' نہ ہی ایسا کوئی واقعہ ہوا ہے جس کی رپورٹ لکھائی گئی ہے۔ یہ سب من گھڑت کہانی تھی اور رپورٹ درج کروانے والوں نے خود ہی اپنے ساتھیوں کو زخمی کر کے یہ ڈھونگ رچایا تھا۔

آئی جی نے مخالف تنظیم کے مرکزی صدر سے مذاکرات کر کے منت سماجت بھی کی تھی کہ وہ اپنے ضلعی مغرور صدر اور جنرل سیکرٹری کو پیش کر دیں۔ انہوں نے یقین دلایا تھا کہ وہ اس چوٹی کا زور لگا کر انقلابی تنظیم کی من گھڑت کہانی کو غلط ثابت کر دیں گے لیکن اس کے لیے نامزد ملزمان کی گرفتاری ضروری تھی۔

"اپنے خدا کو حاضر ناظر جان کر بتائیے کہ یہ رپورٹ سچ ہے؟" مخالف تنظیم کے صدر نے آئی جی کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

"میرے یقین کی حد تک غلط ہے لیکن فی الوقت حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم طلباء کے جذبات ٹھنڈے رکھنے کے لیے ان لوگوں کو گرفتار کریں۔"

"میری زبان زیب نہیں دیتی کہ آپ کو کوئی غلط بات کہوں لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ جب آپ خود جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے جھوٹ بولا ہے تو ایک جھوٹ کی بنیاد پر آپ کارروائی کیوں کر رہے ہیں؟ آپ عوام کو بتا کیوں نہیں دیتے کہ یہ ہمیں بدنام کرنے کی اوچھی حرکت ہے اور سب سے بڑھ کر حیرت کی بات تو یہ ہے کہ آپ ایک غلط کام کے لیے ہمیں قربانی کا بکرا بھی بنانا چاہتے ہیں۔"

صدر کا لہجہ خاصا تلخ تھا----!

"کاش تمہیں میری مجبوریوں کا احساس ہوتا!" آئی جی نے بے بسی سے کہا۔

"مجھے احساس ہے آئی جی صاحب کہ آپ پر کتنا دباؤ ہے لیکن آپ اس روایت کو توڑتے کیوں نہیں؟ آپ غلط دباؤ کو قبول کیوں کرتے ہیں؟ کسی غلط بات کے سامنے محض اپنی نوکری کے لیے سر کیوں جھکاتے ہیں؟ آئی جی صاحب! یاد رکھیے ہم بھی اپنے ساتھیوں کو قربانی کا بکرا نہیں بنائیں گے کیونکہ ہمیں اور آپ کو بھی ایک روز خدا کے حضور پیش ہونا ہے' جہاں کوئی مصلحت اور مجبوری معافی نہیں دلا سکے گی۔" صدر کا لہجہ بڑا پراعتماد اور جان لیوا تھا۔

آئی جی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟

زمین نہیں پھٹتی تھی کہ وہ اس میں سما جائے۔

لیکن----!

اچانک ہی وہ اپنی جگہ پر تن کر کھڑے ہو گئے۔

"شکریہ بیٹا! تم نے مجھے میرے فرض کا احساس دلا دیا۔"

○ ○ ○

وہ تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر آ گئے۔ ان کا رخ چیف منسٹر ہاؤس کی طرف تھا جہاں ایک خصوصی اجلاس امن و امان کے مسئلے پر طلب کیا گیا تھا۔

"جناب والا! میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مقدمہ جھوٹا ہے۔ کسی نے اختر اور جاوید کو اغوا نہیں کیا اور نہ ہی ان لوگوں کو کسی نے زخمی کیا

ہے۔"

"آئی جی صاحب آپ کیا بات کر رہے ہیں؟" نام نہاد "شہری امن کمیٹی" کے سربراہ نے حیرانی اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے آئی جی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا آپ ہوش و حواس میں ہیں ----؟" ایک اور صاحب غرائے۔

"جناب والا! میں جو عرض کر رہا ہوں' بقائمی ہوش و حواس کہہ رہا ہوں۔ آپ ہی آئی جی والوں سے علیحدہ انکوائری کی رپورٹ مانگ سکتے ہیں۔ اس ملک میں متعدد ایجنسیاں ہیں' آپ کسی سے بھی رپورٹ مانگ سکتے ہیں۔" آئی جی اپنے ارادے میں اٹل تھے۔

"آئی جی صاحب! آپ جانتے ہیں انقلابی طلباء تنظیم سے ہمارے سیاسی روابط کتنے گہرے ہیں۔ اگر آپ کے ارشادات "آن دی ریکارڈ" آ گئے تو ہماری کمر ٹوٹ جائے گی۔ ہم نے اس شہر میں سیاست کرنی ہے آئی جی صاحب۔" ایک وزیر باتدبیر کو طیش آ گیا----!

"جو حقیقت تھی وہ میں نے گوش گزار کر دی۔ اس کے بعد جو حکم آپ فرمائیں۔ ہم اس کے پابند ہیں لیکن میری درخواست ہو گی جناب والا کہ کوئی غیر قانونی حکم پر پولیس کو مجبور نہ کیا جائے۔ اسی میں ہم سب کی بہتری ہو گی----!" آئی جی نے یہ بات براہ راست وزیر اعلیٰ کی آنکھوں میں جھانک کر کہی تھی۔

"ٹھیک ہے----!" وزیر اعلیٰ نے گلا کھنکار کر کہا "ہمیں دوسری ایجنسیوں کی رپورٹ بھی مل لینے دیجیے۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو سکے گا---- آپ جا سکتے ہیں۔"

وزیر اعلیٰ نے دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے معاملہ سنبھال لیا۔

آئی جی نے کھڑے ہو کر سر پر ٹوپی جمائی' سلیوٹ کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کانفرنس روم سے باہر آ گیا۔ ان کے دل و دماغ سے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔

ان کی روانگی کے فوراً ہی بعد وزیر اعلیٰ نے ایک ہنگامی اجلاس شام گئے طلب کیا تھا۔ اس سے پہلے وہ خود خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹ کا جائزہ لینا چاہتے تھے۔

شام گئے تک دو ایجنسیوں کی رپورٹ مل چکی تھی جنہوں نے آئی جی کے بیان کی تصدیق کی تھی۔ ان لوگوں کو کوئی ایسا کلیو نہیں ملا تھا جس کی بنیاد پر وہ اس اغوا کے ذمہ دار مخالف طلباء تنظیم کو ٹھہرا سکتے۔

وزیر اعلیٰ گہری سوچ میں ڈوبے دکھائی دے رہے تھے۔ اچانک ہی ان کا ماتھا ٹھنکا۔

"کہیں یہ مخالفوں کی کوئی چال نہ ہو---- کہیں مخالف سیاسی پارٹی نے دونوں کو اغوا کروا کر دو طلباء تنظیموں کو آپس میں ٹکرانے کا منصوبہ تو نہیں بنا لیا----!

"بہت سنبھل کر کوئی بھی اگلا قدم اٹھانا ہو گا سر!"

ان کے سیاسی مشیر نے جو خود سابقہ سٹوڈنٹس لیڈر تھا' مشورہ دیا۔ "دشمن نے گہری چال چلی ہے۔ وہ ہمیں اپنی مرضی کے میدان میں لڑانا چاہتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں دشمن کی بساط لپیٹنی ہو گی' اس کے بعد ہی کچھ اور سوچیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم کسی طرح دونوں تنظیموں کو ٹھنڈا کرو۔ میں ملک صاحب کی ڈیوٹی بھی لگاتا ہوں۔ صرف وہی ایک آدمی ہے جو انقلابی طلباء تنظیم کو ٹھنڈا کر سکے گا۔ اگر ان لوگوں نے ہڑتال کر دی تو معاملہ خراب ہو جائے گا۔ الیکشن سر پر آ رہے ہیں اور ہمارے دوست کسی ایسے ہی موقعے کے منتظر ہیں جب وہ ہمارے صوبے میں سیاسی انارکی پھیلا کر اچانک وزیراعلیٰ کا اعلان کر دیں گے اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

وزیراعلیٰ نے سنبھل کر کہا۔

○ ○ ○

شام گئے صوبائی سیاسی لیگ کے اہم لوگ وزیراعلیٰ کے گھر جمع تھے۔ یہ لوگ موجودہ کرائسز سے نمٹنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ وزیراعلیٰ نے پولیس اور سیکورٹی ایجنسیوں کی رپورٹیں ان کے سامنے رکھ دیں۔ اب ہر کوئی حسب توفیق ان پر تبصرہ کر رہا تھا۔

یہاں جمع ہونے والے تمام "سیاسی گدھ" ایک ہی بات پر متفق تھے کہ ان کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو سرکار دربار میں ان کے لیے باعث عتاب بن جائے۔ وہ بظاہر صوبائی لیگ کے پرانے ممبران اور وزیراعلیٰ کے انتہائی بااعتماد ساتھی تھے لیکن وہ منافقانہ پالیسی پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

الیکشن سر پر ہونے کے سبب انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس مرتبہ صوبے سے ٹکٹ جاری کرنے کے کلی اختیارات وزیراعلیٰ کو بطور صوبائی صدر لیگ کے حاصل ہیں اور وہ اسے ہی ٹکٹ جاری کریں گے جو ان کی نگاہ ناز میں معتبر ٹھہرے گا اور وزیراعلیٰ کی نگاہ ناز میں محترم ٹھہرنے کا ان کے نزدیک بہترین طریقہ یہی تھا کہ ان کی ہر سطح پر چاپلوسی کی جائے۔

یہ لوگ کوئی مشورہ دینے کے بجائے صرف بات کو آگے بڑھانے کے فلسفے پر دل و جان سے عمل پیرا تھے۔

"ملک صاحب! آپ اس ضمن میں کیا فرمائیں گے؟"

وزیراعلیٰ نے بالآخر "کام کے بندے" کو متوجہ کیا۔

"میں سمجھتا ہوں جناب والا کہ یہ دشمن کی گہری سیاسی چال ہے اور اس کا مقابلہ بھی

اسی سطح پر ہونا چاہیے۔ اگر ہم دشمن کے پھیلائے جال میں پھنس گئے تو پھر کبھی نہیں نکل پائیں گے---- بجائے اس کے کہ ہم دشمن کی چال کا رونا روتے رہیں' ہمیں نملے پر دہلا مار کر انہیں منہ کے بل گرانا ہو گا۔"

لوگ ہمہ تن گوش ملک صاحب کی باتیں سن رہے تھے۔

"آپ فوری طور پر آئی جی کا تبادلہ کرنے کے احکامات جاری کر دیں۔ اس کے ساتھ ہماری طرف سے یہ بیان آئے گا کہ ملزموں کی گرفتاری میں ناکام رہنے کے سبب آئی جی صاحب کی پیشی ہوئی ہے۔ نئے آئی جی کی طرف سے مخالف طلباء تنظیم کو یقین دلا دیجئے کہ نہ صرف ان کے لوگوں کو گرفتار نہیں کیا جائے گا بلکہ حالات میں معمولی سی بہتری آتے ہی ان کے گرفتار شدہ ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے گا---- انقلابی تنظیم کی طرف سے آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں لڑکوں کو سمجھا دوں گا کہ معاملہ اخباری بیانات سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ پولیس کو سمجھا دیجئے۔ بچوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے انہیں شہر میں ایک دو جگہ ٹائر جلانے کی اجازت دے دیں---- اس سے آگے معاملہ نہیں بڑھے گا۔

جناب والا! پندرہ بیس روز میں انشاء اللہ میں حالات اس نہج پر لے آؤں گا کہ دونوں پارٹیوں کے لڑکے آپ کے سامنے مذاکرات کی میز پر بیٹھے ہوں گے۔ ان میں کم از کم اتنے عرصے کے لیے مفاہمت ہو جائے گی کہ ہم الیکشن کے دوران ان کی طرف سے بے نیاز رہ سکتے ہیں۔"

اپنی بات کے خاتمے پر اس نے فاتحانہ انداز میں حاضرین کی طرف دیکھا۔ وزیراعلیٰ صاحب اس کی ذہانت کی دل ہی دل میں داد دے رہے تھے۔

"پاکھنڈی' بدمعاش!! سارا کھڑاک اسی سالے نے خود پھیلایا ہو گا اور اب خود ہی "منڈیاں دا ماما" بن کر اپنے سٹیک نمبر ٹانگ رہا ہے۔"

ایم پی اے بھنڈر نے اپنے ساتھ بیٹھے دوسرے ایم پی اے کے کانوں میں سرگوشی کی۔

وزیر ملک کی رگ رگ کو سمجھتا تھا لیکن بے بس تھا اور سوائے کڑھنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن----!

اچانک ہی ایک خیال آنے پر وہ مسکرایا۔ "وہ مارا" اس نے دلی دل میں کہا اور حاضرین کی طرف مخاطب کیا۔

"ملک صاحب!" بھنڈر نے بظاہر ملک کو چاروں شانے چت کرنا چاہا---- "آپ اپنی تقریر میں تیسری اور سب سے اہم پارٹی کو نظر انداز کر گئے ہیں۔"

سب لوگ بھنڈر کی طرف چونک کر دیکھنے لگے۔

"میرے خیال سے دونوں اغوا کنندگان کے لواحقین کو نظر انداز کرنا بڑی بھیانک غلطی
گی۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ مخالف جماعت ان کے لواحقین کو ہمارے خلاف میدان میں لے آ
اور آپ کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں----"

"بھنڈر صاحب! معافی چاہتے ہوئے عرض کروں گا کہ آپ آج بھی وہی جاگیردارا
سیاست لیے بیٹھے ہیں جو آپ کو بزرگوں سے منتقل ہوئی تھی۔ بھنڈر صاحب! ریس میں کتے دو
لینے سے یا دو چار دیہاتی پنچائتوں میں دھونس' دھاندلی سے قبضہ جما کر کوئی سیاستدان نہیں
کرتا۔ خدا کے لیے سیاسی سوچ اپنایئے۔ آپ کس دور میں بیٹھے ہیں' آج زمانہ بدل چکا ہے۔ اگ
ہم اس ملک کے دو گھرانوں کو سیاسی داؤ پیچ سے قابو نہیں رکھ سکتے تو ہمیں سیاست کرنے کا کو
حق نہیں ہے۔ بھنڈر صاحب! پیسے کی طاقت آپ سے زیادہ کون سمجھتا ہو گا۔ میں نے دھوپ میں
بال سفید نہیں۔ یہاں آنے سے پہلے اس خدشے کا تدارک کر کے آیا ہوں۔ اول تو اغو
کنندگان کے لواحقین پریس کے سامنے ہی نہیں آئیں گے' اگر آئے بھی تو ہمارے دوست بن ک
آئیں گے دشمن بن کر نہیں۔ بھنڈر صاحب! ہم آپ جیسے بڑے جاگیردار نہیں ہیں۔ آپ ک
طرح ہم مویشیوں کی اعلیٰ نسل تو نہیں رکھتے لیکن ہمارے پاس ہوشیار ورکروں کی ایک فوج ضرو
موجود ہے اور وہی ہماری سیاسی طاقت ہے---- یوں بھی ہارس اینڈ کیبل شو میں انعام حاصل
کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی سیاسی میدان میں بھی اول آئے۔

ملک کی آخری بات پر وہاں موجود اس کی "خاص لابی" نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

بھنڈر کے سامنے زمین نہیں پھٹتی تھی کہ وہ اس میں سما جاتا۔ اس کے چہرے پر ایک
رنگ آ اور ایک جا رہا تھا۔

جہاندیدہ وزیراعلیٰ نے معاملات بگڑنے سے پہلے حالات کو سنبھالنے کے لیے آگے بڑھ کر
بھنڈر کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور میٹنگ ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے سب کو کھانے کی میز پر
آنے کی دعوت دی۔ کسی بدمزگی سے بچنے کے لیے وزیراعلیٰ نے ایم پی اے بھنڈر کا ہاتھ ابھی
تک تھاما ہوا تھا اور اسے اپنے ساتھ کھانے کی میز تک لائے تھے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے
حصے کی بوٹیاں پلیٹ میں ڈالیں اور آہستہ آہستہ باقی لوگوں میں گھلتے ملتے ملک صاحب کے پاس
کر کھڑے ہو گئے۔

ملک صاحب جیسے شاطر کو ہاتھ سے کھونا اپنی سیاسی قبر اپنے ہاتھوں کھودنے کے مترادف
تھا۔ بھنڈر جیسے دس گدھے انہیں مل سکتے تھے لیکن ملک جیسا چالاک بھیڑیا مشکل ہی سے ہاتھ
آتا ہے۔

وزیراعلیٰ جانتے تھے کہ اپنی پارٹی میں موجود ایک مضبوط مخالف گروپ کی موجودگی میں
ملک صاحب جیسے لوگوں کو ہاتھ میں رکھنا ان کے لیے ناگزیر ہے۔

ہتھ ٹوکا

نازنین نے حسب سابق اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور اس کی کوٹھے پر آمد کے ساتھ ہی
وہاں "تخلیہ" کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔

"جائیں میں آپ سے نہیں بولتی۔ اتنے دن کہاں غائب رہے----؟" اس نے ناز و ادا
بان ارسلان کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"اختر اور جاوید اچانک غائب ہو گئے ہیں' بس ان کی پریشانی نے ہی مصروف رکھا۔"
ارسلان نے وضاحت کی۔

"ارسلان باؤ! اختر کو تو میں اتنا نہیں جانتی لیکن جاوید کے غائب ہونے کی بات سمجھ نہیں
آئی' اسے کیا مصیبت پڑی تھی۔"

ارسلان سمجھ گیا کہ جاوید ان لوگوں کا "ہتھ ٹوکا" بھی تھا اور ملک صاحب اور ان کے
ان رابطے کے فرائض بھی انجام دے رہا تھا۔ اس کے ذریعے ہی یہ لوگ ملک صاحب سے
ناجائز کام نکلوایا کرتے تھے۔ شاید براہ راست اپنے اور ان کے درمیان ملک صاحب رابطہ
نہیں کرتے تھے۔

"کنجروں کی دکھتی رگ" پر ہاتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا' ارسلان نے----!!"

"کیا بات ہے حضور! کوئی پریشانی آن پڑی ہے کیا؟ ہمیں حکم دے کر دیکھیں۔" اس نے
نازنین کو جھٹکے سے اپنے اوپر گراتے ہوئے کہا۔

"نہیں! بس.....!" وہ جھجکنے کی اداکاری کر رہی تھی۔

"نازنین! کھل کر بات کرو۔ آخر مسئلہ کیا ہے؟"

"دراصل تم تو جانتے ہی ہو' آج کل بازار کے حالات کیسے ہیں۔ آئے روز پولیس والے
تنگ کرتے ہیں۔ جاوید ملک صاحب کے ذریعے ذرا ان لوگوں کو سیدھا رکھتا تھا۔ ہم غلط لوگ
نہیں ہیں ارسلان باؤ----!" اس کا لہجہ بدلنے لگا تھا۔

"قسمت نے اس بازار میں پہنچا دیا ہے۔ ہم کوئی پیشہ ور لوگ نہیں' خاندانی لوگ ہیں۔ تم جانتے ہو اس کوٹھے پر کوئی اوباش آدمی قدم نہیں دھر سکتا۔ پولیس کا اس طرف آنا ٹھیک نہیں---- سنا ہے نیا ڈی ایس پی آیا ہے۔ کچھ زیادہ ہی "ہتھ چھٹ" لگتا ہے۔ کل بی بی نے اپنے میراثی کو تھانے "سلام" کرنے بھیجا تھا لیکن اس نے بی بی کا بھیجا نذرانہ قبول کرنے کے بجائے الٹا میراثی کو بے عزت کر کے نکال دیا---- صبح انسپکٹر آیا تھا بی بی کے پاس۔ اللہ بھلا کرے بے چارے کا' ہمارا بہت خیال رکھتا ہے۔ اس نے بی بی سے کہا تھا کہ آئندہ براہ راست کچھ بھیجنے کی جرات نہ کرنا۔ آدمی بڑا ہوشیار ہے۔ تمام کوٹھوں والے کونسٹر کے ذریعے ہی اس سے "صاحب سلامت" رکھتے ہیں۔" اس نے رک کر گہرا سانس لیا۔

"تم بھی کونسٹر کے ذریعے.....!" ارسلان نے کچھ کہنا چاہا۔

"یہی تو مصیبت ہے----! نازنین اس کی بات کاٹ کر بولی---- "تم نہیں جانتے بی بی مر جائے گی لیکن اس کونسٹر کے منہ نہیں لگے گی۔ وہ حرامی یہی تو چاہتا ہے کہ ہم اس کی چوکھٹ پر پہنچ کر سجدہ ریز ہوں' ہاں--- انسپکٹر کہہ رہا تھا کہ اگر ملک صاحب ڈی ایس پی کو کہہ دیں کہ کسی کی ہمت نہیں کہ مختاراں بائی کے کوٹھے کی طرف آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکے لیکن ملک صاحب کو براہ راست کچھ کہنے کی ہمت غریبوں میں تو نہیں ہے۔"

اس نے پریشان ہونے کی اداکاری کی۔

"بس اتنی سی بات ہے---- ارے تم فکر ہی نہ کرو۔ میری جان! میں تمہیں خود ملک صاحب کے پاس لے جاؤں گا اور اس ڈی ایس پی صاحب کو وہیں بلا کر تمہارے سامنے کرواؤں گا---- پھر تو بات ہوئی ناں----!" اس نے نازنین پر ندیدے کتوں کی طرح جھپٹتے ہوئے کہا۔

"تم کتنے عظیم ہو ارسلان باؤ----!" نازنین اس پر مٹی جا رہی تھی۔ اس نے اپنی "خاندانی شرم و حیا" کو مکمل ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چند منٹ میں ہی ارسلان کو عیش و نشاط کی ان وادیوں میں پہنچا دیا کہ اس کا رواں رواں سرشار ہو کر مستی سے ناچنے لگا۔

یہ معرکہ سر کرنے کے بعد اس نے خود کو سنبھالا اور مسکراتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"میں کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔"

"یہ لو---- کسی کو بھیج کر منگوا لو۔"

ارسلان نے پانچ سو کا نوٹ نکال کر اس کو تھما دیا۔ اس کو اپنا وجود ہوا میں اڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ صوفے پر ٹیک لگائے وہ آنکھیں بند کیے مدہوشی کے سے عالم میں بیٹھا تھا جب نازنین کی ماں مختاراں بائی اندر داخل ہوئی۔

اس نے کمرے میں قدم رکھنے سے پہلے ہی ارسلان کی بلائیں لینا شروع کر دی تھیں۔ ایک ایک فقرے سے ہزار ہزار مطلب ادا کرتی وہ باؤ ارسلان پر مٹی جا رہی تھی اور اس کے اتنے دن نہ آنے پر زبردست شاکی تھی۔

"بی بی! تم بے فکر ہو جانا۔ ملک صاحب اپنے بندے ہیں۔ کوئی کام ہو تو بلا جھجک بتانا--- بی بی اگر تمہارا کام نہ کروا سکے تو یہ شہر چھوڑ جائیں گے۔" اس نے شراب کا گلاس ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔

بی بی نے اس کے لیے خاص طور سے پیگ تیار کیا تھا۔ دونوں نے اگلے روز ہی ملاقات کا وقت طے کر لیا۔ ارسلان نے کہا تھا کہ وہ انہیں فون کر کے بتا دے گا۔

میراثی کھانے کا خوان اٹھائے کمرے میں آ رہا تھا۔ اس کے تعاقب میں آ رہی تھی نازنین----!

اپنے ناز و ادا کی بجلیاں گراتی---- شراب اور شباب کے نشے نے ارسلان کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا تھا۔

بی بی اٹھ کر چلی گئی۔ میراثی اپنا انعام لے کر رخصت ہو گیا۔ دونوں نے کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آرام کرنے چلے گئے۔ صبح تک نازنین نے اس کے ساتھ ایسے ایسے داؤ پیچ کھیلے کہ اب اس کے لیے نازنین کے کسی حکم کی سرتابی کی مجال ہی نہیں تھی۔

○ ○ ○

تیسرے دن شام کو وہ نازنین اور مختاراں بائی کو ملک صاحب کے حضور "سلام کروانے" لے جا رہا تھا۔ یہ لوگ ملک صاحب کے لیے اجنبی نہیں تھے لیکن آج تک براہ راست ملک صاحب کے سامنے آنے کی جرات انہوں نے نہیں کی تھی حالانکہ "برے بھلے وقت" میں ملک صاحب کے حکم پر مختاراں بائی ہی ان کے لیے مال سپلائی کیا کرتی تھی۔

مختاراں بائی پر ارسلان کا پہلا حملہ ہی بڑا زور دار تھا۔

جاوید نے شاید اس خوف سے دونوں پارٹیوں کو آپس میں نہیں ملایا تھا کہ کہیں درمیان سے اس کا پتہ ہی نہ کٹ جائے اور یہ لوگ اسے مکھن سے بال کی طرح نکال کر الگ رکھ دیں۔

لیکن----!

ارسلان کو کوئی ایسا خوف یا فکر دامن گیر نہیں تھا۔

وہ جب چاہتا' بازی کو الٹ سکتا تھا---- اسے جوڑ توڑ کی سیاست کی خاصی سمجھ آنے

گئی تھی۔

"کیا حال ہے مختاراں بائی! ارسلان تمہاری بڑی سفارش کرتا ہے۔ کیا جادو کر دیا ہے لڑکے پر؟" ملک صاحب نے انہیں اپنے خاص ڈرائینگ روم میں طلب کیا تھا اور یہاں وہ ایک مکمل بدلا ہوا انسان تھا۔۔۔۔!

مختاراں بائی اور اس کی بیٹی نازنین نے ملک صاحب کو اتنا جھک کر اور مغلیہ انداز سے فرشی سلام کیا تھا کہ ارسلان کو خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

دونوں ماں بیٹی نے اپنے جسمانی خطوط کی نمائش میں ایک دوسری کو مات دینے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔

"ارے ادھر آؤ شہزادی تم کہاں جا رہی ہو؟" ملک صاحب نے للچائی ہوئی نظروں سے نازنین کے جسمانی خطوط کو گھورا اور اپنے نزدیک بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"شکریہ جناب! ہم اس قابل کہاں ہیں؟" نازنین جو کچھ ارسلان کے سامنے کیا کرتی تھی' وہی تاریخ اب ملک صاحب کے سامنے دہرائی جا رہی تھی۔

"بھئی ہم تمہیں بنائیں گے اس قابل۔"

ملک صاحب اپنی جگہ سے جھومتے ہوئے اٹھے اور نازنین کا بازو پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔

"آ..... تم جاؤ بیٹا۔ شام کو چھوڑ آنا ان لوگوں کو.....!"

ملک صاحب نے اچانک ہی ارسلان کی موجودگی کو کباب میں ہڈی جان کر اسے کہا تھا۔

ارسلان کو آج زندگی میں پہلی مرتبہ بڑی شدت کے ساتھ اپنی بے عزتی کا احساس ہوا تھا۔ اسے نازنین پر بہت غصہ آ رہا تھا جو ملک کے پہلو میں یوں چمٹ کر بیٹھی تھی جیسے ارسلان کے پہلو میں بیٹھی ہو۔

○ ○ ○

بڑے جبر سے اس نے اپنے چہرے کے تاثرات چھپائے اور بے شرمی سے دانت نکالتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

یہ ملک صاحب کی رہائش گاہ تھی جہاں بہت خاص قسم کے لوگوں کو ہی قدم رکھنے کی اجازت ملا کرتی تھی۔ یہاں ان کی نو بیاہتا بیوی رہتی تھی۔ یہ ملک صاحب کی "آن دی ریکارڈ" تیسری شادی تھی جو انہوں نے اپنی بیٹی کی عمر جتنی ایک استانی سے رچائی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ

ملک صاحب کی موجودہ بیوی کسی سفارش کے لیے ملک صاحب کے کسی گرگے کے ذریعے ان سے ملی اور ملک صاحب حسب عادت اسے "معمول کا شکار" سمجھ کر "کھیلا" تھا لیکن یہ کھیل [illegible] مہنگا پڑا استانی نے دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اسے اپنی بیوی کی حیثیت سے قبول نہیں [illegible] تو وہ انہیں ننگا کر دے گی۔

"ملک صاحب! میں تو مٹ ہی چکی ہوں لیکن آپ کی داشتہ بن کر زندہ رہنے کی بجائے [illegible] مر جانا پسند کروں گی۔۔۔۔۔ اور ہاں اگر آپ اس چکر میں ہیں کہ مجھے غائب کروا دیں تو [illegible] جائیں۔۔۔۔ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو آپ کے اور میرے ناجائز تعلقات کی کہانی ملک کے [illegible] اخبارات میں چھپ جائے گی۔ میں نے اس کا بندوبست کر لیا ہے۔"

اس نے ایک روز ملک صاحب کی خواب گاہ میں لیٹے ہوئے انہیں دھمکی دی تھی۔

ملک صاحب نے دنیا دیکھی تھی۔۔۔۔!

وہ بات کرنے والے کا وزن کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بھونکنے اور [illegible] والے کتوں میں کیا فرق ہوتا ہے۔ وہ تو خود ایک ایسی ہی "سیکرٹری نما بیوی" چاہتے تھے [illegible] کے ساتھ سوشل تقاریب میں شرکت کر سکیں۔

آئے روز انہیں غیر ملکی سفارت خانوں میں مختلف تقاریب میں شرکت کرنا ہوتی تھی اور [illegible] سوسائٹی سے وہ اپنا تعلق جوڑ چکے تھے وہاں بوڑھے سیاستدانوں کی نوجوان بیویاں ان کے [illegible] ترقی کے ایسے زینے بن جایا کرتی تھیں جن کے ذریعے وہ سالوں کا سفر دنوں میں طے کر لیا [illegible] تھے۔

ملک صاحب سیاست کے ہر میدان میں اپنے پاس مضبوط گھوڑے رکھتے تھے لیکن "[illegible] لائف" کے لیے کسی جاندار گھوڑی کی کمی وہ شدت سے محسوس کرتے تھے۔

ایسی دلیر اور بے باک عورت ان کے بہت سے کام آسان کر سکتی تھی۔ جس جرأت سے [illegible] نے ملک صاحب کو چیلنج کیا تھا اس "ادا" نے ملک صاحب کو اپنا گرویدہ بنا دیا۔۔۔۔! انہوں [illegible] بڑی خاموشی سے ایک سادہ سی تقریب میں نکاح پڑھوا لیا۔

اس شادی کا انکشاف ایک اخبار کے رنگین صفحات پر اچانک ہی ملک صاحب اور ان کی [illegible] نو بیاہتا بیوی کے مشترکہ انٹرویو سے ہوا جس میں مسز ملک نے کہا تھا کہ ملک صاحب کی سیاسی [illegible] خدمات کی وجہ سے ان پر لٹو ہو گئی تھی اور اس نے ملک صاحب کے "عظیم مشن" میں ہاتھ [illegible] بٹانے کے لیے ان کے ساتھ شادی کی ہے۔ ملک صاحب نے کہا تھا کہ انہیں مسز ملک کے جذبہ [illegible] خدمت نے بہت متاثر کیا اور انہیں زندگی میں بہترین سماجی اور سیاسی رفاقت میسر آئی ہے۔ [illegible] دونوں میاں بیوی پہلے سے بڑھ کر قوم کی خدمت کریں گے۔

مسز ملک غریب گھر کی پڑھی لکھی اور ہوشیار لڑکی تھی۔ اس نے غربت کے ماحول میں جنم لے کر زندگی کو اپنی دہلیز پر سجدہ ریز کرنے کے خواب دیکھے تھے۔ وہ بھی کسی ایسے ہی "پائیدان" کے چکر میں تھی جس پر پاؤں رکھ کر وہ کامرانیوں کی سپر ایکسپریس میں سوار ہو سکے۔

دونوں اپنی اپنی جگہ داؤ کھیل کر ایک دوسرے کو بیوقوف اور خود عقل مند سمجھ رہے تھے۔

دونوں ---- ہی اپنی دانست میں ایک دوسرے کو "شکار" کر چکے تھے۔

مسز ملک کی نظریں ملک صاحب کی شہرت سے زیادہ ان کی دولت پر تھیں۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے نہ صرف یہ کوٹھی اپنے نام لکھوائی تھی بلکہ اپنا الگ اکاؤنٹ بھی کھول لیا تھا اور آج کل تو الیکشن نزدیک ہونے کی وجہ سے وہ صوبائی سیاسی لیگ کی خواتین برانچ میں بھی خاصی سرگرم تھیں۔

اپنے گھر میں کسی طوائف کی آمد کو مسز ملک نے نیک شگون نہیں جانا تھا۔ وہ ملک صاحب کی ہر حرکت سے باخبر رہنا چاہتی تھی۔ پردے کی اوٹ سے اس نے ارسلان کی بے بسی کا نظارہ کر لیا تھا اور اس کی جہاندیدہ نظروں نے ارسلان اور طوائف زادی کے "تعلق" کی سنگینی بھی محسوس کر لی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے بہتر مستقبل کا انحصار اس کی بہتر "باخبری" پر ہے۔

○ ○ ○

"ٹھہرو----!"

ارسلان کو اچانک ہی پشت سے آنے والی نسوانی آواز نے چونکا دیا۔

"جی----!" اس نے گردن موڑی تو مسز ملک سامنے کھڑی تھی۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں----!" مسز ملک نے لگی لپٹی رکھے بغیر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

ارسلان کے اندر کا شیطان انگڑائی لے کر جاگ اٹھا۔

"وہ مارا!" اس کا دل بلیوں اچھلا۔

"اچھا ملک صاحب تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ تمہارے نزدیک کیا انسانوں کی قیمت کتے بلی جتنی بھی نہیں۔ سالا! نازنین پر بھی قبضہ جما لیا---- جیسے میری اپنی کوئی زندگی ہی نہیں' جیسے میں اس کا زر خرید غلام ہوں---- میں دیکھوں گا ملک صاحب کہ تم میرا کیا بگاڑ لو گے----

---- میں اس گستاخی کی قیمت بہرصورت ادا کرنی ہو گی----!" وہ خود کو سمراٹ اکبر سمجھنے لگا۔

○ ○ ○

"فرمایئے----!" اس نے مسز ملک کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

اتنے نزدیک سے اس نے پہلی مرتبہ انہیں دیکھا تھا۔ اس کے حسن اور ذہانت کے چرچے سن کر ارسلان بھی یہی سوچا کرتا تھا کہ ملک صاحب نے ضرور اس کو بھی بلیک میلنگ سے قابو کر رکھا ہے---- ورنہ ایسی خوبصورت اور ذہین عورت کو اس بڈھے کھوسٹ کے کھونٹے سے بندھے رہنے کا شوق کیوں کر ہونے لگا۔

"تم ارسلان ہو؟"

اچھا میرا نام بھی جانتی ہے۔ عورت ہوشیار معلوم ہوتی ہے۔ اس نے سوچا۔

"جی!"

"مجھے جانتے ہو؟" اس نے ایک خاص ادا سے ماتھے پر گری لٹوں کو ہٹایا۔

"جی! آپ مسز ملک ہیں۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" اس نے ارسلان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

وہ سحر زدہ معمول کی طرح اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اپنی خواب گاہ کے دروازے پر رک کر اس نے دروازہ کھولا۔

"ادھر آ جاؤ۔"

"جی----!" وہ ٹھٹک کر رک گیا۔

اچانک ہی ملک صاحب کی دہشت اس کے راستے کی دیوار بن گئی۔ اگر ملک صاحب کو پتہ چل گیا؟ اس نے سوچا اور لرز کر رہ گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہ میرا اور تمہارا معاملہ ہے۔ ملک درمیان میں نہیں آئے گا۔" مسز ملک نے اس کے دل کا چور پکڑ کر اسے تسلی دی۔

"میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔" اس نے ارسلان کی مردانگی پر للکار لگائی۔

"اچھا یہ بات ہے!" اس نے دل ہی دل میں کہا اور اندر داخل ہو گیا۔

"وہ رات سے پہلے کمرے سے باہر نہیں نکلے گا اور رات کو بھی صرف اس طوائف کی ماں باہر آئے گی تاکہ تم اسے واپس اس بازار میں چھوڑ آؤ جہاں سے لے کر آئے تھے۔"

مسز ملک ماہر نفسیات کی طرح اس کی مردانگی پر مسلسل ضربیں لگا کر اس کے لاشعور میں تڑپتی انتقام کی حسن کو ہمیز لگا رہی تھی۔

"میں اتنا بزدل بھی نہیں جتنا آپ نے سمجھ لیا----!" اس نے حوصلہ دکھایا۔

"اس گھر میں صرف ایک نوکرانی کام کرتی ہے یا پھر ایک باڈی گارڈ۔ دونوں میرے بندے ہیں---- بے فکر رہنا۔ اپنے ذہن کو سکون دے لو---- میں تم سے جو بات کروں گی مکمل رازداری اور طمانت کے ساتھ کروں گی---- گھبرانا نہیں---- ممکن ہے تمہارے عزیز ملک کسی وحشی درندے کا نام ہو لیکن تم نے سرکس میں اس شیر کو دیکھا ہو گا جس کے منہ میں بکری کی گردن دے دی جاتی ہے اور وہ کچھ نہیں کر پاتا۔"

ایک لمحے کے لیے رک کر مسز ملک نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"سگریٹ پیتے ہو-----؟" اس نے سگریٹ کی ڈبیا سے ایک سگریٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"جی نہیں۔"

"گدھے ہو تم--- شراب پی لیتے ہو سگریٹ نہیں پیتے"۔ مسز ملک نے لائیٹر سے اپنا سگریٹ سلگا کر ڈبیا میز پر پھینک دی۔

ارسلان سمیریزم زدہ معمول کی طرح اس کا مطیع ہو رہا تھا۔

"یہ سارا کمال ٹریننگ کا ہوتا ہے---- بے فکر رہو میں نے اپنے معاملات کی حد تک اس شیر کے دانت نکال دیئے ہیں۔ وہ میرے سامنے صرف سرکس کا شیر ہے---- اور بس!"

مسز ملک نے چند منٹ میں اس کے لاشعور سے ملک صاحب کا خوف اکھاڑ کر باہر پھینک دیا تھا۔

"دیکھو ارسلان! میرا اور تمہارا ایک رشتہ ہے' بہت مضبوط رشتہ۔" اس نے سگریٹ کے دھوئیں سے مرغولے بناتے ہوئے کہا۔

ارسلان نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مظلومیت کا رشتہ' میں اور تم دونوں بہت مظلوم اور زخم خوردہ ہیں۔ مجھے تمہارے ماضی کا پورا علم ہے۔ شراب کے نشے میں ملک نے تمہارے متعلق سب کچھ مجھے بتا دیا تھا۔ وہ خود ہی بولنے لگا تھا۔ میں نے نہیں پوچھا۔ میں تو تمہیں تب تک جانتی بھی نہیں تھی---- پھر میں جان گئی کہ تمہیں جکڑے رکھنے کے لیے اس نے کون کون سا حربہ استعمال کیا لیکن یہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں تھی۔ اس دنیا میں ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ شاید کمزور دل کے لیے یہ دنیا بنی ہی نہیں---- بہرحال ہم چاہیں تو ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں کیونکہ ہم دونوں کا

ا تقریباً ایک جیسا ہے---- زندگی کی دوڑ میں تم بھی آگے بڑھنا چاہتے ہو اور میں بھی لیکن ہم الگ الگ سمتوں میں بھاگ رہے ہیں----!!"

ارسلان مبہوت اس کی باتیں سن رہا تھا۔

یہ عورت اس کے لیے مکمل ناقابل سمجھ تھی۔

اس نے ارسلان کو موقعہ ہی نہیں دیا تھا کہ وہ اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکتا۔ نداز جسم والی سانولے رنگ کی عورت جس کی آنکھوں میں اسے اپنا آپ ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا' بڑے اطمینان سے سگریٹ سلگا کر اس سے باتیں کر رہی تھی۔

اپنی خواب گاہ میں تمام خدشات اور خوف سے بے نیاز اس عورت میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو اسے دوسروں سے الگ اور ممتاز کر رہی تھی۔ ارسلان نے ملک صاحب کا دامن چھوٹنے کے بعد اب تک عورت کا گو کہ ایک ہی روپ دیکھا تھا' اس روپ کی بے شمار عورتوں سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔

لیکن----!

ایسا کچھ تھا جو ارسلان کو اس کی عزت کرنے پر مجبور کرتا تھا۔

"یہ جو طوائف ملک صاحب کو ملنے آئی ہے اس کا نام کیا ہے؟"

اب وہ مطلب کی بات پر آ گئی۔

"نازنین---- یہ مشہور طوائف مختاراں بائی کی بیٹی ہے۔" ارسلان نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہہ دیا۔ "ایک بیوی ہونے کے ناطے آپ کو اپنے شوہر کی پرائیویٹ لائف میں جھانکنے کا حق تو حاصل ہے۔ میں اس حق کو چیلنج نہیں کرتا لیکن معاف کیجئے ایسا پہلی مرتبہ تو نہیں ہوا۔ یہ آپ بھی جانتی ہیں کہ ملک صاحب عورتوں سے کچھ زیادہ ہی شغف رکھتے ہیں۔" اس نے بھی ٹانا شروع کر دیا تھا۔

"اچھا سوال کیا ہے تم نے---- لیکن اس سے پہلے ملک صاحب کا "ضرورت مند نازنین" سے ہی واسطہ رہا ہے---- جیسے میں---- کسی پیشہ ور طوائف نے آج تک اس گھر کی دہلیز پر قدم نہیں رکھا اور یہ لوگ "ضرورت مند" بھی دکھائی نہیں دیتے۔ اس لیے میرا چونکنا فطری بات ہے۔ مجھے علم ہے تمہیں اس طوائف سے محبت ہے یا پھر اس نے تمہارے ساتھ محبت کا ڈھونگ رچایا ہے۔ میں جانتی ہوں جب نوجوان عورت اور مرد ایک دوسرے کے جسمانی خدوخال سمجھنے لگیں تو اس منافق معاشرے میں اس رشتے کو بھی وہ "محبت" کا نام دے لیتے ہیں۔ "دنیا ہاؤ" میں تمہیں الزام نہیں دے رہی ہوں نہ ہی مجھے کسی بحث میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ ہر آدمی کو اپنے نظریات کے ساتھ جینے کا حق ہے لیکن تم ایک مشرقی مرد ہو۔ اس سے پہلے تم

نے ایک "اچھی عورت" ہما اکبر شیروانی کو ملک صاحب کے ساتھ اپنے تعلقات کی بھینٹ چڑھایا اور اب پھر ملک تمہارے منہ سے نوالہ چھین رہا ہے--- تم آخر کب تک اس بوڑھے سیاستدان کی لاٹھی بنے رہو گے؟"

اس نے اب دوسرا سگریٹ سلگا لیا تھا۔ اس کی بات کے آخری فقرے سے ارسلان کے ذہن کے سارے تار جھنجھنا اٹھے تھے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا---؟ معاف کیجئے مجھے آپ کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ آپ ایک شادی شدہ خاتون ہو کر....."

"یہ ایک سیاسی شادی ہے۔" اس نے ارسلان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میری کہانی تم سے مختلف نہیں لیکن فرق اتنا ہے کہ میں نے عورت ہو کر بھی اپنے لٹنے کی قیمت وصول کر لی اور تم مرد ہو کر بھی....." اس نے بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

"ٹھہرو میں تمہارے لیے کچھ پینے کو منگواؤں۔ اتنا کہہ کر وہ ارسلان کو چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

شاید اسے تنہائی میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا موقعہ دینا چاہتی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے ارسلان کی مردانگی پر آخری اور جان توڑ حملہ کیا تھا۔

واقعی وہ اس حملے سے نہ سنبھل سکا۔

اس نے سوچا۔ مسز ملک نے کتنی صحیح بات کہہ دی۔ ملک کا "ہتھ ٹھوکا" بن کر اس نے زندگی میں کیا کچھ نہیں کھو دیا تھا۔ اپنا گھربار' ماں باپ' بہن بھائی' ہما اکبر شیروانی' اپنا کیریئر حتیٰ کہ اپنا آپ بھی--- وہ اب ایک عام شہری نہیں تھا' قانون کا باغی' قانون کو مطلوب----!

کب تک اس کے جرائم پر پردہ پڑا رہے گا۔

کب تک وہ اپنی آنکھوں سے اپنے لٹنے کا تماشہ دیکھے گا۔

"ٹھیک ہے----!" اس نے سوچا--- "ملک صاحب نہیں تو مسز ملک ہی سہی۔ یہاں کم از کم برابری کی بنیاد پر تو معاملہ چلے گا۔ وہاں تو وہ اپنی مرضی سے کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر تو یہ بات تھی کہ وہ یہاں "مجبور محض" نہیں تھا۔

○ ○ ○

مسز ملک کی واپسی چائے کی ٹرالی کے ساتھ ہوئی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر اسے پیش کی تھی۔

"مجھے امید ہے کہ تمہارا فیصلہ جس ہو گا جو ایک عقل مند انسان کا ہونا چاہیے۔ تم [illegible] لیے کام کرو۔ میری اپنی سیاسی پارٹی ہے' اس کے لیے کام کرو۔ تمہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ میرا اور ملک کا رشتہ کیا ہے۔ تم یہی سمجھو کہ اب تمہارا اور میرا تعلق کیا ہے-----؟ اس تعلق کو ہم دونوں اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر مضبوط کرتے رہیں گے۔ اس میں تمہیں یہ ضرور یقین دلاتی ہوں کہ کامیابیوں میں تمہارا اور میرا حصہ ففٹی ففٹی ہو گا -- میں اس کا گھپلا نہیں کروں گی۔ غنیمت کی تقسیم ایمانداری سے ہو گی----!" اس نے چائے کا گھونٹ حلق میں انڈیلا۔

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟" ارسلان نے پوچھا۔

"شاباش! فی الحال تم دو ماہ کے اندر کام شروع کر دو گے۔ تین روز بعد بھارتی سفارت خانے کی ایک تقریب میں ملک شامل ہو گا۔ اس مرتبہ تم بھی وہاں جاؤ گے۔ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا' زبان بند۔ تمہیں بہت کچھ دیکھنے سننے کو ملے گا۔"

"اور دوسرا کام----؟"

"نازنین کو تیار کرو۔ ملک اس کی بوٹیاں ابھی کچھ روز مسلسل نوچے گا۔ اس دوران اگر وہ ہماری مدد کرے اور شراب کے نشے میں دعوت ملک صاحب کے ساتھ تصاویر بنانے میں مدد کرے تو اسے منہ مانگی قیمت مل جائے گی----!

ٹھہرو--- ابھی کچھ نہ کہنا۔ یہ پروفیشنل لوگ ہیں۔ دولت کے لیے سب کچھ کر گزرنے پر تیار---- اسے اتنی بڑی آفر دینا کہ اس کے پاس "ناں" کی گنجائش ہی نہ رہ جائے۔

"مثلاً---- کتنے تک-----؟" ارسلان نے بڑے پر سکون لہجے میں پوچھا۔

"ایک لاکھ دو لاکھ!"

"میں جانتا ہوں اتنی رقم کے لیے وہ ملک صاحب کو زہر دینے پر راضی ہو جائے گی لیکن اتنی رقم کیا اسے ....."

"کون بیوقوف اتنی رقم اسے دے گا اتنے معمولی کام کے لیے---- اسے تو وہی ملے گا جو ایڈوانس دے دو گے۔ اس کے بعد جب اس کی تصاویر ملک کے ساتھ بن جائیں گی تو اس کی جرأت نہیں کہ باقی رقم طلب کر سکے اور سب سے بڑی بات کہ پھر وہ کبھی تمہارے چنگل سے بھی نہیں نکل سکتی کیونکہ وہ پھر اس کھیل کی فریق بن چکی ہو گی۔"

ارسلان کا سر چکرا کر رہ گیا----!

اتنی ہوشیار عورت تھی یہ---- اور کتنی لاپرواہی سے بات کر رہی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا مسز ملک کے ساتھ مل کر کام کرنے کا---- اپنی محرومیوں کا بدلہ لینے کا۔ مکر و فریب

اور ریاکاری کے جس طلسم ہوشربا میں وہ داخل ہو چکا تھا' اس کے تمام اصول اور ضابطے ارسلان پر بھی اسی طرح نافذالعمل تھے جیسے اس دنیا کے دیگر کنجوں پر۔۔۔۔!

اس دنیا کا اپنا "کوڈ آف کنڈکٹ" تھا۔۔۔۔!

اس "کوڈ آف کنڈکٹ" کی پاسداری اس پر لازم تھی۔

قربانی کے بکرے

چوہدری غلام رسول اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس کا دماغ خراب ہوا اور اس نے ان ایس پی کی حیثیت سے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اپنے علاقے کے ایک ہیروئن ڈیلر کو گرفتار کر کے اس کے قبضے سے اچھی خاصی ہیروئن کی مقدار بھی برآمد کر لی تھی۔ اسے علم نہیں تھا کہ یہ شخص "اوپر تک" جا سکتا ہے۔

پہلی سفارش ہی مقامی ایم این اے کی آئی لیکن چوہدری غلام رسول کوئی ایسا گرا پڑا پولیس افسر نہیں تھا کہ وہ ایم این اے سے دب جاتا۔ یہاں تو وزیروں کی فوج موجود تھی جن کو وہ کچھ سمجھتا نہیں تھا۔ پرانا پولیس افسر ہونے کے باوجود وہ اندازہ نہ لگا سکا کہ یہ ایم این اے ذرا "مختلف ٹائپ" کا تھا جس نے راتوں رات چوہدری صاحب کو تارے دکھا دیئے۔

اگلے روز جب ایس ایس پی کے ہاں پیشی ہوئی تو چوہدری صاحب نے اپنی دانست میں بڑا ٹھوس کیس تیار کر رکھا تھا لیکن وہ حیران رہ گیا جب یہاں متعلقہ مسئلہ پر اس سے کچھ پوچھا ہی نہیں گیا۔

"تمہاری خدمات انٹیلی جنس بیورو کو سونپی جا رہی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم جیسے لائق اور ایماندار افسر وہاں بھی اپنے محکمے کی عزت پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔" اس سے پہلے کہ چوہدری غلام رسول کچھ کہتا' ایس ایس پی نے فون پر ایک نمبر گھمانا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی گھنٹی بجا کر اپنے گارڈ کو اندر بلا لیا۔

"میاں صاحب کو بھیج دو۔" انہوں نے گارڈ کو حکم دیا۔

چوہدری صاحب نے ان میاں صاحب کو آج دوسری مرتبہ دیکھا تھا۔ پہلی مرتبہ وہ ایم این اے صاحب کا حکم لے کر آئے تھے اور آج دوسری مرتبہ اس وقت نظر آئے جب چوہدری صاحب "بدل" ہو چکا تھا۔

میاں صاحب نے ایس ایس پی صاحب کو تو صرف سلام کیا تھا مگر چوہدری غلام رسول

سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کر کے اس کی خیریت بھی دریافت کر لی تھی۔

چوہدری کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس سنکھی سی عفریت کا ٹینٹوا دبا دے۔ اس نے کہا جا۔ والی نظروں سے میاں صاحب کو گھورا اور سلیوٹ مار کر باہر نکل گیا۔

اسے چارج سنبھالے آج تین مہینے ہونے کو آئے تھے لیکن اس دوران سوائے چ "فورٹ نائٹلی" (پندرہ روزہ خفیہ رپورٹ) لکھنے کے اس نے اور کچھ نہیں کیا تھا۔ "سٹوڈنٹس ونگ" اسے بڑا گیا تھا۔ ایک انسپکٹر اور تین چار ماتحتوں کے ساتھ اسے حکم دیا گیا تھا کہ طلبا سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

چوہدری غلام رسول نے پولیس میں حکومت کرنے کے ڈھنگ سیکھے تھے۔ وہاں دن میں جانے کتنے مرتبہ رعب جھاڑنے اور اپنی انا کو تسکین دینے کے مواقع میسر آتے تھے۔ چوہدری صاحب کو شاہدی اپنی پولیس سروس کے درمیان سبزی، گوشت اور فروٹ خریدنے کی نوبت آ ہو گی۔

مگر یہاں گنگا الٹی بہہ رہی تھی۔

جب سے چوہدری صاحب آئی پی میں آئے تھے، گھر کی رونقیں ہی اجڑ کر رہ گئی تھیں۔ کوئی سابقہ ماتحت اچانک سامنے آ جاتا تو سلام دعا ہو جاتی ورنہ تو کوئی انہیں ملنے بھی نہیں آ تھا۔ ایک وہ دور تھا جب یہ لوگ قطار باندھ کر ان کے گھر سے باہر دست بستہ کھڑے ہوتے تھے۔ اب تو بڑی گوشت کے لیے بھی مسز چوہدری کو نوکر بھیجنا پڑتا تھا۔ پھر حالت یہ ہو گئی کہ نوکر کی ہیرا پھیری سے تنگ آ کر وہ خود بازار جانے لگیں۔

اس روز چوہدری غلام رسول سرکاری عمال کو دل ہی دل میں کوستے ہوئے انسپکٹر کی رپورٹ پر دستخط کر رہا تھا جب اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ فون کو گالی دے کر انہوں نے بڑی بے دلی سے ہیلو کہا۔

پھر----!

ان کے ماتحت حیران رہ گئے جب چوہدری صاحب اچانک ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ان لوگوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا تھا۔

فون پر کوئی "اہم مرکزی شخصیت" اس سے مخاطب تھی۔ اس شخصیت نے چوہدری غلام رسول کو سرکٹ ہاؤس میں ملاقات کے لیے طلب کیا تھا۔ چوہدری صاحب نے دل ہی دل میں جانے کتنی مرتبہ سجدہ شکر گزارا کہ کسی اہم شخصیت کو ان کا خیال تو آیا۔

○ ○ ○

سرکٹ ہاؤس میں چوہدری صاحب کا استقبال مرکزی وزیر کے سیکرٹری نے کیا۔ اس نے چوہدری صاحب کو پہلے ہی باور کروا دیا تھا کہ یہ ملاقات بالکل "آف دی ریکارڈ" ہے اور اس معاملے میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔

مرکزی وزیر نے چوہدری صاحب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور انہیں اعتماد میں لیتے ہوئے کہا کہ موجودہ حکومت کی "گڈ بکس" میں ان کا نام موجود ہے۔ اگر وہ اس مہم میں سرخرو ہو گئے تو نہ صرف پولیس سروس میں واپس چلے جائیں گے بلکہ ان کو خصوصی ترقی بھی ملے گی۔

مرکزی وزیر نے انہیں انقلابی تنظیم کے دو نوجوانوں جاوید اور اختر کے کوائف مہیا کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان دونوں کے متعلق فوری رپورٹ چاہیے کہ ان کے ساتھ کیا گزری؟

"آپ کو سرکاری طور پر آج ہی اس کیس پر کام کرنے کے احکامات مل رہے ہیں۔ وجہ صرف اس لیے دی ہے کہ آپ اپنے آدمی ہیں' ضروری نہیں کہ ہر اہم اطلاع فائل پر لائی جائے۔ فائلوں کا پیٹ بھی ضرور بھریئے لیکن ہمارے مشورے کے بعد---- آپ جو اقدام اخذ کریں' جو بھی اہم اطلاع ملے' برائے مہربانی پہلے وہ میرے ساتھ ڈسکس کر لیجئے۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ "آن دی ریکارڈ" کیا آنا چاہیے اور "آف دی ریکارڈ" کیا رہنا چاہیے۔

"آپ کے حکم کی پابندی ہو گی سر!" ڈی ایس پی چوہدری غلام رسول نے آداب گزارتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تعاون کی صورت میں آپ مرکزی حکومت کی طرف سے کمی کے شاکی نہیں رہیں گے----!" وزیر صاحب نے فرمایا۔

"کیوں نہیں جناب! ویسے بھی میرا یہ فرض ہے کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔"

چوہدری صاحب سرکاری موٹر سائیکل پر جس طرح چپ چاپ آئے تھے اسی طرح چپ چاپ لوٹ گئے۔ دفتر پہنچتے ہی انہوں نے اپنے واحد انسپکٹر اکرم کو طلب کر لیا۔

"انقلابی طلباء فیڈریشن کے جتنے بھی "موورس" ہیں ان کی فائل لے آؤ۔ انہوں نے حکم دیا۔

اکرم کی طرف سے مطلوبہ فائل آنے سے پہلے ان کے پاس "تازہ احکامات" پہنچ چکے تھے۔ ایک سرسری نظر اے ڈی صاحب کے احکامات پر ڈال کر اس نے حکم موصول کرنے کے دستخط کر دیئے۔

"اکرم صاحب----!" انہوں نے اپنے انسپکٹر کو مخاطب کیا جو ابھی ابھی فائل لے کر آیا

تھا۔

"جی سر!"

"یہ لیٹر پڑھ لیجئے۔" انہوں نے اے ڈی صاحب کے احکامات اسے پڑھنے کے لیے دے دیئے۔

"ٹھیک ہے جناب۔ سمجھ گیا میں!" انسپکٹر اکرم نے مئودب لہجے میں کہا۔

"اکرم صاحب! یہ ہمارے لیے چیلنج کیس ہے۔ سارے ملک کی نظریں اس پر لگی ہیں اور وقت بھی بہت کم ہے۔" ڈی ایس پی چوہدری نے اسے معاملے کی سنگینی کا احساس دلایا۔

"میں آج ہی کام شروع کرتا ہوں جناب"

"مجھے فوری طور پر ملک صاحب کے نزدیکی لڑکوں کی فہرست چاہیے' جیسے بھی ممکن ہو اور میں سے کسی ایک کو توڑ لو۔ "آؤٹ آف دی وے۔" بھی جانا پڑے تو پروا نہ کرنا۔ فنڈ کی بھی کوئی فکر نہ کرنا۔ مجھے کل صبح تک ملک صاحب کے لڑکوں کی فہرست چاہیے۔ پھر ہم کسی ایک کو منتخب کر کے کام کریں گے اور ہاں اپنے سب انسپکٹر کو اغوا شدہ لڑکوں کے لواحقین کی نگرانی پر مامور کر دو---- لواحقین کے ملاقاتیوں پر کڑی نظر رکھو۔ خاص طور سے اس بات کا خیال رکھو کہ کون کون سی شخصیات ان سے ملتی ہیں---- مجھے بھی اس کیس کی پہلی فائل بھی لا دو۔ پہلے کس نے کام کیا تھا اس فائل پر؟"

"سر انسپکٹر شفیع نے۔"

"کہاں ہے وہ آجکل؟"

"ایبروڈ (غیر ملک میں) سر! جانے کیا کارنامہ انجام دے دیا تھا اس نے۔ اس کیس کے فوراً ہی بعد اس کو سعودیہ بھیج دیا گیا----!" انسپکٹر اکرم نے جلے جلے لہجے میں کہا۔

چوہدری صاحب کو اب کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی----!

"ٹھیک ہے مجھے فائل لا دو اور تم لوگ اپنا آپریشن شروع کر دو۔"

○ ○ ○

انسپکٹر اکرم کو آج پھر کچھ کر دکھانے کا موقعہ ملا تھا۔ اس نے سوچا' نیا افسر ہے اور پولیس سے آیا ہے۔ ممکن ہے اس کی محنت کا احساس کر کے اس کے متعلق کوئی اچھی رپورٹ اوپر بھیج دے اور اسے بھی باہر نکلنے کا چانس مل جائے۔ اس نے انسپکٹر شفیع والی فائل کا ایک ایک لفظ حفظ کر لیا تھا۔ اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ انقلابی طلباء کا "گاڈ فادر" کون ہے۔

اس نے اگلے ہی روز یونیورسٹی کا چکر لگایا اور دوسرے دن چوہدری غلام رسول کے [illegible] اپنی رپورٹ پیش کر دی۔

"اچھا تو یہ "ملک صاحب" ہیں---- ٹھیک ہے تم اغوا ہونے والے لڑکوں کے لواحقین [illegible] ملک کو میں خود دیکھوں گا----!" چوہدری غلام رسول نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اس نے سانپ کے بل میں سر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ انسپکٹر کی اتنی ہمت نہیں کہ اس کے نزدیک ہی پھٹک جائے۔ اسے خود میدان میں اترنا ہوگا۔ تب ہی وہ "سرکار دربار" میں سرخرو ہو گا۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے "انڈین ڈیسک" والے اے ڈی سے رابطہ قائم کیا اور تھوڑی [illegible] بعد وہ اس کے دفتر میں موجود تھا۔

"کیسے چوہدری صاحب کیسے بھول پڑے ادھر----!" اے ڈی نے بیٹھتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ان کے کمرے میں نصب ٹی وی پر "ون ڈے کرکٹ میچ" چل رہا تھا اور "اے ڈی" ادھر منہ کیے ہمہ تن گوش تھے۔

"جناب والا! اگر بھارتی سفارت خانے میں تقریب میں شرکت کرنے والے مہمانوں کی [illegible] مل جاتی تو میں بہت شکر گزار ہوں گا۔" چوہدری غلام رسول نے کہا۔

"ارے چوہدری صاحب! یہ بھی کوئی بات ہے۔"

اے ڈی صاحب نے انٹر کام پر اپنے متعلقہ انسپکٹر کو چوہدری صاحب سے مکمل تعاون کا [illegible] دے کر اسے دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ کرکٹ میچ ایسے سنسنی خیز مرحلے میں داخل ہو چکا [illegible] وہ اب پلک جھپکنے کا خطرہ بھی مول لینے کو تیار نہ تھے۔ چوہدری صاحب کی روانگی کے فوراً [illegible] انہوں نے چپڑاسی کو ہدایت کر دی کہ اگلے حکم تک کسی کو کمرے میں داخل ہونے کی [illegible] نہ دی جائے۔

ڈی ایس پی چوہدری غلام رسول کی باچھیں کھل گئیں جب اس نے بھارتی سفارت خانے [illegible] مہمانوں کی فہرست میں ملک صاحب کا نام دیکھا۔ متعلقہ عملے سے چائے پی کر ان کا [illegible] ادا کر کے وہ باہر آگیا۔

اپنی میز پر پہنچنے تک اس نے پچھلے تمام "رابطے" بھول کر "نیا جہان" آباد کرنے کی ٹھان [illegible] تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کھیل میں ایجنسی کے اور لوگوں کو بھی کودنے کا موقع دے۔

اگلے روز وہ انسپکٹر اکرم سمیت سفارت خانے کے دروازے پر موجود تھا۔ انہوں نے ملک [illegible] ایک نوجوان کی معیت میں سفارت خانے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔

"اسے پہچانتے ہو؟"

انہوں نے انسپکٹر اکرم سے ملک کے ساتھی کے متعلق دریافت کیا۔

"یہ ارسلان ہے جناب! عہدے کے لحاظ سے تو انقلابی طلباء کا جنرل سیکرٹری لیکن ایک نمبر کا غنڈہ۔ مار دھاڑ کرنے والوں کے گینگ کا سردار یہی تو ہے---- ملک کا بہت چہیتا ہے آج کل---- اس سے پہلے غائب ہونے والا لڑکا اختر ملک کا خاص آدمی تھا۔ آج کل یہ ہے۔ اپنی بیوی سے زیادہ ملک اس پر اعتبار کرتا ہے۔"

"گڈا چوہدری غلام رسول نے اکرم کی اطلاعات پر اسے داد دینے کے انداز میں کہا۔

"آؤ واپس چلیں ہمارا آج کا کام ختم۔ تم کل تک اغواء ہونے والوں کے لواحقین کی رپورٹ تیار کر لو۔"

چوہدری نے واپس مڑتے ہوئے اسے کہا۔

دونوں الگ الگ سمتوں میں اپنے اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

○ ○ ○

آدھی رات کو وہ ڈرائنگ روم میں اونگھ رہا تھا جب مختاراں نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

"بیٹا مجھے ذرا چھوڑ آؤ۔ بچی کو ملک صاحب صبح خود پہنچا دیں گے۔"

مختاراں نے شراب کے نشے میں ڈگمگاتے ہوئے ارسلان سے کہا۔

"اس کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ اس حرافہ کا منہ نوچ لے لیکن حالات نے اسے منافقت اور مصالحت کے ایسے ہتھیاروں سے لیس کر دیا تھا کہ اب اس کے اپنے جذبات کی کوئی حیثیت رہ ہی نہیں گئی تھی۔

"بی بی خوش تو ہو ناں؟" اس نے بے شرموں کی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ تو نے تو ہم غریبوں کی قسمت کا دروازہ کھول دیا۔"

مختاراں بائی کے انگ انگ سے خوشی کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ اس نے براہ راست ملک کو قابو کر لیا تھا اور وہ جانتی تھی اب اس شہر میں کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے سر اٹھا کر چلے۔ ملک کے ذریعے وہ بازار میں اپنے حاسدوں کا بالقہ بند کر سکتی تھی۔

گاڑی میں ارسلان اسے گھر تک چھوڑنے آیا تھا۔ سارے راستے اس نے اپنے جذبات کو چھپائے رکھا تھا اور ہنس ہنس کر مختاراں سے باتیں کرتا آیا تھا۔ اس نے مختاراں کو اپنے دلی جذبات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔

روانگی پر اس نے مختاراں کو خبردار کرتے ہوئے کہہ دیا تھا "بی بی ایک بات کا خیال رکھنا اس دروازے تک تمہیں میں نے پہنچایا ہے۔ اختر نے تمہیں ملک صاحب کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ کہیں اپنے اس "رابطے" کو درمیان سے نہ نکال دینا۔ جس پل سے تم گزر کر ملک صاحب کے گھر تک پہنچی ہو' اس پل کے بغیر دریا عبور نہیں کر سکو گی----!"

"ارسلان باؤ! ہم خاندانی کنجر ہیں۔ ایسے گرے پڑے بازاری لوگ نہیں کہ کسی محسن کو بھی یاد نہ رکھیں۔ تمہارے احترام میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ بس ہمارا کام چلتا رہے' تمہارا بھی چلتا رہے گا----!" مختاراں بائی نے اپنے مخصوص کاروباری لہجے میں اس کی بات کا ایک جواب دے کر اسے ہزار معنی سمجھا دیئے تھے۔

○ ○ ○

یہاں سے وہ سیدھا ملک صاحب کے گھر ہی آیا تھا اور ڈرائنگ روم میں ہی سو گیا۔ صبح دیر گئے تک سوتا رہا۔ کسی نے اسے جگایا نہیں۔ جب وہ بیدار ہوا تو ڈرائنگ روم کے ریشمی پردوں پر دھوپ چمک رہی تھی۔ رات کے سارے واقعات کی فلم ایکا ایکی اس کے دماغ میں چلنے لگی۔ اچانک ہی ڈرائنگ روم سے ملحقہ دروازہ کھلا اور ملک صاحب اندر چلے آئے۔ وہ کہیں جانے کی تیاری میں تھے۔

"کیا حال ہے بیٹا-----؟" انہوں نے ایسے دریافت کیا جیسے وہ معمول کے مطابق بات کرتے تھے' جیسے رات اس گھر پر اترا ہی نہیں تھی--- "بھئی تم تو بڑے کام کے آدمی نکلے" ملک صاحب نے اپنی بائیں آنکھ دباتے ہوئے کہا۔ "وہ اختر تو سالا جھک ہی مارتا رہا۔ شاباش بیٹا! دل خوش کر دیا تم نے۔ واقعی تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا ہے۔ تم تو جانتے ہو آج کل میں کتنی زیادہ ٹینشن کا شکار ہوں۔ الیکشن سر پر ہے اور ہر روز دو تین میٹنگوں میں آنا جانا' سیاست میں تو یہی بات ہے اس سیاست سے تنگ آ گیا ہوں۔ یہ تو تم نوجوانوں کی خدمت کا جذبہ ہے جس نے ابھی تک مجھے قائم رکھا ہے---- ہاں! اسے تھوڑی دیر بعد گھر پہنچا آنا اور کل شام تم میرے ساتھ بھارتی سفارت خانے کی دعوت پر جا رہے ہو۔" انہوں نے ارسلان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "ارسلان میاں! تم انقلابی فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری ہو اور اب ہمارا تعارف بین الاقوامی حلقوں میں بھی ہونا چاہیے۔ میں تمہیں سیاست میں اپنا جانشین بنانا چاہتا ہوں۔" بڑی رازداری کے لہجے میں انہوں نے ارسلان کے نزدیک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ ملک صاحب ! آپ نے مجھے کسی ٹینشن سے نکال جانا۔" ارسلان نے انتہائی منافقت کا مظاہرہ کیا۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔ تم یہ رکھ لو۔ میں نے "ان لوگوں" کو "فارغ" کر دیا ہے۔ پھر بھی اپنے ہاتھ سے کچھ بخشیش دے دینا۔ اس طرح یہ لوگ دب کر رہتے ہیں۔"

ملک نے آنکھ دباتے ہوئے نوٹوں کا ایک بنڈل ارسلان کو تھما دیا۔

"کل ادھر گھر پر ہی آ جانا۔ یہیں سے شام کو اکٹھے نکل چلیں گے----!" کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے ارسلان سے کہا۔

"شکریہ ملک صاحب۔ بہت شکریہ۔" اس نے نوٹوں کا بنڈل اپنے کوٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اس گھر کی کوئی چیز اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی غسل خانے کا رخ کر رہا تھا۔ جب وہ نہا دھو کر باہر نکلا تو ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر مسز ملک اس کی منتظر تھی۔

بے ساختہ اس کا ہاتھ ماتھے تک اٹھ گیا۔

"شاباش! تم میں ایک اچھا سیاستدان بننے کی اہلیت موجود ہے۔ کم از کم تم ایک کامیاب انسان ضرور بن سکتے ہو۔ ارسلان! جس شخص کو اپنے دلی جذبات چھپانے اور منافقت سے بات کرنے کا ڈھنگ آ جائے' کامیابی اور کامرانی کے دروازے ایک ایک کر کے اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں۔ شاباش! اس طرح گدھے کو بیوقوف بناتے رہو۔ ایک دن ایسا آ جائے گا جب یہ تمہارے لیے وہ کچھ کرے گا جو کچھ اب تم اس کے لیے کر رہے ہو---- ہاں ناشتہ میرے ساتھ کرنا۔ ذرا اس کتیا کی خبر لے آؤ----!"

مسز ملک کی مسکراہٹ بہت گہری اور جان لیوا ہو رہی تھی۔

سردیوں کی اس روشن صبح کی ساری تازگی اس کے بدن کی سنولاہٹ میں سمٹ آئی تھی۔ اس کا سانولا چہرہ نکھر کر گہرے سرخ رنگ کے دیسی گلاب کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ مسکرانے سے اس کی آنکھیں سارے چہرے پر پھیل جاتی تھیں۔ ان آنکھوں میں اسرار کی تہیں اتنی گہری تھیں کہ ارسلان کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔

"شکریہ مسز ملک!" اس نے نازنین والے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ایک منٹ ٹھہرو۔" مسز ملک نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"میری نصیحت یاد رکھنا۔ اپنے دلی جذبات کا اظہار کبھی نہ کرنا۔ اس عورت کو یہ احساس نہ ہونے دینا کہ تمہیں اس کے رویے سے تکلیف پہنچی ہے۔ کبھی نہیں---- اور ہاں تم مجھے

نہ کہہ سکتے ہو۔" وہ سگریٹ کا کش لگاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"شکریہ!" بے اختیار ارسلان کے منہ سے نکلا۔

○ ○ ○

جب وہ نازنین والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو نازنین آرام دہ بستر سے اٹھ لگائے ٹی وی پر فلم دیکھ رہی تھی۔ ارسلان کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کیا اور ایسی بے قراری سے اٹھ کر اس سے لپٹی کہ ارسلان بھونچکا رہ گیا۔

اس سے لپٹی دو تین منٹ تک ٹسوے بہاتی اور اپنی قسمت کو کوستی رہی۔ اس نے ارسلان سے کہا کہ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ملک صاحب اس قماش کے آدمی ہیں ورنہ وہ کبھی اپنی ماں کے ساتھ یہاں نہ آتی۔

"ارسلان باؤ! اگر میں ذرا سی بھی مزاحمت کرتی تو یہ شخص ہمیں تباہ کر کے رکھ دیتا۔ تم تو جانتے ہی ہو اس کے کتنے لمبے ہاتھ ہیں۔"

"نازنین ! بیوقوف نہ بنو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے کبھی بیوفائی نہیں کرو گی۔ تم بھی میری طرح مجبور ہو۔ میں تو تمہیں یہ بتانے والا تھا کہ یہ ہمارے لیے بہت اچھا ہوا---- تمہارے ہاتھ تو سونے کی چڑیا لگ گئی ہے۔ اگر ہم دونوں مل کر چلیں تو کروڑوں کی یہ آسامی ہمارے ہاتھ آ جائے گی۔ بس ذرا ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ تم نے دیکھ لیا ملک صاحب میری ہر بات مانتے ہیں۔"

اس کا جواب نازنین کے لیے بالکل خلاف توقع تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ ٹھٹک کر ہی رہ گئی۔ شاید وہ فیصلہ کر رہی تھی کہ جو کچھ اس کے کانوں نے سنا ہے' اس پر یقین کرے یا نہ کرے؟ پھر اس نے سوچا کہ ملک صاحب لاکھ ہوشیار چالاک اور بارسوخ سہی' ارسلان بھی کچھ کم نہیں اور عین ممکن ہے کہ وہ اس کی مدد سے ملک پر ہاتھ صاف کرنے کا پروگرام بنا رہا ہو۔ گویا اب وہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت بھی بن گئے تھے۔ ارسلان نے اس کی حریصانہ ذہانت کو بڑے احسن طریقے سے ایکسپلائٹ کیا تھا۔

"ارسلان ! تم میری توقع سے بڑھ کر عظیم نکلے ہو۔" اس نے ارسلان کے ساتھ ہی پلنگ پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"ابھی نہیں۔ اس کام کے لیے ساری زندگی پڑی ہے ہمیں ہر قدم احتیاط سے اٹھانا ہے۔ تم فلم دیکھو میں اندر دوسری فلم دیکھ کر ابھی آیا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو بیل بجا کر میرے سے

طلب کر لینا۔" اس نے آہستگی سے خود کو نازنین سے الگ کرتے ہوئے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

"او کے!" نازنین نے بے ہودہ سی حرکت کرتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی اور ایک مرتبہ پھر اس نے وی سی آر اور ٹی وی کے سوئچ آن کر لیے تھے۔

○ ○ ○

تھوڑی دیر بعد وہ مسز منجمہ کے ساتھ ناشتے کی میز پر موجود تھا۔ مسز ملک نے اسے اپنے ہاتھوں سے ٹوسٹ پر مکھن لگا کر دیا تھا۔

"کل تم ملک کے ساتھ بھارتی سفارت خانے میں جاؤ گے۔ اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھنا لیکن زبان بند۔ یاد رکھنا اس تقریب کے پاکستانی مہمانوں میں انٹیلی جنس کے لوگ بھی شامل ہوں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ ابتدا ہی میں اس حوالے سے تمہاری کوئی فائل کھل جائے۔"

مسز ملک نے واقعی اسے بہت ٹھیک نصیحت کی تھی۔۔۔۔!

"نازنین کو چھوڑ آؤ لیکن آج ہی اس سے بزنس کی بات نہ کر لینا۔ ابھی کچھ دن گزرنے دو۔ پھل کچا بھی اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا زیادہ پکا ہوا۔ اگر تم اعتدال کے ساتھ چلتے رہے تو اپنا مقصد پا لو گے۔۔۔۔۔!" وہ ارسلان کو بچوں کی طرح زندگی کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتی رہی تھی۔

"مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب بھی تمہیں پیسوں کی ضرورت ہو' بلا تکلف میرے پاس چلے آنا۔" اس نے دم رخصت ارسلان سے کہا تھا۔

نازنین کو ارسلان خود چھوڑنے آیا اور گاڑی میں سارے راستے اسے یہی باور کرواتا رہا تھا کہ دونوں اگر چاہیں تو مل کر بہت مال کما سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے دوسرے کے ساتھ دھوکہ کر کے الو سیدھا کرنے کی کوشش کی تو دونوں مارے جائیں گے۔

نازنین واقعی خاندانی کنجری تھی۔ وہ اب ارسلان کا مطلب سمجھنے لگی تھی۔ یوں بھی وہ جانتی تھی کہ مضبوط "چارے" کے بغیر وہ شکار کیسے کھیلے گی؟۔

انٹیلی جنس

اسی روز شام کو دونوں سفارت خانے کی تقریب میں جا رہے تھے۔ مسز ملک نے ایک [illegible] سوسائٹی کے پروگرام میں شرکت کرنی تھی۔ اس نے پہلے ہی ملک صاحب کے سامنے اپنی [illegible] بیان کر دی تھی۔ یوں بھی اب اختر کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا اور ملک صاحب نے [illegible] کو ہی اپنی بیساکھیاں بنانا تھا۔

ملک صاحب کی گاڑی سفارت خانے کے لاؤنج میں پارک ہوئی تو ایک باوردی ملازم نے [illegible] بڑھ کر اس کا دروازہ کھولا اور ان کی رہنمائی اس ہال کمرے کی طرف کی جہاں استقبالیہ [illegible] دیا گیا تھا۔ ڈرائیور تو وہیں رک گیا' دونوں ہال کمرے کی طرف چل دیئے۔

ملک صاحب کی شکل پر نظر پڑتے ہی ایک خوبصورت لڑکی نے مسکراتے ہوئے ہال کا [illegible] دروازہ کھول دیا۔ یہ لڑکیاں بھارت کے مخصوص لباسوں میں ملبوس مہمانوں کا استقبال کر رہی [illegible] ہیں۔ ہال کمرے کا دروازہ کھلتے ہی خوشبو اور رنگ و نور کا ایک سیلاب اس کی آنکھوں نے [illegible] لیتے ہوئے دیکھا۔ یہاں سینکڑوں مرد اور عورتیں جمع تھیں۔ ان میں ملکی و غیر ملکی دونوں قسم [illegible] لوگ موجود تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے جہاں وہ آئے ہیں' وہ کوئی اور ہی دنیا ہے۔ عورتیں اور [illegible] اب دوسرے سے چپکے مختلف کونوں میں کرسیاں سنبھالے بیٹھے تھے۔ مستعد بیرے اپنے ہاتھوں [illegible] مشروبات کی طشتریاں تھامے بھاگے پھر رہے تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا شخص رہا ہو جس کے ہاتھ [illegible] جام نہ ہو۔ خصوصاً ملکی مہمان مفت کی شراب پر یوں ٹوٹ کر گرتے تھے جیسے اسے دوبارہ [illegible] میں یہ کچھ دیکھنا نصیب ہی نہیں ہو گا۔

ہال کے ایک کونے میں بنی سٹیج پر کچھ سازندے بھارتی گیتوں کی دھنیں بجا رہے تھے اور [illegible] ساتی ہندریاں جوڑوں اور ہاتھوں میں گجرے سجائے آنے والوں کی آرتی اتار رہی تھیں۔ [illegible] نے بہت سے مہمانوں کے ماتھے پر تلک بھی سجا دیئے تھے۔ روپہلی ساڑھیوں سے پھسلتے ان [illegible] جسموں سے اٹھنے والی خوشبو کی لپٹیں' ہونٹوں اور آنکھوں میں ناچتی مسکراہٹ نے

مہمانوں کے ایمان ڈگمگا دیئے تھے۔ ہر کوئی ایسی کسی بھی سندر کی چند منٹ کی "کمپنی" کے لیے باؤلا ہوا جاتا تھا۔

سفارت خانے کا مردانہ عملہ ہر آنے والے مہمان کا "سواگت" جی جان سے کر رہا تھا۔ ملک کی نامور طوائفیں جو اب مغنیہ اور فلمسٹار کہلاتی تھیں، یہاں بطور خاص مدعو کی گئی تھیں۔ چوٹی کے سرمایہ دار تاجر، سیاستدان، وکلاء اور ڈپلومیٹس اس مجلس میں موجود تھے۔ نکلی مہمانوں خصوصاً سفارت خانے کی خواتین کے گرد پتنگوں کی طرح بھنبھنا رہے تھے۔ ہر کسی کی خواہش تھی کہ وہ دوسرے سے بڑھ چڑھ کر غیرملکیوں کی توجہ کا مرکز بنے۔

ملک صاحب اور ارسلان نے شراب کے بجائے سافٹ ڈرنکس لیے تھے۔ ملک کی یہ مجبوری تھی کہ وہ اس مجلس میں شراب کے جام کو چھو کر اظہار نوشی کے لیے کوئی کہانی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ الیکشن نزدیک آ رہے تھے اور اسے خود پر جبر کر کے مکمل منافقت کا مظاہرہ کرنا تھا۔ بصورت دیگر ان حالات میں کوئی معمولی سی خبر بھی اس کا سارا سیاسی کیریئر تباہ کر سکتی تھی۔

بھارتی سفیر ملک کی شکل پر نظر پڑتے ہی بھاگتا ہوا اس طرف آیا تھا۔ "ہیلو ملک صاحب کیسے ہیں آپ؟" اس نے ملک سے بے تکلفی سے معانقہ کیا۔ دونوں ایک دوسرے سے خاصے بے تکلف نظر آ رہے تھے۔

"ترپاٹھی صاحب یہ ہیں مسٹر ارسلان!" ملک نے خیر خیریت سے نمٹنے کے بعد ارسلان کا اس سے تعارف کرایا۔ "انقلابی طلباء سٹوڈنٹس کے جنرل سیکرٹری----!"

"اوہو بھئی واہ! مزا آ گیا۔ واہ ملک صاحب کمال کے آدمی ہیں آپ۔ میری تو دلی خواہش تھی کہ ہمارے نوجوانوں کا ایک دوسرے سے رابطہ ہو۔ یہ تو ہمارا سوبھاگیہ ہے جو ارسلان صاحب تشریف لائے۔ مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی ارسلان صاحب۔ آپ ایسے لبرل اور روشن دماغ لوگ اس برصغیر کی واحد امید ہیں۔ میں نے آپ کی سرکار کو متعدد مرتبہ "پرپوزل" دی ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے زیادہ سے زیادہ "ڈیلی گیشن" ایک دوسرے کے ملک کا دورہ کریں۔ اس طرح انہیں قریب آنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع تو ملے گا۔ کچھ عجب نہیں ملک صاحب کہ جو کام ہم لوگ نہیں کر سکے، وہ یہ نوجوان کر گزریں۔ نوجوان ہماری طرح تنگ دل نہیں ہوتے ملک صاحب! یہ نفرت اور تعصب جو ہماری نسل نے انہیں ورثے میں دیا ہے اس کروڑہ کی آندھی کے سامنے ان کے عزائم ہی دیوار کھڑی کر کے ایک دوسرے کو قریب سکتے ہیں۔" ترپاٹھی نے ایک ہی سانس میں نجانے کتنی باتیں کہہ دی تھیں۔

اسے ارسلان کی اچانک آمد سے بہت خوشی ہوئی تھی۔ بڑی بے تکلفی سے وہ ارسلان کا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف لے گیا۔ اس اثنا میں ملک صاحب ایک غیرملکی خاتون کا طواف کر

لگے تھے۔

ترپاٹھی اسے لے کر ایک کونے میں موجود ایک بھارتی سندری کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"یہ میری بیٹی کانتا ہے اور کانتا بیٹی یہ ہیں انقلابی سٹوڈنٹس کے جنرل سیکرٹری مسٹر ارسلان!" اس نے دونوں کا تعارف کروایا۔

"ہیلو----!" کہہ کر کانتا نے اپنے ماتھے پر آئے بال جھٹکے سے پیچھے کی طرف گراتے ہوئے ارسلان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اسے اپنے خون کی گردش بڑھتی محسوس ہونے لگی۔

"ہیلو----!" کہہ کر اس نے کانتا کا ہاتھ تھاما اور ایک برقی لہر اس کے سارے بدن میں سرایت کر گئی۔

"آپ لوگ باتیں کریں، میں ذرا دوسرے مہمانوں کو دیکھوں۔ ایکس کیوز می مسٹر ارسلان۔" ترپاٹھی نے "شکار" اپنی بیٹی کو سونپتے ہوئے اس کی اہمیت سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ بھئی میں تو بہت سوشل ہوں۔ یہاں پر بلکہ آتی جاتی ہوں۔ مجھے تو پاکستانی نوجوانوں سے مل کر بہت آنند ہوتا ہے۔ اتنے "برائٹ مائنڈڈ" ہیں کہ دل خوش ہو جاتا ہے۔ آپ تو خاصے مشہور آدمی ہیں۔ آیا کیجئے نا کبھی کبھی ہمارے ہاں۔ آپ سے باتیں کر کے بہت خوشی ہو گی۔" کانتا اردو ایسی شاندار بول رہی تھی کہ اس پر "بھارتیہ ناری" ہونے کا گمان ہی نہیں گزرتا تھا۔

○ ○ ○

ارسلان کو اپنے ساتھ لیے وہ ایک کونے میں صوفے پر بیٹھ گئی اور اس سے باتیں کرنے لگی۔ اس نے ارسلان سے باتوں باتوں میں ان کی تنظیم کے متعلق بہت سی ایسی باتوں کا پتہ بھی لگا لیا تھا جو کبھی ارسلان کے ذہن ہی میں نہیں رہی تھی۔ کانتا اس طرح اس کے ساتھ چپک کر بیٹھی تھی کہ ارسلان خود کو "راجہ اندر" محسوس کرنے لگا تھا۔ اس طرح بڑے نامحسوس انداز میں ارسلان کی ایسی ایسی خوبیاں تلاش کی تھیں کہ اسے اپنی شخصیت وی آئی پی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ نہ رکنے والے ریکارڈ کی طرح کانتا کے سامنے بجنے لگا تھا---- کانتا کے اصرار پر اس نے کانتا کے ساتھ "بیئر" شیئر کی تھی اور آئندہ بھی اس سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ کانتا نے اسے بتایا تھا کہ اس نے مقامی لنگویج انسٹیٹیوٹ میں فرنچ زبان میں داخلہ لے رکھا ہے جہاں وہ دونوں ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔ اس نے ارسلان کو کہا تھا کہ کبھی اسے بھارت کی سیر کرنے کی خواہش ہو تو بلاتکلف اسے جتائے بلکہ اس نے سردیوں کی چھٹیاں بھارت میں گزارنے کی اسے

باقاعدہ دعوت دے ڈالی تھی۔

ڈنر کے آغاز تک وہ اس سے چپکی رہی۔ دونوں نے پاکستان اور بھارت کی سلوڈمٹر پالیٹکس پر جی بھر کے باتیں کی تھیں۔ اسی دوران کانتا نے بہانے بہانے سے اسے اپنے جسم کے سارے اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا تھا۔

ارسلان یہ بات نوٹ نہ کر سکا کہ سیاہ شیشوں کی عینک والے ایک درمیانی عمر کے پاکستانی نے اس پر مسلسل نظریں جما رکھی تھیں۔ جب وہ تنہا تھی سے باتیں کر رہا تھا تو یہ شخص ان کی طرف پیٹھ کیے بظاہر میوزک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ان کی باتیں سن رہا تھا اور کانتا کے قرب نے اس پر ایسی مدہوشی طاری کی تھی کہ وہ اس شخص کے بار بار اپنے نزدیک کسی بہانے ٹھہر کر باتیں سننے کی کوشش کو بالکل نظر انداز کر گیا۔

ملک صاحب اس دوران سپر طاقتوں کے سفیروں اور ان کی بیگمات اور سیکرٹریوں سے مصافحہ اور گفتگو فرماتے رہے۔ ڈنر پر انہوں نے ارسلان سے چھٹتے ہی دریافت کیا تھا:

"کیسا رہا پروگرام؟"

"سر جی! مزہ آ گیا۔ بڑے ایڈوانس لوگ ہیں۔" ارسلان نے ندیدے بچوں کی طرح ہوسناک لہجے میں کہا۔

"بیٹا! ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے---- ان لوگوں سے دوستی بڑی فائدہ مند ہوتی ہے۔ کسی عزیز دوست کو ویزے کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور بندہ کبھی کبھی خود بھی موج میلہ کر لیتا ہے۔" ملک نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بائیں آنکھ دبائی۔ اس وقت وہ تیسرے درجے کا لفنگا دکھائی دے رہا تھا۔

ڈنر کے دوران بھی کانتا اس کے گرد منڈلاتی رہی۔ اس نے کئی چیزیں اپنے ہاتھ سے ارسلان کی پلیٹ میں رکھی تھیں اور رخصت ہونے پر ایک مرتبہ پھر اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ بھی لیا تھا۔

ترپاٹھی انہیں رخصت کرنے کے لیے دروازے تک آیا تھا۔

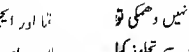

چوہدری غلام رسول کو انسپکٹر اکرم نے بتا دیا تھا کہ لواحقین خوفزدہ ہیں۔ انہیں دھمکی تو کسی نے نہیں دی لیکن انہیں اس بات کا احساس ہے کہ اگر انہوں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا تو نجانے ان پر کیا قیامت گزر جائے۔ دونوں گھرانوں کو ملک صاحب کی طرف سے کچھ مالی امداد کا

وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ ملک صاحب نے دونوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ ان کی اجازت کے بغیر نہ تو وہ کوئی بیان دیں گے' نہ ہی کسی سے ملنے کی کوشش کریں گے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ملک صاحب اس کیس سے الگ ہو جائیں گے' پھر ساری زندگی ان کے بیٹے انہیں واپس نہیں مل پائیں گے۔

ارسلان اور اس کے گینگ کے دوسرے لوگوں سے متعلق بھی اس نے ساری رپورٹ ڈی ایس پی صاحب کے سامنے رکھ دی تھی۔

"ویل ڈن---- شاباش! اپنا کام جاری رکھو۔ میں تمہاری محنت ضائع نہیں جانے دوں گا۔" چوہدری نے تحسین آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اب اسے عملی میدان میں خود اترنا تھا۔ اچانک ہی انٹر کام کی گھنٹی بجی۔ اسے انڈین ڈیلنگ والے جج ڈی نے اپنے کمرے میں چائے پینے کے لیے بلایا تھا۔ یہ معمول کی بات تھی لیکن آج نجانے چوہدری صاحب کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ عموماً اپنے کام سے کام رکھتے تھے کیونکہ ایجنسی کے لوگوں سے بھی ان کے زیادہ روابط قائم نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے ذہنی طور پر خود کو ابھی ہائی پولیس ڈیپارٹمنٹ کا ہی آدمی سمجھا ہوا تھا۔

"آپ انسپکٹر انقلابی طلباء کے جنرل سیکرٹری ارسلان کو آج کل چیک کر رہے ہیں؟" جی ڈی صاحب نے جلد ہی مطلب کی گفتگو پر آتے ہوئے کہا۔

"جناب! میں آج کل نوجوانوں کے اغوا والے کیس پر کام کر رہا ہوں اور یہ ہمارے کیس کا لڑکا ہے----!" چوہدری نے چونکے بغیر کہا۔

"ہمارے بھی بہت کام کا لڑکا ہے۔ دونوں مل کر کام چلا لیتے ہیں کیونکہ آپ ہماری ٹیم میں ابھی ابھی شامل ہوئے ہیں اس لیے آپ کا احترام تو ہمارے لیے لازم ہے۔"

جے ڈی صاحب خاصے روشن دماغ تھے۔

"شکریہ جناب جیسے آپ کا حکم----!"

"آپ میرے "اے ڈی" سے مل کر آپریشن ڈسکس کر لیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہی وہ لوگ آپس میں میٹنگ کر کے اگلا لائحہ عمل ترتیب دے رہے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر ارسلان کو استعمال کرنا تھا۔ چوہدری نے کسی کو "اندر کے حالات" کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ وہ اسے معمول کی کارروائی کے مطابق ڈیل کر رہا تھا اور ایجنسی کے باقی لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ چوہدری غلام رسول کو چونکہ یہ پہلا اہم کیس ملا ہے اس لیے وہ کچھ کر دکھانا چاہتا ہے۔ چونکہ "نواں پردہنا" ہے جلد ہی اس کا سارا شوق اتر جائے گا۔ پھر وہ ان کی طرح خلیفہ بن کر آفس تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔

اگلے روز انہوں نے مل کر کارروائی کا آغاز کرنا تھا۔

○ ○ ○

ارسلان حسب معمول صبح دیر گئے سو کر اٹھا تھا۔ اس نے معمول کے مطابق ناشتہ کیا اور پھر ملک صاحب کی طرف جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔ ابھی اس نے کپڑے تبدیل ہی کیے تھے جب دروازے کی اطلاعی گھنٹی بجی۔

"آ گئے سالے صبح صبح۔ نجانے کمبختوں کو رات کو نیند بھی آتی ہے یا نہیں۔" اس کی دانست میں یہ اس کے دوست تھے جو صبح ہی اسے لینے آ گئے تھے۔ بڑبڑاتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا اور دو اجنبی چہروں پر نظر پڑتے ہی حیران رہ گیا۔

"کون ہو تم؟" اس نے آنے والوں سے اپنے معمول کے لہجے میں دریافت کیا۔

"اگلی کوئی بات کہنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا کہ ہمارے پندرہ ساتھیوں نے اس فلیٹ کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔" نوواردوں میں سے ایک نے اسے انگلی کے اشارے سے فلیٹ کے سامنے والی گراؤنڈ کے کونے میں کھڑی جیپ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جیپ سے ایک شخص نے ہاتھ ہلا کر انہیں احساس دلایا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہیں۔

"لیکن آپ ہیں کون---؟" حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ارسلان نے اپنا لہجہ تبدیل کر لیا تھا۔

"ہمارا تعلق سیکورٹی سے ہے اور ہم تمہارے ساتھ دوستی کرنے آئے ہیں۔ دوستوں کے ساتھ ایسی باتیں نہیں کی جاتیں۔ آؤ اندر بیٹھتے ہیں اطمینان سے بات کر لیں گے۔"

اس مرتبہ دوسرے نے جواب دیا اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔

"کس ایجنسی سے تعلق ہے آپ کا؟" ارسلان نے دریافت کیا۔

"آئی ایس آئی سے!" انہوں نے اپنی تربیت کے مطابق جھوٹ بول کر غلط ایجنسی بتا دی۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہم کسی اور جگہ بیٹھ کر بات کر لیں۔ یہاں آپ کے دوستوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جائے گا---!" نوواردوں میں سے ایک نے جو چوہدری غلام رسول تھا' بڑے مؤدب لہجے میں اسے کہا۔

"ٹھیک ہے" ارسلان نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

دونوں کی معیت میں وہ نزدیک ہی ایک چھوٹے سے ریستوران میں چلا گیا تھا۔ اس نے

کر لیا تھا کہ جیپ بھی ان کے ساتھ ہی رینگتی ہوئی ہوٹل کے سامنے سڑک کے کنارے آ کر ٹھہر گئی تھی۔

دونوں نے اس سے بھارتی سفارت خانے کی دعوت اور اختر اور جاوید کے قتل سے متعلق واقعات شروع کر دیئے تھے۔ ارسلان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس بات کا احساس دونوں نے ارسلان کو دلا دیا تھا کہ ان کے معاملے میں ملک صاحب اس کے کام نہیں آ سکیں گے۔

"ہمارا کچھ آن دی ریکارڈ تو ہوتا نہیں نہ ہی ہم پولیس والے ہیں۔ تمہیں اس طرح غائب کیا جائے گا کہ خود تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ تم کہاں ہو۔ تم جانتے ہو بھارتی سفارت کاروں سے تعلقات قائم کرنا عام سویلین کے لیے کتنا بڑا جرم ہے---!" انسپکٹر رشید نے اس کے پاؤں اکھاڑے۔

"لیکن میں نے کس سے تعلقات قائم کیے ہیں؟" ارسلان گھبرا گیا۔

"اچھا جی! ارسلان صاحب وہ کانتا دیوی کیا آپ کی....." فقرہ ادھورا چھوڑ کر وہ مسکرایا۔

ارسلان نے بھی زبردستی مسکرا کر خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"دیکھو برادر عزیز! ہم تمہارے بھائی ہیں اور تم بھی ہماری طرح پاکستانی مسلمان ہو۔ اگر ہماری تھوڑی سی مدد کرو گے تو ہم بھی بہت کام آنے والے بندے ہیں--- ملک صاحب سے زیادہ تمہارے کام آ سکتے ہیں۔" چوہدری غلام رسول نے اسے بالآخر دوستی کی پیشکش کر دی۔

"وہ مارا---!" ارسلان نے دل ہی دل میں سوچا--- "یہ سیکورٹی والے اگر ان کے دوست بن جائیں تو بہت سے معاملات میں وہ ملک کا محتاج نہیں رہے گا۔ وہ جانتا تھا کہ انٹیلی جنس والے اپنے مخبروں کی بڑی موج کرواتے ہیں اور پولیس تو ان کی طرف دیکھتے ہوئے گھبراتی ہے پھر وہ ان لوگوں کے ذریعے اختر اور جاوید کے معاملے میں "ڈس انفارمیشن" کو غلط رخ پر ڈال دے--- لیکن غلط کیوں؟ وہ کیوں نہ ملک صاحب کی طرف ہی توپوں کا رخ پھیر دے۔ اس طرح نجمہ ملک پر بھی ہاتھ صاف کر سکے گا۔ اور--- اور--- بہت کچھ--- ہاں! ظاہر ہے الگ اسے بھارتی سفارت خانے میں جانے سے تو نہیں روکیں گے کیونکہ اس کے جانے سے ہی ان کا کام چلے گا۔ اس طرح کانتا بھی....." وہ دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ اگر آپ نے کبھی بلیک میل شروع کر دیا تو میں بہت کچھ کر گزروں گا---!" اس نے ڈرتے ڈرتے انہیں دھمکی دے

"ارسلان صاحب! اس کی نوبت کبھی نہیں آئے گی۔ ہم دوستوں کے دوست ہیں۔" دونوں نے باری باری اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟" ارسلان نے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں۔ اپنے معمول کی زندگی گزاریں۔ کانٹا دیوی سے رابطہ رکھیں---- ملک صاحب سے تعلقات بنائے رکھیں۔ آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔"

"اور بس---- ہماری تمہاری دوستی پکی۔" چوہدری نے جواب دیا۔

"آپ سے رابطہ کیسے ہو گا؟" ارسلان نے کریدا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ جب ہم مناسب سمجھیں گے مل لیا کریں گے۔" جواب ملا۔

○ ○ ○

چائے اور سینکس ان لوگوں نے خود منگوائے تھے اور اس کا بل بھی اپنی جیب سے ادا کیا تھا۔ ارسلان نے پہلی ملاقات میں ان کے متعلق کوئی برا تاثر قائم نہیں کیا تھا۔

ان میں سے ایک تو رخصت ہو گیا تھا جب کہ چوہدری اس کے پاس موجود رہا۔ اب دونوں نزدیکی گراؤنڈ کی طرف جا رہے تھے۔ ایک کونے میں موجود بنچ پر وہ بیٹھ گئے۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اچانک ہی چوہدری نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اختر اور جاوید والے واقعے کا علم تو ہو گا ہی----!"

چوہدری نے تیر تو ہوا میں چلایا تھا لیکن لگا عین نشانے پر۔ ارسلان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا----؟" اس نے خود کو سنبھالا۔

"ارسلان صاحب ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ کیوں گھبرا رہے ہیں؟ میرا مطلب تھا آخر آپ تنظیم کے جنرل سیکرٹری ہیں اور ملک کے خاص آدمی' اس لیے ممکن ہے---- آپ کو اندر کی بات کا علم ہو---- ویسے تو ہم بھی بہت سی اندر کی باتیں جانتے ہیں لیکن وقت سے پہلے کچھ کہنا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔"

"چوہدری نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے اپنی ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"اچھا ایک بات تو ضرور مانیں گے کہ دونوں کے اغوا کا مقدمہ جھوٹا درج کروایا گیا ہے----!" چوہدری اس کے چہرے سے ایک لمحے کے لیے بھی نظریں الگ کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"ہاں آپ کا اندازہ صحیح ہے۔" اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"شاباش! یہ ہوئی ناں بات۔ اس کا مطلب ہے ہم مستقبل میں اچھے دوست بن سکتے ہیں۔"

چوہدری بڑا گھاگ شکاری تھا۔

"ضرور' ضرور۔" ارسلان کے اعصاب بھی ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔

"تمہارے خیال سے اس سارے کھیل کے پیچھے کس کا ذہن کار فرما ہے؟"

"ملک صاحب کا---- جناب والا! وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا----!" ارسلان نے جھٹ سے کہہ دیا۔

"کہاں چھپا رکھا ہے اس نے دونوں کو....!" چوہدری نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"بخدا اس کا مجھے علم نہیں نہ ہی مجھے یہ پتہ ہے کہ ان کے ساتھ کیا گزری۔" ارسلان نے کچھ ایسے معصومانہ لہجے میں کہا کہ چوہدری بھی دھوکا کھا گیا۔

"تم کسی طرح یہ پتہ لگا دو کہ ملک نے لڑکوں کو کہاں چھپا رکھا ہے۔ پھر دیکھ لینا کہ ہم تمہارے ملک کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں یا نہیں"۔

"جی میں کوشش کروں گا----!" ارسلان چاہتا تھا اب یہ مصیبت اٹھ کر چلی ہی جائے۔

"ہمارے لائق کوئی کام ہو تو ضرور یاد کرنا----!" چوہدری نے کہا۔

حالانکہ وہ بھی جانتا تھا کہ ارسلان اگر انہیں یاد بھی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ پہلی ملاقات میں انہوں نے اسے کوئی رابطہ نمبر ہی نہیں دیا تھا۔

○ ○ ○

ان لوگوں سے رخصت ہو کر وہ سیدھا اپنے فلیٹ پر آیا اور بستر پر گر کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس ملاقات کا ذکر ملک سے کرے یا نہ کرے۔ اگر یہ لوگ اختر اور جاوید کے کیس پر کام کر رہے تھے تو ان کی تفتیش کو غلط راستے پر ڈالنے کے لیے ارسلان کا ان کے ساتھ رہنا ضروری تھا۔

لیکن ---- کہیں اس کے اپنے گلے میں تو پھندا نہیں لگایا جا رہا؟

مشکل تو یہ تھی کہ وہ کسی سے مشورہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بہت سوچ سوچ کر بالآخر اس نے نجمہ بیگم سے مشاورت کا فیصلہ کر لیا۔ وہی ایک ایسی ہستی تھی جس سے کچھ راہنمائی مل سکتی

تھی۔ یہ سوچ کر وہ قدرے مطمئن ہو گیا۔

ابھی وہ اٹھ کر کھڑا ہوا ہی تھا جب اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف سنرملک اس سے مخاطب تھیں۔

اس کا جی چاہا کہ فوراً سنرملک کو تازہ حادثے کی خبر دے لیکن اچانک ہی اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔

"اگر ان لوگوں کا تعلق انٹیلی جنس سے ہے تو عین ممکن ہے وہ اس کا فون بھی بگ کر رہے ہوں اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اس نے فون پر معمول کے مطابق سنرملک کی خیریت دریافت کی جس نے ایک ضروری کام سے اسے گھر پہنچنے کو کہا تھا۔

فون بند کر کے وہ ملک ولا کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سنرملک اس کی منتظر تھیں۔

"کہو کل کی تقریب کیسی رہی؟" اس نے چھٹتے ہی دریافت کیا۔

جواب میں ارسلان نے بلاکم و کاست اسے ساری کہانی سنا دی۔ کانتا سے ملاقات کا ذکر اس نے سرسری انداز سے کیا تھا۔

"ہوں.....!" سنرملک نے اس کی کہانی کے خاتمے پر لمبی سانس لی۔

"گویا کھیل شروع ہو چکا ہے---- خیر تم فکر نہ کرو۔ بس ذرا ہوشیاری سے حالات کو سنبھالنا---- ملک بچ کر نہیں جا سکتا۔" ارسلان نے بے چینی سے کہا۔

"مجھے کیا کرنا ہو گا----؟" ارسلان نے بے چینی سے کہا۔

"تم بالکل نہ گھبرانا۔ یہ وفاقی انٹیلی جنس کے لوگ ہیں اور ملک کے خلاف مواد اکٹھا کر کے اپنے آقاؤں تک پہنچائیں گے تاکہ جب مذاکرات کی میز پر بیٹھیں تو ملک پر ان کی گرفت مضبوط ہو۔ الیکشن نزدیک آ رہے ہیں اور اس صوبے سے زیادہ مضبوط اپوزیشن حکومت کو ملے گی۔ ان کی کوشش ہو گی کہ کسی بھی طرح ملک صاحب اور اس کی قماش کے دو تین لوگوں کو صوبائی لیگ سے توڑ کر اپنے ساتھ ملا لے تاکہ حالات کا پانسہ ان کے حق میں پلٹ جائے۔ تم انہیں بڑے حساب کتاب سے اس بات کے دو تین شواہد فراہم کر دو کہ دونوں نوجوانوں کے غائب ہونے میں ملک کا ہاتھ نظر آئے تو وہ تمہاری جان چھوڑ دیں گے---- جہاں تک بھارتی سفارت خانے والی بات ہے' ابھی ایک آدھ ملاقات ان کے کہنے پر کانتا سے کر لو۔ اس کے بعد انہیں کہہ دینا کہ کانتا نے تمہیں لفٹ کروانے سے انکار کر دیا ہے---- اللہ اللہ خیر صلا۔"

ارسلان دل ہی دل میں اس کی ذہانت پر عش عش کر اٹھا۔ جس مسئلے نے اسے اتنا پریشان کر رکھا تھا' اس کا سارا بوجھ سنرملک نے چند منٹ میں اتار دیا تھا۔

"شکریہ سنر ملک! آپ میری توقعات سے بڑھ کر ذہین اور عظیم ہیں۔" بے ساختہ اس

کے منہ سے نکلا۔

"ارے نہیں۔ جب ہم دونوں بزنس پارٹنر ہیں تو پھر ایک دوسرے کے کام تو آنا ہی پڑے گا۔ کبھی تم میری پریشانی دور کرو گے اور کبھی میں تمہاری پریشانی دور کروں گی---- ہاں ان لوگوں کو ہاتھ میں رکھنا۔ اگر ان کے ساتھ ڈھنگ سے دوستی کی جائے تو بہت فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔ بہت سی "ڈس انفارمیشن" ان کے ذریعے پاس ہو سکتی ہے۔ میری بات سمجھ گئے ہاں۔" سنرملک کے ہونٹوں پر اور آنکھوں میں مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

اس نے ارسلان کو بطور خاص اپنے فون پر اہم گفتگو کرنے سے منع کر دیا تھا---- "بالکل ہی بند نہ کر دینا۔ ان لوگوں کو خواہ مخواہ شک پڑ جائے گا----!" اس نے نصیحت کے انداز میں کہا۔

دونوں کھانے کی میز پر اکٹھے ہی بیٹھے تھے۔ اس دوران وہ ارسلان سے کرید کرید کر یہی دریافت کرتی رہی کہ تریا تھی اور ملک صاحب کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں۔

"نازنین والا کام بھی ایکشن سے پہلے ہی ہو جائے تو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ ایک طرف ملک وفاقی حکومت کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہا ہو گا اور دوسری طرف ہمارے ہاتھوں---- میں دیکھوں گی اس کے اعصاب فولاد اور سونے کے کتنے کھا کھا کر آخر کتنے مضبوط ہو چکے ہیں۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"آپ جیسا چاہتی ہیں ویسا ہی ہو گا مسز نجم----!" ارسلان نے چاپلوسی کا انداز اختیار کیا۔

"کیوں نہیں' کیوں نہیں۔" سنرملک نے قہقہہ لگایا۔

تھوڑی دیر تک اسے کچھ سمجھاتی رہی اور اب یہاں سے وہ اگلے مشن پر رخصت ہو رہا تھا۔ اس مرتبہ اس کی منزل نازنین کا کوٹھا تھی۔

○ ○ ○

مختاراں بائی نے صدقے واری ہوتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا اور اب نازنین کی باری تھی جو اپنی ماں سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔ اس نے مختاراں بائی کے کمرے سے نکلتے ہی ارسلان باؤ کو پلنگ پر گرا دیا تھا۔ مختاراں بائی نے بوتلیں لانے میں آدھ گھنٹہ لگا دیا۔ وہ دونوں کو اپنی طرح "متبادلہ خیالات" کو موقع دینا چاہتی تھی۔ اس نے ارسلان کے ذریعے ابھی بہت لمبے ہاتھ مارنے تھے۔

جب وہ کمرے میں آئی تو آنکھ کا اشارہ پا کر نازنین باہر نکل گئی۔

"بیٹا ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔" اس نے بڑے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"کیا بی بی؟"

"ملک صاحب کی' بچی نے ساری رات خدمت کی لیکن انعام کوئی خاص نہیں ملا..... یوں تو ایسے لوگوں کی نظرِ کرم ہی ہم غریبوں پر رہے تو اس سے بڑا انعام کیا ہو گا لیکن پھر بھی....." اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے ارسلان کی طرف دیکھا۔

"بی بی! تم فکر نہ کرو۔ یہ سونے کی مرغی ہے ایک ایک کر کے اس کے سارے انڈے نکال لیں گے' بس ذرا میرا خیال رکھنا--- یہ اُلّو پیسے کے معاملے میں بڑا کنجوس ہے۔ صرف اس وقت نکالتا ہے جب قابو آیا ہو--- ورنہ تو مالا مفت میں کام چلاتا ہے۔"

"اے بیٹا! تم تو جانتے ہی ہو۔ ہم خاندانی لوگ ہیں۔ بچی کو روز روز بھیجنا ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی۔ وہ تو اس روز بھی--- نازنین کو میں نے زبردستی وہاں ٹھہرایا۔ وہ تو تمہارے علاوہ کسی اور مرد کو خود پر حرام سمجھتی ہے۔" مختاراں نے اپنی دانست میں اسے بیوقوف بنانا چاہا۔

ارسلان کچھ اور سوچ رہا تھا--- "ہاں بی بی! دیکھ لو تم نے کوئی زمینداری تو کرنا نہیں۔ اگر "خانگی" کی تہمت تم پر لگ گئی تو ڈوب مرنے کا مقام ہو گا۔ ایک منصوبہ ہے میرے ذہن میں۔ اگر ہوشیاری سے اس پر عمل ہو جائے تو تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی قسمت بن جائے گی۔ ساری زندگی عیش سے گزارو گی۔" اس نے اپنی آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"کیا بیٹا---؟" مختاراں نے بے قراری سے پوچھا۔

"ابھی نہیں' چند روز صبر کر لو--- پارٹی میرے پیچھے لگی ہے۔ لاکھوں کی آفر ہے۔ میں ایڈوانس پکڑے بغیر بات کرنے والا نہیں۔ تم میری بات مانو۔ جیسے بھی ممکن ہو نازنین کو دو تین مرتبہ اور ملک صاحب کے گھر بھیجو۔ ذرا سمجھاؤ--- بڈھے کو قابو رکھے۔ باقی کام مجھ پر چھوڑ دو۔"

اس کی باتوں سے مختاراں کی رال ٹپکنے لگی تھی۔

"ارسلان باؤ تم تو ہمارے بھی استاد نکلے۔ واہ جی واہ! مل کر چلیں گے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

"یہ تو ہے بی بی!"

نازنین اندر آ گئی تھی---!

دونوں خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد رات کا کھانا آ گیا۔ یہ دیکھ کر ارسلان حیران رہ

گیا۔ آج بی بی نے کھانا اپنے پاس سے منگوایا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ چڑیا نے دانہ چگ لیا ہے اور اب وہ اس کے جال سے نکل نہیں سکتی۔

○ ○ ○

صبح اس کی آنکھ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز پر کھلی۔

سورج سر پر چڑھ آیا تھا اور وہ ابھی تک حسب معمول لمبی تانے سو رہا تھا۔ فون پر دوسری طرف نقوی صاحب اس سے مخاطب تھے۔ یہ وہی شخص تھا جو چوہدری صاحب کے ساتھ آیا تھا۔ چوہدری نے طلباء کے اغواء کے متعلق ہی باتیں کی تھیں۔ اس نے اپنا موضوع بھارتی سفارت خانے تک محدود رکھا تھا۔

"جناب ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" اس نے بڑے مؤدب لہجے میں کہا۔

"نہیں بالکل نہیں۔ میں اٹھنے ہی والا تھا۔" ارسلان نے دل ہی دل میں اسے گالی دیتے ہوئے کہا۔

"واہ جی واہ! ایک طرف آپ ہیں کہ لمبی تان کر سو رہے ہیں اور دوسری طرف بے چاری کانتا دیوی ہے جو آپ کی یاد میں--- رات بھر کروٹیں بدلتی رہتی ہے۔ اب ایسی بے چاری بھی کیا ہے حضور۔ اس بے چاری کو فون کر کے ایک آدھ ملاقات ہی کر لیجئے---" دوسری طرف سے نقوی نے بڑی اپنائیت دکھائی۔

"اس کا مطلب ہے واقعی میرا فون بگ ہے' کیونکہ ان لوگوں کو بھی علم ہے کہ میں نے کانتا کو فون نہیں کیا۔ اچھا بیٹا! تم بھی کیا یاد کرو گے۔" اس نے دل ہی دل میں کہا اور نقوی سے کہا ہوا--- "ٹھیک ہے مہاراج آج ہی لیجئے۔"

"ارے آج ہی کیا' ابھی کیوں نہیں۔ اس وقت وہ کنیا گھر ہی پر موجود ہو گی اور ہاں یہ اللہ لو۔ جب کوئی ضرورت ہو' خادم کو یاد کر لینا۔"

نقوی نے ایک نمبر لکھوا کر اس سے دو تین ادھر ادھر کی باتیں کیں اور رابطہ منقطع کر دیا۔

فی الحال اس نے انہیں لوگوں کے اشاروں پر ناچنا تھا--- بستر سے اٹھ کر اس نے سب سے پہلے اپنی جیب سے وہ سلپ نکالی جس پر کانتا کے گھر اور بھارتی سفارت خانے کا نمبر لکھا ہوا تھا' پھر نمبر ملا دیا۔ اس نے ارسلان کا نام اور فون کرنے کا مقصد دریافت کیا اور اس کی طرف سے جواب ملنے پر سلسلہ دوسری طرف ملا دیا۔

"ہیلو----!" اس نے ارسلان کا نام سن کر خوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ۔ آپ تو ایسے غائب ہوئے جیسے وہ کیا کہتے ہیں اردو میں کہ کس کے سم سے سینگ....."

"گدھے کے....." ارسلان کے فقرہ مکمل کرنے پر اس نے دوسری طرف سے زبردست قہقہہ لگایا۔

"گویا آپ خاصے زندہ دل بھی ہیں۔ فون پر بات نہیں بنے گی۔ آیئے ناں کچھ گپ شپ رہے گی۔ میری ایک سہیلی آئی ہوئی ہے دلی سے۔ اس سے ملا دوں آپ کو.... وہ بھی آپ کی طرح سٹوڈنٹ لیڈر ہے جناب۔" کانتا کی آواز میں شوخی اور چلبلاہٹ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

"بہت شکریہ آج شام کو ملتے ہیں۔" اس نے کہا۔

دونوں نے فون پر گھر پر ہی ملاقات کا وقت طے کر لیا تھا۔

وہ جانتا تھا دوسری طرف اس کے "دوست" سن رہے ہوں گے لیکن "آف دی ریکارڈ" کچھ سوچتے ہوئے اس نے نقوی کا نمبر ملایا اور اسے کانتا سے ہونے والی بات چیت لفظ بلفظ بتا دی۔

"ونڈر فل----!" نقوی کے منہ سے بے اختیار نکلا---- "آج دوپہر کو اکٹھے لنچ کرتے ہیں۔ چائینز میں آ جایئے۔ ایک بجے میں انتظار کروں گا۔" نقوی نے فوراً ہی اگلی ملاقات طے کر لی تھی۔

معمول کے دو تین کام نمٹا کر جب وہ یونیورسٹی کا چکر لگا کر چائینز پہنچا تو ڈیڑھ بج رہا تھا نقوی ایک کونے میں میز پر قبضہ جمائے بیٹھا تھا۔

"سوری مسٹر نقوی۔ ویری سوری---- جلوس نے بڑی سڑک بلاک کر رکھی ہے اور مجھے پانچ میل کا چکر لگا کر آنا پڑا۔ جب کہ شہر کی ساری ٹریفک کا رخ بھی ادھر ہی تھا۔"

"کوئی بات نہیں ارسلان صاحب۔ مجھے اندازہ تھا۔ میں خود اسی ٹریفک سے گزر کر آیا ہوں۔" نقوی نے مسکرا کر بات ٹال دی۔

لنچ پر بلانے کا مقصد دراصل اسے بریفنگ دینا تھا۔ نقوی نے کھانے کا آرڈر اس کی مرضی کے مطابق دینے کے بعد اس سے کام کی گفتگو شروع کر دی۔

"مسٹر ارسلان! اگر تم چاہو تو ملک کی بہت خدمت کر سکتے ہو۔ کانتا اپنی جس لڑکی کا ذکر کر رہی ہے اس کا نام ششما بھٹہ چاریہ ہے۔ یہ بڑی ہوشیار لڑکی ہے اور لندن کے بھارتی سفارت خانے میں خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ بظاہر اس کی شہرت ایک سٹوڈنٹس لیڈر کی ہے، لیکن اصلیت کچھ اور---- تمہیں اس اصلیت کا ہی پتہ لگانا ہے۔ اس سے خوب کھل

باؤ۔ اسے جی بھر کے سیر کراؤ۔ گھماؤ پھراؤ۔ اگر ممکن ہو تو کسی بھی طرح اسے اپنے گھر لے آؤ۔ یہ "گھر" ہم تمہیں دکھا دیں گے۔ اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ملک و قوم کے لیے بڑا نیک شگون ہو گا۔"

"لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں اور آپ لوگ الٹا مجھے دھکا شروع کر دیں---- ! بابا آپ سیکورٹی والے لوگ بہت ہوشیار ہوتے ہیں۔ پہلے ہی آپ نے مجھے اس چکر میں پھانسا ہے۔" یہ بات اس نے ہنستے ہوئے کہی تھی لیکن نقوی نے اس کا مدعا پا لیا تھا۔

"ارسلان صاحب! مجھے بے حد افسوس ہے اگر ہمارے رویے سے آپ کو تکلیف پہنچی، لیکن آپ جانتے ہیں ہمارا واسطہ کتنے خطرناک دشمن سے ہے۔ اس لیے بہت ہوشیار رہنا پڑتا ہے---- یہ ہمارا فرض ہے کہ بھارتی سفارت کاروں کے ہر مہمان پر نظر رکھیں۔ آپ کا انتخاب صرف ملک و قوم کی خدمت کے لیے کیا ہے۔ اس میں خدانخواستہ ہمارا کوئی مفاد نہیں۔ نہ ہی آپ کو تکلیف پہنچا کر ہمیں خوشی ملے گی---- اگر آپ اس کام سے انکار بھی کر دیں تو ہم آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، لیکن آپ ایک محب وطن طالب علم لیڈر ہونے کے ناطے مجھے امید نہیں کہ آپ ایسا فیصلہ کریں گے۔"

ارسلان حیران ہی رہ گیا۔ آج تو نقوی کی گفتگو کا انداز ہی بدل گیا تھا اور وہ اس کی اپنے بیروں کی طرح عزت کر رہا تھا۔

"نقوی صاحب! مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں بھی آپ کی طرح پاکستانی مسلمان ہوں----!"

اس نے نقوی کی بات کے خاتمے پر کہا۔

"ششما سے علیحدگی میں گفتگو کا موقعہ ضرور نکالنا---- اور ہاں اگر اس کی یا کانتا کی طرف سے کوئی آفر ملے تو فوراً قبول کر لینا---- کوشش کرنا کہ کانتا کے دوستوں کو جان سکو۔"

نقوی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

کھانے کے خاتمے پر نقوی نے ایک لفافہ اسے تھما دیا۔

"یہ کیا----؟"

اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہماری طرف سے حقیر نذرانہ---- گو کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی ان لوگوں کو چائے وغیرہ تو پلانی ہوتی ہے۔" نقوی نے اس کے "نہ نہ" کرنے کے باوجود لفافہ اس کی جیب میں ڈال دیا۔

ہوٹل سے باہر اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھتے ہوئے اس نے لفافہ چاک کیا جس میں سو سو کے

پانچ نوٹ موجود تھے۔ اس نے عجیب سے جذبات محسوس کرتے ہوئے مسکرا کر لفافہ دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔

اب وہ ملک صاحب کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے ملک سے اپنے رابطے کا تسلسل کبھی نہیں ٹوٹنے دیا تھا' کیونکہ اب بھی ملک ہی اس کے لیے سب سے بڑا سہارا بن سکتا تھا۔

آستین کے سانپ

ملک حسب معمول میٹنگ میں جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔ ارسلان کے چہرے پر نظر ... ہی اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے مختاراں بائی کا نام لیے بغیر ارسلان سے کہا۔

"میں نے ایس ایس پی صاحب سے کہہ دیا ہے۔ کسی پولیس والے کی جرأت نہیں کہ ... ان لوگوں کی طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھے--- اور ہاں بیٹا! دو ایک روز میں اسے پھر کسی ... لانا۔ بڑے کام کی عورت ہے۔ تم تو جانتے ہو میں کتنی زبردست اعصابی جنگ لڑ رہا ہوں ... ل-----!" انہوں نے بیہودہ سے اشارے سے ارسلان کو سمجھایا۔

"ملک صاحب! فکر ہی نہ کریں۔ وہ تو اپنے گھڑے کی مچھلی ہے' جب آپ حکم دیں' بلا ... ے--- سر!! وہ اختر' جاوید والے کیس کا کیا بن رہا ہے؟" اس نے کام کی بات بھی ... بات کر لینا مناسب سمجھا۔

"بے فکر رہو۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں پوچھے گا۔ ارے ان ... ہمت نہیں کہ ملک سے ٹکر لے سکیں۔ وہ آئی جی کا بچہ بڑا پھنے خان بن رہا تھا۔ میں نے بھیج ... اسٹیبلشمنٹ میں واپس۔ اب کرے انتظار ریٹائرمنٹ تک اگلی پوسٹ کا۔ بیٹے کو ساری ... انتظار ہی میں کاٹنی پڑے گی--- میں نے دونوں کے اواقعین کے منہ بند کروا دیے ... اور انھیں اعتماد میں لے کر بتا دیا ہے کہ لڑکے بھرمانہ سرگرمیوں میں مارے نہ گئے تو واپس آ ... ئیں گے۔ ویسے ان کے گھر والوں کو اپنے صاحبزادوں کے کرتوتوں کا علم پہلے سے ہی تھا۔ میں ... نہ دیا ہے کہ زیادہ چیں چیں کی تو پولیس سارے پرانے کیس نکال لے گی۔ دو تین ... یاں ہی کروانا پڑیں تو پتہ چل جائے گا--- اور ہاں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ..."

"جی ملک صاحب-----!" ارسلان ہمہ تن گوش ہو گیا۔

ملک صاحب نے اس کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف مخاطب

کیا---- "بیٹا! تم جانتے ہی ہو سیاست میں سب سے پہلے اپنا خون سفید ہوتا ہے۔ آستین کے سانپ ڈستے ہیں۔ ہمارا بزنس ایسا ہے کہ اس میں جس نے اعتبار کیا' مار کھائی---- میری خواہش ہے کہ تم "مکافی" پر بھی ذرا نظر رکھا کرو---- ایسی کوئی بات ہے تو نہیں---- لیکن جانتے ہو ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں اور عورت ذات کو ورغلانا کوئی ایسا مشکل مسئلہ تو نہیں ہے----!" ملک نے مختصر سی بات میں اسے بہت کچھ باور کروا دیا تھا۔

○ ○ ○

ارسلان کا دماغ سن ہو کر رہ گیا۔

یہ سیاست کتنا گھناؤنا کھیل بن چکا ہے اس ملک میں۔

اس نے سوچا۔

پھر اسے خیال آیا کہ شاید قدرت نے ملک کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جو اس کے ارسلان پر اندھا دھند اعتماد کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے دل میں تو خوشی سے لڈو پھوٹ رہے تھے کہ اگر کوئی معمولی سی مشکل بھی درپیش تھی تو وہ آسان ہو گئی۔

"ملک صاحب! آپ بے فکر ہو جائیں۔ سر! میں آپ کے خلاف کوئی سازش پنپنے نہیں دوں گا---- میں نے آج تک بیگم صاحبہ سے کبھی زیادہ گفتگو نہیں کی۔ اب جیسے آپ مناسب سمجھیں' خیال فرمائیں----!" اس نے بڑی مکاری سے جواب دیا۔

"اس کا بندوبست ہو گیا ہے۔ میں نے تمہارا بندوبست اسی بنگلے کی "انیکسی" میں کر دیا ہے۔ تم ایک دو روز میں یہاں منتقل ہو جاؤ اور بیگم کو بھی کہہ دیا ہے کہ وہ تم پر اعتماد کرنا شروع کر دے کیونکہ تم گھر کے آدمی ہو۔ تم آج جانے سے پہلے اس سے مل لو۔"

یہ کہہ کر اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ گھریلو ملازمہ دروازے پر حاضر تھی۔

"بیگم صاحبہ کو بلا لاؤ----!" ملک نے اسے حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد بیگم صاحبہ وہاں موجود تھیں۔ انہوں نے سگریٹ انگلیوں میں دبا رکھا تھا

"تم ارسلان کو تو جانتی ہی ہو۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ بہت اچھا برخوردار ہے۔ کچھ عرصہ اپنا---- میں چاہتا ہوں کہ زندگی میں اسے کامیاب انسان بنتا دیکھ لوں----!" ملک نے اپنی نوبیاہتا نوجوان بیوی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے میں بھی آج کل شدت سے پی اے کی ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔ انیکسی بھی سر پر آنے والے ہیں۔ یہاں لڑکیاں ہمارے ساتھ نہیں چل سکتیں۔ میں نے کل اصغر

کی چھٹی کروا دی ہے۔ کمبخت جہاں کسی بڑے آدمی سے ملی' اپنی لائن سیدھی کرنے لگتی ہے --- اور بدنامی ہمیں اٹھانی پڑتی ہے---- تم کل تک "انیکسی" میں آ جاؤ---- اچھا میں باہر جا رہی ہوں مجھے تقریر کے پوائنٹس تیار کرنے ہیں۔" لاپرواہی سے جس طرح وہ اندر آئی تھی اسی طرح باہر نکل گئی۔

"میں چلتا ہوں---- کل پرسوں تک اپنا سامان لے آنا۔ اس فلیٹ میں سکندر اور اقبال رہ لیں گے۔" ملک صاحب نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"جو حکم سر----!" اس کے لیے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مجسمہ ملک کے سامنے موجود تھا جس کے چہرے پر فتح مندانہ مسکراہٹ ثبت ہو رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ سیانا کوا ہمیشہ گندگی پر گرتا ہے۔ ملک لاکھ ہوشیار چالاک سہی لیکن اتنا بھی نہیں جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اب تم میرے پی اے کی حیثیت سے بھی کام کرو گے اور انٹیلی جنس والوں کی جرات نہیں کہ وہ اس دروازے کے نزدیک بھی پھٹک سکیں۔ ملک صاحب کا اپنے مسلح پہرے داروں کو حکم ہے کہ مشتبہ شخص کو بلا وارننگ گولی مار دو۔"

مجسمہ ملک نے تو کہہ دیا تھا لیکن اب ارسلان اپنا الگ کھیل شروع کرنے جا رہا تھا۔ وہ مرحلے پر انٹیلی جنس والوں کی دوستی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے شام کے پروگرام کی اطلاع انہیں کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے وہ رخصت ہو گیا۔ جانے سے پہلے اس نے ملک کو یقین دہانی کروا دی تھی کہ مختاراں بائی والا مشن ضرور مکمل ہو گا اور وہ ماں بیٹی کو انجام کے لیے رضامند کر لے گا۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا جب اس نے بھارتی سفیر کے گھر کی گھنٹی بجائی۔ دروازے پر موجود مسلح گارڈ نے اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور کر اس کا نام دریافت کیا اور اسے بتایا گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے علم ہو گیا کہ یہاں شارٹ سرکٹ کیمرہ نصب ہے اور اندر آنے والوں پر باہر کی ساری سرگرمیاں دکھائی دیتی ہیں' کیونکہ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا۔ گارڈ کے کمرے کے اندر موجود انٹرکام کی بیل ہوئی۔ اس نے لپک کر فون اٹھایا اور اچانک بدلے ہوئے انداز میں باہر آ گیا۔

"ادھر تشریف لے جائیں سر!" فون پر ہدایت مل گئی تھی اور اب وہ بڑے مؤدب لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

ہاتھ کے اشارے پر چلتے ہوئے ارسلان نے ابھی پہلی روش ہی عبور کی تھی جب اس نے ان کو ایک اور لڑکی کے ساتھ اس طرف آتے دیکھا۔

"ہیلو مسٹر ارسلان! ہاؤ آر یو-----؟" اس نے انتہائی بے تکلفی کا مظاہرہ کیا کہ ارسلان گڑبڑا کر ہی رہ گیا۔

"یہ ہے میری سہیلی ششما، بہت ٹیلنٹڈ سٹوڈنٹس لیڈر ہے بالکل تمہاری طرح۔"

"ہیلو----!" ششما نے بھی اپنا دایاں ہاتھ بڑھاتے ہوئے بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

تینوں اندر ایک کمرے میں چلے آئے۔ کمرے کی ڈیکوریشن نے ارسلان کو حیران کر دیا تھا۔ یہاں بھارت کے مختلف علاقوں سے متعلق "پینٹڈ گرافس" اور پورٹریٹ موجود تھے۔ شاید لوگ اپنے شکار پھانسنے کے لیے سب سے پہلے اس کمرے میں لاتے تھے، کیونکہ "اجنتا اور ایلورا" کی دیواروں پر جو پینٹنگز موجود تھیں ان کا ایک عکس یہاں بھی موجود تھا جس سے نظر ہٹانا کسی بھی نوجوان کے لیے آسان کام نہیں تھا۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ مجھے کانتا نے بلایا تھا آپ کی تنظیم بہت لبرل ہے جس ملک میں جمہوریت نام کی چڑیا کا وجود بھی نہ ہو، آپ ایسے لوگوں کا دم غنیمت ہے۔

مسٹر ارسلان! ہمیں اب دین دھرم سے بلند ہو کر سوچنا ہو گا۔ یہ دنیا بہت بڑی اور انتہا مختصر بھی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے نفرت کی دیواریں اتنی اونچی اٹھا دی ہیں کہ ہمارا کام بہت بڑھ گیا ہے---- جنگ ہمارے مسائل کا حل نہیں۔ ہمیں محبت بانٹنی ہے تاکہ جو نسل ہمارے بعد آئے وہ ہمارے متعلق ایسا نظریہ قائم نہ کرے جیسا ہم اپنے بزرگوں سے متعلق سوچتے ہیں۔" اس نے ہلکا سا زہر ارسلان کے ذہن میں اتارنا شروع کیا۔

"ہو گئی شروع تقریر۔ بس تمہارا لیڈر لوگوں کو یہی الاپتا ہے کہ جہاں سامعین میسر آئے تقریر شروع کر دی۔ کچھ ہمیں بھی باتیں سننے کا موقع دو گی یا....."

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی محبوب ویٹر شروبات کی ٹرالی اندر دھکیل کر لے آیا۔

"یہ ہمارے بھارت کی نمبر ون بیئر ہے----!" کانتا نے برف کے ٹکڑے بھرے گلاس میں بیئر انڈیل کر گلاس اسے تھما دیا۔

"تھینک یو----!" ارسلان نے گلاس پکڑ کر ششما کے اور نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔

تینوں نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دی تھیں۔ ارسلان اندازہ کر سکتا تھا کہ ناصحانہ انداز میں وہ نہ صرف ان کے دل و دماغ میں پاکستان کے خلاف نفرت کا زہر انڈیل رہی تھیں، اس کے منہ سے بھی بہت سی باتیں کھلوا رہی تھیں۔ اسی درمیان ترپاٹھی اور اس کی بیوی بھی وہاں آ گئے تھے۔ انہوں نے چند منٹ بیٹھ کر ان کے ساتھ "ڈرنکس شیئر" کئے اور کسی ملک

سفارت خانے کی تقریب میں شرکت کرنے کے لیے واپس چلے گئے۔

ششما نے اسے بتایا تھا کہ وہ لندن میں ایک ڈپلومہ کورس کر رہی ہے۔ اس نے ارسلان کو لندن اور بھارت کے اپنے ایڈریس اس وعدے کے ساتھ دیئے تھے کہ وہ اسے ضرور میزبانی کا شرف بخشے گا۔"

○ ○ ○

کانتا دوسرے کمرے سے ٹیلی فون کی آواز پر اٹھ کر باہر گئی، جب وہ واپس آئی تو اکیلی نہیں تھی۔ ایک اور شخص بھی اس کے ساتھ موجود تھا اور یہ کوئی اجنبی شخصیت نہیں تھی۔ ارسلان کے لیے یہ چونکا دینے والی بات تھی کہ مقامی اخبار کا چیف رپورٹر بھارتی سفارت کار کی بیٹی کا ذاتی اور گہرا دوست ہے حالانکہ وہ عمر میں کسی طرح اس کے باپ ترپاٹھی سے کم نہیں رہا ہو گا۔

چیف رپورٹر نے ارسلان کو پہچان لیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے زیادہ شناسائی نہیں رکھتے تھے، لیکن کانتا ترپاٹھی نے دونوں کا بھرپور تعارف کروا دیا۔

"ہمارے بہت اچھے دوست ہیں، آپ کی طرح!" اس نے چیف رپورٹر سے کہا۔

"تفصیلی گفتگو تو پھر کبھی ہو گی، میں تو ادھر سے گزر رہا تھا سوچا ہیلو ہیلو کر لوں۔"

چیف رپورٹر نے وضاحت پیش کی کہ اسے کسی پریس کانفرنس میں جانا تھا۔

"جناب آپ تو ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہیں، لیکن آج ہمارے ساتھ ڈرنکنگ لگائے بغیر نہیں جا سکیں گے-----!" کانتا نے اس کے لیے بیئر انڈیلتے ہوئے کہا۔

"دوستی کے نام پر-----! سب نے ایک مرتبہ پھر جام ٹکرائے۔

"آپ کے لیے اس مرتبہ بڑا خاص تحفہ آیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے کانتا دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں بھارتی وہسکی کی دو بوتلیں پکڑی ہوئی تھیں۔ چیف رپورٹر ندیدے بچوں کی طرح دانت نکال رہا تھا--- اس نے درجنوں مرتبہ "شکریہ، تھینک یو، اعتماد اور نجانے کیا کیا کہہ کر بوتلیں بغل میں دبائیں اور آندھی کی طرح آنے والے طوفان کی طرح لوٹ گیا۔

تینوں اسے گاڑی تک چھوڑنے آئے تھے جو اندر پورچ میں پارک کی تھی۔ بڑا سیانا رپورٹر تھا۔ اس نے دونوں بوتلیں ڈگی میں اس طرح چھپائی تھیں کہ تلاشی لینے پر بھی نظر نہ

آئیں۔

"او کے مسٹر ارسلان۔ ضرور ملیے گا اور کوئی بھی خدمت ہو تو ضرور یاد کیجئے گا۔ ہم تو یاروں کے یار ہیں----!" یہ کہہ کر اس نے بے تکلفی سے کانتا کے جسم پر ہاتھ مارا اور گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

ارسلان حیرانی سے اسے دیکھتا رہا۔ کیا مجال جو اس کے چہرے پر تاسف یا شرمندگی کا کوئی شائبہ تک موجود ہو۔

"ڈنر تو "پارک وے" میں کریں گے۔" کانتا نے کہا۔

"او کے۔" ششما نے رضامندی ظاہر کی۔

تینوں ارسلان کی کار میں جو اسے ملک صاحب نے استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی تھی' بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ کھانا خاصا پر تکلف تھا۔ ارسلان کے بضد ہونے کے باوجود بل کانتا نے ادا کیا تھا۔ یہاں کے ویٹر بھی شاید اسے پہچانتے تھے کیونکہ سارا عملہ مکھیوں کی طرح تمام وقت ان کے گرد ہی بھنبھناتا رہا۔

کھانا کھا کر جب تینوں باہر نکلے تو ہوٹل میں ایک پجارو جیپ داخل ہو رہی تھی اور جب جیپ کے ڈرائیور نے دروازہ کھولا تو ارسلان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس میں سے بین الاقوامی سمگلر سجاول خان اور مسز نجمہ ملک برآمد ہوئے تھے--- آج کا یہ دوسرا اور اس کی زندگی کا شاید بہت بڑا "سرپرائز" تھا جو اسے ملا۔

اپنی کار میں بیٹھنے تک وہ پلٹ کر بار بار دونوں کو دیکھتا رہا۔

"کوئی دوست ہیں آپ کے؟" ششما نے اس کی پریشانی نوٹ کر لی تھی۔

"نہیں! میں سوچ رہا تھا انہیں کہیں دیکھا ہے۔" اس نے بات ٹالنے کے انداز میں کہا۔

"ویل مسٹر ارسلان کبھی ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی دیکھ کر آپ ایسا سوچنے لگیں۔"

"ارے نہیں مس! آپ کوئی بھولنے والی ہستی تھوڑی ہی ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے ایکسکیوز میں چاپلی گھمائی۔

دونوں کو گھر ڈراپ کر کے جب وہ رخصت ہونے لگا تو ایک مئودب ملازم نے وہسکی کی ایک بوتل اس کے ساتھ والی سیٹ پر رکھ دی تھی۔

"ہماری دوستی کے نام پر--- انجوائے یور سیلف۔ بائے بائے۔" کانتا اور ششما نے اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

دونوں ہاتھ ہلاتی اندر چلی گئیں۔ حیران و پریشان ارسلان نے ایکسیلیٹر دبایا اور کار کو ہوا کے دوش پر اڑاتا گھر آیا۔ اس نے اپنے اندر والے شیشے سے ایک جیپ کو اپنے مسلسل تعاقب

میں دیکھ لیا تھا' لیکن اسے اس بات کی پروا نہیں تھی۔ عین ممکن ہے یہ لوگ اس کی حفاظت کر رہے ہوں۔ اپنے بستر پر گرتے ہوئے وہ مسز ملک کے اس روپ کے متعلق سوچتا رہا اور جب کسی نتیجے پر نہ پہنچا تو کروٹ لے کر نیند کا انتظار کرنے لگا۔

○ ○ ○

صبح اسے سب سے پہلے نجمہ بیگم نے ہی طلب کیا تھا۔ وہ ناشتے کی میز پر اس کی منتظر تھیں اور یہ اطلاع اسے گھریلو انٹرکام پر نجمہ بیگم سے ملی تھی۔ تین گھنٹوں کے بعد وہ بیدار ہوا تو دوسری طرف سے بیگم نجمہ نے اس سے دریافت کیا--- اور جب اس نے بتایا کہ صبح کے نو بج رہے ہیں تو ارسلان کچھ شرمندگی سی محسوس کرنے لگا۔

"اگر تم دوپہر سے پہلے ناشتہ کرنا پسند کرو تو پندرہ بیس منٹ تک آنا----!" اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

پندرہ منٹ سے پہلے وہ ناشتے کی میز پر موجود تھا۔ ملک صاحب کل شام دارالحکومت گئے تھے اور وہاں دو تین روز قیام کرنے کے بعد ہی انہوں نے واپس آنا تھا۔ اس مرتبہ پارٹی کی ذمہ داری کمان نے اپنے خصوصی اجلاس کے لیے ملک کے ہر حصے سے اہم سیاسی شخصیات کو مدعو کیا تھا۔ ان میں ملک صاحب سرفہرست لوگوں میں شامل تھے۔ اس مرتبہ چونکہ نئی نامزدگیاں ہونی تھیں اس لیے اجلاس دو تین روز جاری رہ سکتا تھا۔

ارسلان کو بے کلی سے لگی ہوئی تھی۔ وہ جلد از جلد نجمہ اور سجاول خان کے تعلقات کی نوعیت جاننا چاہتا تھا لیکن خود سے کوئی سوال کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی اور اس کی یہ بھی خواہش تھی کہ بیگم نجمہ خود ہی اس موضوع پر بات کریں۔

نجانے اس کی بات کا کیا مطلب لیا جائے؟

"کیسی رہی کل کی ملاقاتیں-----؟" اس نے ارسلان سے اچانک ہی پوچھا اور وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

کیا اسے میرے کل کے پروگرام کا علم تھا؟ حالانکہ اس نے خود نجمہ بیگم سے کچھ نہیں کہا تھا۔ عین ممکن ہے اس نے بھی ارسلان کو ہوٹل میں دیکھ لیا ہو۔ اگر اس کی نظر نجمہ پر پڑ سکتی ہے تو نجمہ بیگم کی نظریں بھی اس پر پڑ سکتی تھیں۔

جھوٹ بولنا اس کے لئے ناممکن نہیں رہا تھا۔

"کل میں ذرا کانتا کی طرف نکل گیا تھا۔ ایسا کوئی پروگرام تو نہیں تھا' لیکن وہاں دیر لگ

گئی اور وہ لوگ بضد تھے کہ میں ڈنر ان کے ساتھ کروں۔ ادھر سے بھی فراغت تھی اس لیے میں نے....."

اس نے نظریں مکھن کے ٹوسٹ پر جماتے ہوئے وضاحت کرنا چاہی۔

"ارے اس میں شرمانے کی کیا بات ہے؟ کہیں شرمانے والا کام تو نہیں کیا؟" اس نے ارسلان کی بات کاٹتے ہوئے نامکمل سی بات کہہ دی۔

"نہیں، نہیں-----!" ارسلان بے اختیار ہنس دیا۔

اس کے اعصاب خاصے پرسکون ہو رہے تھے۔

"نازنین والا کام جلد ہو جائے تو اچھا ہے۔ اگر ہم نے الیکشن سے پہلے یہ کام کر لیا تو سمجھ لینا لڑے بغیر ہم الیکشن جیت گئے۔" نجمہ بیگم نے بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"آپ بے فکر رہیے۔ میں نے ان سے اشارتاً بات کی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ انکار کریں گے۔ پیسہ ان لوگوں کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"ہاں! تم نے سچ کہا۔ واقعی کمزور انسانوں کی پیسہ سب سے بڑی کمزوری بن جاتا ہے۔"

اس نے اب سگریٹ سلگا لیا تھا۔ ایک طویل کش لے کر دھویں کے مرغولے فضا میں بکھیرنے کے بعد اس نے دھوئیں پر نظریں جماتے ہوئے ارسلان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تم پاسپورٹ کیوں نہیں بنا لیتے---- اس کی ضرورت تو ہمارے بزنس میں ہر وقت رہتی ہے۔ بھئی دنیا کو دیکھو گے نہیں تو سمجھو گے کیسے؟"

"لیکن میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے؟" ارسلان کو اس بات سے واقعی خوشی ہوئی تھی۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" اس نے لاپرواہی سے کہا---- "تم فارم بھر کے امجد صاحب کو دے آنا۔ باقی میں خود دیکھ لوں گی۔"

امجد ملک صاحب کے وکیل کا نام تھا جس کو تنخواہ ہی "ہنگامی حالات" سے نمٹنے کی دی جاتی تھی۔

"شکریہ۔" ارسلان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

تب اس کے ذہن میں دور دور تک یہ بات نہیں تھی کہ بیرونی ممالک کی یہ سیر اسے کیوں کروائی جا رہی ہے۔

یہ بات وہ ضرور سمجھتا تھا کہ اگر یہ نجمہ ملک کی کسی سکیم کا حصہ ہے تو وہ کبھی اسے اندھے کنویں میں نہیں دھکیلے گی بلکہ اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا دے گی۔

پھر اس کے ذہن میں ایک لمحے کے لیے یہ خیال بھی آیا کہ سجاول خان سے نجمہ ملک کی

دوستی کا پس منظر کہیں یہ غیر ملکی دورے تو نہیں؟ وہ جانتا تھا کہ ایک چکر ہیروئن سمیت اگر کامیابی سے لگا لیا جائے تو وارے نیارے۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ مسز ملک نے اسے اب کوئی ایسی مہم سونپنی ہو۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" مسز ملک نے اسے خاموشی سے چائے کی پیالی کو گھورتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"جی کچھ نہیں----!" وہ کھسیانی ہی ہنسی ہنس دیا۔

"میں جانتی ہوں تم کیا سوچ رہے ہو---- مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ تم نے مجھے سجاول خان کے ساتھ دیکھ لیا ہے، کیونکہ میں نے بھی تمہیں دروازے سے نکلتے دیکھا تھا---- دیکھو ارسلان! اب ہم بزنس پارٹنر ہیں۔ ہم نے جس کھیل کے میدان میں قدم رکھا ہے وہاں کے کوئی لگے بندھے اصول نہیں ہیں۔ یہاں "بائی ہک یا بائی کروک" جیسے بھی ہو آگے نکلنے کی جگہ بنانی پڑتی ہے۔ سیاست کے گھناؤنے کھیل سے اور بھی بہت سی قباحتیں وابستہ ہیں۔ یہ لوگ جو بریف کیس بھر بھر کر روپیہ لٹاتے ہیں کوئی اپنے آباؤ اجداد کی زمینیں فروخت کر کے روپیہ نہیں لاتے۔ یہ سب بلیک منی ہے یا پھر سرکاری بنکوں سے لوٹا ہوا روپیہ---- اور اس کا حصول تب ہی ممکن ہے جب ہم اپنے ضمیر اور نام نہاد شرافت کو ایک طرف رکھ کر سوچیں۔ سجاول خان اس ملک کا ہی نہیں دنیا کا مانا ہوا سمگلر ہے۔ اس نے ہیروئن کے پیکٹوں سے سونے کے محلات کھڑے کئے ہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ سجاول خان سمگلر ہے لیکن مجھے بتاؤ کہ اس ملک کا کون سا حکمران سیاستدان یا بڑا آفیسر ہے جو اس کی دوستی کا محتاج نہ رہتا ہو؟ یہ لوگ سجاول خان کو اپنی نجی محفلوں میں بلانے کے لیے کیا کیا گھٹیا حرکتیں کرتے ہیں تم تصور نہیں کر سکتے۔ تم جانتے ہو یہاں کے مقامی حکمران نے ایک مرتبہ کتنی حسرت بھری آواز میں ساتھیوں سے یہ کہا تھا کہ سجاول خان صاحب اس کی دعوت قبول نہیں کرتے..... جب یہ لوگ وفادار کتوں کی طرح اس کے قدموں میں بچھے رہتے ہیں تو ہمیں اس کے سامنے بیٹھ کر اس کے برابر کھڑے ہو کر اس سے تعلقات قائم رکھنے میں اعتراض نہیں ہونا چاہیے---- جب تم میرے ہمراہ اس سے ملاقات کرو گے تو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لو گے کہ قابل نفرت سجاول خان ہے یا ملک صاحب جیسے معزز اور معتبر شہری.....؟"

ارسلان اندازہ کر سکتا تھا کہ اس عورت میں کتنا زہر بھرا ہوا ہے---- وہ جان سکتا تھا ایسی زہریلی عورت جب ملک کو ڈسے گی تو اسے شاید اگلے سانس کی مہلت بھی میسر نہ ہو سکے۔

متوسط گھرانے میں جنم لینے والی نجمہ نے---- ایسی بھیانک اور مکروہ زندگی کا کبھی تصور بھی نہیں کیا ہو گا۔ جانے اس ملک کے ملک صاحبوں نے ایسی کتنی معصوم لڑکیوں کے اذہان میں

زہر بھر کر انہیں عورت کے عظیم منصب سے گرا کر انسانیت کی سطح سے بھی گرا دیا ہے۔ ملک واقعی کسی کڑی سزا کا مستحق تھا۔

○ ○ ○

اس روز شام کو نقوی صاحب کا ٹیلی فون آ گیا۔ وہ فوراً ملاقات کے خواہش مند تھے۔ ارسلان نے محسوس کیا کہ نقوی صاحب فون پر گفتگو کرنے سے احتراز برت رہے تھے' کیونکہ انہوں نے فون اس کے منے ٹھکانے پر کیا تھا۔ نقوی نے اسے ملاقات کی جگہ بتا دی تھی اور اب وہ اسی طرف جا رہا تھا۔

نقوی صاحب بے چینی سے اس کے منتظر تھے۔ اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی وہ بلائیں لینے کے انداز میں ارسلان کی طرف لپکے۔

"ویل ڈن---- ون ڈر فل۔ شاندار۔ کمال کر دیا بھئی---- مان گئے ارسلان صاحب آپ کو۔ یار تم نے سالی پر جادو کر دیا ہے۔" انہوں نے ایک ہی سانس میں نجانے کیا کچھ کہہ دیا۔

"شکریہ نقوی صاحب! یہ میرا فرض تھا۔"

دونوں یہاں سے پیدل ہی نزدیکی باغ کی طرف چل دیئے جہاں ایک کونے میں رکھے پتھر کے بنچ پر نقوی صاحب کی قیافہ شناس کا کوئی دوسرا آدمی پہلے سے موجود تھا۔

"تم جاؤ کنٹین والے سے یہاں چائے بھجوانے کو کہہ دینا۔" انہوں نے اس شخص سے کہا جس نے ابھی ارسلان کی طرف غور سے دیکھا بھی نہیں تھا۔

حکم سن کر وہ چل دیا۔ دونوں اس بنچ پر بیٹھ گئے۔

شام کا گجگجا اندھیرا باغ کے درختوں سے اب گھاس پر اترنے لگا تھا۔ رخصت ہوتی گرمیوں کی خوشگوار شام کا ٹھنڈا اور فرحت بخش ذائقہ ارسلان کو اپنی نس نس میں سماتا محسوس ہوا۔ باغ کے مختلف کونوں کھدروں میں کسی انجانے خوف سے سہمے سہمے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے جوڑے ایک دوسرے کو مستقبل کے سنہرے خواب دکھا رہے تھے۔ یہ سب اپنے گھروں سے جھوٹ بول کر یہاں آئے تھے۔ اپنے نزدیک قدموں کی آہٹ پر وہ خونزدہ ہرنوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے' پھر کسی کو سر پر موجود نہ پا کر کھسیانے سے انداز میں دوبارہ محو گفتگو ہو جاتے۔

باغ کی مصنوعی پہاڑیوں پر سایوں سے مایہ فگن درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندوں کی

آوازیں اب آہستہ آہستہ دم توڑنے لگی تھیں۔ کسی فوارے سے کبھی پانی دھار کی صورت برآمد ہوتا پھر چپ سادھ لیتا۔

جان توڑ گرمی اور ساون بھادوں کے شدید حبس کے بعد اب شام کو درختوں سے ٹکرانے والی ٹھنڈی ہوا نے یہاں معمول کی سیر کو آنے والوں کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ ارسلان بھی یہاں خود پر مسلط گھٹن سے نجات محسوس کر رہا تھا۔ کنٹین والا شاید نقوی صاحب کو جانتا تھا۔ اس نے چائے اپنے پاس محفوظ برتنوں میں سجا کر ان کے سامنے رکھ دی اور خود واپس لوٹ گیا۔

چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ارسلان نقوی کو کانتا کے ہاں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کرنے لگا۔ اس نے اپنی دانست میں چیف رپورٹر کی وہاں آمد اور بھارتی سفیر کی بیٹی سے اس کی بے تکلفانہ دوستی کی تفصیلات بتا کر چونکا دینے والی بات کی تھی۔

لیکن----!

وہ حیران ہی رہ گیا کہ نقوی صاحب کو ان تمام باتوں کا پہلے سے علم تھا اور انہوں نے اس پر کوئی خاص تبصرہ نہیں کیا' حالانکہ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اس انکشاف سے وہ نقوی صاحب کو چونکا کر رکھ دے گا۔

اس نے نقوی صاحب کو ملاقات کی ایک ایک تفصیل بتائی تھی۔ ارسلان نے محسوس کیا تھا کہ یہ لوگ کانتا سے زیادہ دلچسپی اس کی لندن والی دوست ششما بھٹہ چاریہ میں لے رہے تھے۔ شاید یہ لڑکی لندن میں بھارتی انٹیلی جنس کے لیے کام کرتی رہی ہے۔ اس نے سوچا۔

"کسی طرح اپنے دوستوں کو سیر کروانے گھر پر لے آؤ تو خوب مزہ رہے۔" نقوی نے آخر وہ بات کہہ ہی دی جس کے لیے وہ جانے کب سے ذہنی طور پر تیاری کر رہا تھا۔

"کوشش کو کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔ اس سے پہلے یہ سب کچھ کہاں تھا جو اب ---- بھئی ارسلان صاحب جو آج ہے وہ کل نہیں تھا اور جو کل ہو گا وہ آج نہیں ہے۔ وہ کہا ہے علامہ اقبالؒ نے۔

جو تھا نہیں ہے' جو ہے نہ ہو گا

نقوی صاحب کے ہونٹوں سے مسکراہٹ چھلک اٹھی۔

"آپ نے مجھے کس آج کل کے چکر میں پھنسا دیا۔ جناب! بے فکر رہیے میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ آپ کی توقعات پر پورا اتر سکوں۔" ارسلان نے اس کی فلسفیانہ گفتگو کو سنتے ہوئے کہا۔

"مسٹر ارسلان! چیف رپورٹر جیسے بہت سے لوگ ابھی تمہیں ملیں گے۔ یہ لوگ شراب کی ایک بوتل کے لیے غیر ملکی عورت کی چند منٹ کی صحبت کے لیے کہاں تک گر سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ بھی تمہیں اچھی طرح ہو جائے گا۔ جب میں نے سروس جائن کی تھی تو ایک مشن لے کر آیا تھا لیکن بہت جلد مجھے احساس ہو گیا کہ میں پرلے درجے کا احمق ہوں---- مجھے اپنی سوچ پیشہ ورانہ بنانی چاہیے۔ اگر میں نے اپنی "ڈیوو شرٹ" کو اس میں شامل کر لیا تو کسی کا میں کچھ نہیں بگاڑ پاؤں گا---- ہاں میری اپنی سروس فائل کا حلیہ ضرور بگڑ جائے گا۔"

ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے سگریٹ سلگایا تو سگریٹ لائٹر کی روشنی میں ارسلان نے اس کے چہرے اور آنکھوں میں کروٹیں لیتی کرب کی لہروں کو اتنا ہی شدت سے محسوس کیا' جس شدت سے نقوی خود گزر رہا تھا۔

"ارسلان صاحب! بسا اوقات جی چاہتا ہے کہ ان لوگوں کے ٹکڑے کر ڈالوں جو مادر وطن کی عصمت پر کلنک کا ٹیکہ بن جاتے ہیں' لیکن میں صرف رپورٹ کر سکتا ہوں۔ میں کیا میرے جیسے معمولی آفیسر کی تو حیثیت ہی نہیں۔ یہاں تو بڑے بڑے اے ڈی ان لوگوں کا کچھ نہیں کر پاتے۔"

ارسلان کو بے حد افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے چیف رپورٹر کا ذکر کیوں چھیڑ دیا۔ اسے محسوس ہوا کہ نقوی جیسے ایماندار سیکورٹی آفیسر کا دم قدم نہ ہو تو اس ملک کا خدا ہی حافظ۔

دیر گئے تک وہ باتیں کرتے رہے' پھر نقوی اسے اپنے ساتھ ہی لے آیا۔ اس مرتبہ وہ شہر کی ایک ماڈرن آبادی کے فلیٹ میں پہنچے تھے۔ دو بیڈ رومز اور ڈرائنگ ڈائننگ پر مشتمل شہر کی اس متمول آبادی میں موجود یہ فلیٹ بڑے قیمتی سامان سے آراستہ تھا۔ نقوی صاحب نے اسے فلیٹ کا مکمل "تعارف" کروانے کے بعد ایک چابی اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔

"جب بھی تم اپنے مہمانوں کو یہاں لانا چاہو' اس گھر کے دروازے کھلے پاؤ گے۔ یہاں کا فریج ہر وقت اشیاء ضرورت سے بھرا رہتا ہے۔"

ارسلان نے مسکراتے ہوئے چابی اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔ اب وہ اچھی طرح سے سمجھ گیا تھا کہ نقوی صاحب نے "مہمانوں" کو خاص طور سے یہاں مدعو کرنے کے لیے کیوں کہا تھا۔

○ ○ ○

انسپکٹر اکرم آج پھر دونوں اخوا کنندگان کے گھروں کے چکر کاٹ رہا تھا۔ اس نے کچھ

دیتے ہوئے پہلے اختر کے گھر والوں پر قسمت آزمائی کی ٹھانی۔ اسے ان لوگوں سے کچھ باتیں آن ان ریکارڈ کھلوانی تھیں۔ اس مرتبہ اس نے اختر کے باپ مولوی اشفاق صاحب کو دفتر سے واپسی پر گھیر لیا تھا۔

مولوی اشفاق ریلوے آفس میں سینئر کلرک تھے اور جتنا بیٹا خراب' اتنا ہی باپ نیک اور اچھا انسان---- اس سے پہلے بھی اکرم ان سے مل چکا تھا۔

"مولوی صاحب! بخدا میں آپ کو بار بار تنگ کر کے آپ کے زخم کریدنا نہیں چاہتا' لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ آپ کے بیٹے کو اگر وہ اس دنیا میں موجود ہے جلد از جلد آپ تک پہنچاؤں۔ اس کے علاوہ بار بار ملاقات کا اور کوئی مقصد نہیں۔" اس نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا کہ مجبور باپ کی بے کسی اور الم نصیبی کا اندازہ وہ لگا سکتا تھا۔

"میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں بیٹا۔ لیکن تمہارے ہر سوال کا جواب میں متعدد مرتبہ دے چکا ہوں---- میرے پاس بتانے کو اور کچھ نہیں ہے----!" انہوں نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"دیکھئے بزرگوار! میں جانتا ہوں آپ کچھ چھپا رہے ہیں---- مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اپنے بیٹے کی زندگی پر کسی دھمکی یا لالچ کو ترجیح دیتے ہیں۔" انسپکٹر اکرم نے یہ بات کہہ کر جیسے مولوی صاحب کی دکھتی رگ کو اچانک ہی چھیڑ دیا ہو۔ وہ چیخ پڑے۔

"کاش تمہاری کوئی جوان بیٹی ہوتی اور تمہیں دھمکی دی جاتی کہ اگر کوئی الٹا سیدھا بیان دیا تو اسے اغوا کر لیا جائے گا۔ پھر میں تمہیں پوچھتا کہ....." اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ ان کا گلا رندھ گیا۔

انسپکٹر اکرم کا دل بھر آیا۔ اس نے مولوی صاحب کو تسلی دی اور انہیں یقین دلایا کہ ان کی ہر بات صرف اس کے محکمے تک محدود رہے گی اور وہ عام پولیس والوں کی طرح کبھی انہیں تنگ نہیں کریں گے۔ اس نے مولوی اشفاق صاحب کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنا بیان لکھ کر دے دیں۔

مولوی اشفاق صاحب نے بھی آج سارے معاملات خدا پر چھوڑ دیے۔ وہ دیندار آدمی تھے۔ ساری زندگی انہوں نے بہت "ریزرو" رہ کر گزاری تھی۔ خدا جانے کس بری گھڑی اختر ان کے ہاں جنم لیا تھا کہ جس کی وجہ سے مولوی صاحب کو تھانہ کچہری بھی دیکھنا پڑ جانا تھا۔

انہوں نے تفصیلاً سارے واقعات گوش گزار کر دیئے۔ انہیں اس بات کا علم ہی نہ ہو سکا کہ ان کے اور انسپکٹر اکرم کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے۔ مولوی صاحب نے بتایا کہ جب سے اختر نے انقلابی طلباء تنظیم میں شمولیت اختیار کی' گھر سے اس کا

رابطہ قریباً ختم ہو گیا تھا اور وہ ہوسٹل میں رہنے لگا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ دو تین مرتبہ پولیس نے ان کے گھر پر بھی چھاپہ مارا اور ایک دفعہ تو وہ اتنے مجبور ہو گئے تھے کہ اس روز روز کی ذلالت سے بچنے کے لیے اسے باقاعدہ اخبار میں اشتہار دے کر عاق کرنے کا پروگرام بنا بیٹھے تھے' لیکن اس کی ماں آڑے آ گئی۔

"بیٹا! میری چار بیٹیاں ہیں اور ایک ہی بیٹا ہے۔ لوگ نرینہ اولاد کے لیے خدا سے جانے کیا کیا التجائیں کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کاش خدا نے مجھے اختر کی جگہ بھی بیٹی ہی دے دی ہوتی۔ کم از کم پھر پولیس میرے گھر کا دروازہ نہ دیکھتی۔ اختر نے تو مجھے جیتے جی مار ڈالا---- خدا بیڑہ غرق کرے اس ملک صاحب کا جو ہر مرتبہ آڑے آتا اور اسے قانون کی گرفت سے بچا لیتا ہے۔"

"آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا؟" اکرم نے درمیان میں ہی انہیں ٹوک دیا۔

"اختر نے خود بتایا تھا۔ اس پر جو دو تین کیس تھے وہ بھی ملک صاحب نے ہی ختم کروائے تھے۔ ورنہ میری کیا مجال تھی۔ ایک مرتبہ جب اسے کسی جگہ گولی لگی تھی تو بھی ملک نے ہی اس کا علاج کروایا تھا۔"

"آپ کبھی خود ملک صاحب سے ملے ہیں؟"

"صرف ایک مرتبہ جب چند روز پہلے انہوں نے خود مجھے گھر بلایا اور تسلی دی تھی کہ وہ اختر کو جلدی ڈھونڈ نکالیں گے اور مجھے خاموش رہنے اور پولیس کو کوئی بیان نہ دینے کی ہدایت کی تھی۔"

"یہ کب کا واقعہ تھا----؟"

"مجھے تاریخ تو یاد نہیں' البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ ان دنوں نوجوان کافی ہنگامہ آرائی کر رہے تھے۔ اس روز مجھے اور نواز کی والدہ کو ملک صاحب نے اپنے گھر بلایا تھا۔ نواز کا باپ تو کسی دوسرے ملک میں ہوتا ہے۔ اس کے گھریلو حالات کچھ ایسے برے بھی نہیں لیکن مجھے ملک صاحب نے دس ہزار زبردستی تھما دیئے تھے---- بیٹا! وہ رقم جوں کی توں رکھی ہے۔ میں مرتا مر جاؤں گا مگر حرام کا ایک پیسہ اپنے گھر نہیں آنے دوں گا---- اگر میں اس وقت ملک صاحب کو انکار کر دیتا تو اس کے نتائج میرے حق میں اچھے نہ نکلتے۔"

انسپکٹر اکرم اب خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اپنے کوٹ کی جیب میں چھپائے ٹیپ ریکارڈر میں اس نے ساری گفتگو ریکارڈ کر لی تھی۔ اس کارگزاری سے وہ چوہدری صاحب کو خوش کر سکتا تھا۔

اس نے مولوی اشفاق احمد کو یقین دلایا تھا کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو

راز رہے گی اور انہیں ہدایت کی تھی کہ فی الوقت وہ صرف ملک کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں اور کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے ملک صاحب کو ان پر شک گزرے۔ اس نے مولوی صاحب کو ایک فون نمبر دیتے ہوئے تلقین کی تھی کہ اگر کسی بھی مرحلے پر اس کی ضرورت پیش آ جائے تو وہ اسے ضرور یاد کریں۔

مولوی صاحب سے اس نے اختر کے دو چار خاص دوستوں کے کوائف بھی لے لیے تھے اور اب مزید کامیابیوں کی امید کے ساتھ اس کے ایک دوست بابر کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

○ ○ ○

انٹیلی جنس کے افسر کو سامنے دیکھ کر بابر کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے سنا تھا کہ یہ لوگ تو بندے کو ایسے غائب کرتے ہیں کہ اس کا پھر کبھی پتہ ہی نہیں چلتا۔ ایک مرتبہ اختر نے ہی اسے بتایا تھا کہ جیسے ان لوگوں نے اپنے خفیہ ٹارچر سیل بنا رکھے ہیں جہاں وہ مخالف تنظیم کے نوجوانوں کی تفتیش کرتے ہیں' اسی طرح انٹیلی جنس والوں نے اپنے خفیہ عقوبت خانے بنا رکھے ہیں اور جس شخص کو ایک مرتبہ یہ لوگ غائب کر دیں وہ پھر مشکل ہی سے گھر لوٹتا ہے۔

"دیکھو میاں تم مجھے شریف گھرانے کے معلوم ہوتے ہو۔ تمہارا باپ بھی سرکاری ملازم ہے اور تمہارے گھریلو حالات بھی تم سے ڈھکے چھپے نہیں۔ تمہاری ایک بہن طلاق لے کر گھر بیٹھی ہے اور دوسری دونوں شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی ہیں---- ہمیں ہر بات کا علم ہے کہ تمہارا بڑا بھائی شادی کے بعد والدین کو چھوڑ گیا ہے۔ ان حالات میں اگر تمہاری وجہ سے تمہارے والدین کو کوئی صدمہ پہنچا تو تمہارا والد خودکشی کر لے گا۔ اس کے بعد تمہارے گھر کی قیامت ٹوٹے گی اس کا تم بخوبی انداز لگا سکتے ہو۔ میری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔ میرا حکم تو یہی ملا ہے کہ اختر کے دوستوں کو ایک ایک کر کے "سرکاری مہمان خانے" کی سیر کرائیں اور وہیں ان کی تفتیش کی جائے' لیکن مجھے تمہارے گھریلو حالات کی وجہ سے رحم آ رہا ہے۔ خدا کا شکر کرو کہ تمہاری تفتیش میرے ذمے لگی ہے۔ اگر کسی اور کے ہتھے چڑھ جاتے تو وہ اس طرح تمہارے ساتھ بات نہ کرتا---- اب تم اتنے بچے بھی نہیں ہو کہ میں تمہیں بتاؤں کہ پولیس والے کس زبان میں گفتگو کرتے ہیں---- تمہاری عمر کا میرا ایک بھائی ہے جو تمہاری ہی طرح طلباء سیاست میں پھنس کر مصیبت میں پڑ گیا ہے۔ میں خود ان حالات سے گزر چکا ہوں۔ اس لیے تمہیں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ اگر میرے ساتھ تعاون کرو گے تو ہم دونوں

فائدے میں رہیں گے ورنہ یاد رکھنا کہ اس معاملے میں ملک صاحب تو کیا ان کا باپ بھی تمہارے کام نہیں آ سکے گا۔ ہم لوگ پولیس کی طرح کوئی ریپٹ تو درج کرتے نہیں....."

انسپکٹر اکرم نے اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ شکار جال میں پھنس گیا ہے۔ اس نے ایک دھمکا تو بابر کو خوفزدہ کر دیا تھا۔

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں-----؟" بابر نے حلق میں تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

خوف سے اس کا گلا بری طرح خشک ہو رہا تھا۔ یہ شخص تو اس کے تمام گھریلو حالات جانتا تھا۔ واقعی اگر اس کے والدین کو بھنک بھی لگ جاتی کہ پولیس یا سی آئی ڈی اس کے پیچھے ہے تو جانے وہ بدنصیب کیا کر گزرتے۔ اپنے والدین اور گھریلو حالات کے پیش نظر تو اس کبھی سرگرمی سے پالیٹکس میں حصہ ہی نہیں لیا تھا۔ بس اختر کے ساتھ دوستی کی وجہ سے وہ اس تنظیم کے چکر میں پھنس گیا تھا۔ ورنہ تو اس نے کبھی کوئی غلط کام کرنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اختر کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو' صاف صاف بتا دو--- سب سے پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اس کے ساتھ مل کر کوئی واردات بھی کی تھی؟"

انسپکٹر اکرم نے ہوا میں تیر چلایا جو عین نشانے پر لگا۔

"نہیں! نہیں! خدا کی قسم میں نے تو اس کے ساتھ مل کر کبھی کچھ نہیں کیا۔ وہ تو اوارہ لڑکے ہوں گے۔ مجھے کچھ علم نہیں مجھے تو وہ....."

"ہاں! ہاں شاباش! شاباش! سچ سچ بتا دو۔ بے فکر رہو۔ میں نے کہا ناں کہ تم میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح ہو اور میں تمہارے ساتھ نہ کوئی خود زیادتی کروں گا نہ کسی کو کرنے دوں گا لیکن شرط ایک ہے کہ تمہیں سچ بولنا ہو گا۔" اکرم نے بے چینی سے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی تھی۔ لڑکا کوئی کام کی بات بتانے جا رہا تھا۔

"وہ تو جی مجھے کبھی کبھی کچھ پیسے دیا کرتا تھا اور کبھی کبھی مجھے عورتوں کے پاس لے جایا کرتا تھا۔"

"کہاں کس کے پاس؟" اکرم نے بے قراری سے دریافت کیا۔

"تین چار عورتیں ہیں۔ ایک شاہی بازار میں گانے بجانے کا دھندہ بھی کرتی ہے۔ اس کے پاس تو وہ مجھے صرف ایک دفعہ لے گیا تھا۔ عورتوں کے ٹھکانوں کا مجھے علم نہیں لیکن ہم گلشن باغ کی ایک کوٹھی میں جایا کرتے تھے۔ وہیں سب کچھ ہوتا ہے۔"

اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"دیکھو ایک بات ذہن نشین کر لینا۔ میں ابھی نرمی اور شرافت سے کام لے رہا ہوں۔

نے مجھے ڈراج کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا....." انسپکٹر اکرم اپنا دباؤ اس پر مسلسل بڑھا رہا تھا۔

بابر کی گھگھی بندھ گئی تھی--- وہ بات بات پر قسم اٹھا کر اسے اپنے سچا ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔

"شاہی بازار والی عورت کا نام کیا ہے؟"

"مجھے نام کا تو علم نہیں ہے۔ میں اس کے کوٹھے تک--- آپ کو لے جا سکتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا اب ذرا ذہن پر زور دے کر سوچو اور بتاؤ کہ اختر کہاں ہو سکتا ہے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ رپورٹ تھانے میں درج کروائی گئی ہے' کیا وہ سچ ہے؟"

"دیکھئے جناب آپ تو سی آئی ڈی والے ہیں۔ آپ سے کیا بات چھپی ہے۔ اگر انہیں علم ہو گیا کہ میں نے آپ کو کچھ بتایا ہے تو وہ میرا کیا حشر کریں گے' آپ کو معلوم ہی ہے۔"

"بابر میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ تم میرے ساتھ اعتماد سے بات کر سکتے ہو۔ میں تمہیں ملزم یا ملزموں کا ساتھی نہیں بلکہ اپنا بھائی سمجھ کر بات کر رہا ہوں۔" اکرم نے بڑے اطمینان قسم کے لہجے میں اسے تسلی دی۔

"وہ مقدمہ غلط درج کروایا گیا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اختر کو کسی نے اغوا نہیں کیا۔ اس کا تعلق تنظیم کے خاص گروپ سے تھا وہ لوگ عیاشی میں ہزاروں روپے لٹا دیا کرتے تھے۔ اتنا پیسہ کہاں سے آتا تھا؟ میں نے ایک مرتبہ اختر سے پوچھا تو اس نے مجھے نشے کی ترنگ میں بتایا تھا کہ وہ یہ سب پیسہ غلط طریقے سے حاصل کرتے ہیں--- جناب والا! وہ لوگ مل کر ڈکیتی مارا کرتے تھے۔ پٹرول پمپوں کو' فلائنگ کوچوں کو لوٹا کرتے تھے اور ہر دفعہ بچ جاتے تھے۔ خدا ہی جانے پولیس ان سے ڈرتی کیوں تھی۔ میرا یہ خیال ہے کہ شاید اختر کسی ایسی ہی واردات میں مارا گیا ہے۔ جاوید اور اختر آپس میں گہرے دوست تھے۔ عین ممکن ہے انہوں نے کہیں کوئی واردات کی ہو اور وہ پولیس مقابلے میں مارے گئے ہوں--- لیکن اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ ان کی لاشیں پھر کہاں گئیں۔ اخبارات میں بھی کوئی ایسی کہانی شائع نہیں ہوئی۔

"ہوں ں ں....." اکرم نے لمبا سانس لیا----- "تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ اختر کو اغوا نہیں کیا گیا۔"

"دیکھئے جناب! اسلامی تنظیم کا جنرل سیکرٹری میرا کلاس فیلو ہے۔ ہم نے اسکول اور کالج تک اکٹھے ہی تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ میرا محلے دار بھی ہے۔ ان لوگوں نے مقدمے میں اس کو نامزد کیا ہے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ وہ کبھی ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔"

"لیکن وہ بھی مسلح ہیں اور ان کے بھی خفیہ ٹھکانے ہیں۔" اکرم نے اس کی آنکھوں
جھانکا۔

"میں اس سے انکار نہیں کر سکتا لیکن میرا دل کبھی نہیں مانے گا کہ انہوں نے ای
گندی حرکت کی ہو۔"

"تمہاری تنظیم کے تفتیشی مراکز کہاں کہاں ہیں؟"

اس سوال نے بابر کو پریشان کر دیا تھا جس کا اندازہ اکرم کو ہو گیا تھا۔ اس نے ایک
مرتبہ پھر اسے بڑے پیار سے برادرانہ انداز میں سمجھانا شروع کر دیا تھا کہ اس کے ساتھ ملاقا
کی خبر بھی کسی کو معلوم نہیں پڑے گی۔ اگر اس نے خود کسی کو بتا دیا تو الگ بات ہے۔

بہت سمجھانے بجھانے پر بھی بابر نے صرف دو ٹھکانے بتائے تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا
کہ ان دونوں ٹھکانوں کا علم بھی اسے اختر کے ذریعے ہی ہوا تھا۔ اس نے اکرم کو یہ بھی بتا
تھا کہ وہ لوگ مستقل تفتیشی مرکز قائم نہیں کرتے بلکہ انہیں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کو
ہوٹل کے کمرے میں مخالف پر تشدد کر لیا' کبھی کسی گھر میں' کبھی کسی اور ٹھکانے پر۔"

"اب تم میرے ساتھ شاہی بازار چلو اور دور ہی سے اس جگہ کی نشاندہی کر دینا جہاں
اختر کے ساتھ آئے تھے۔ اس کے بعد تمہاری چھٹی---- کبھی بھول کر بھی اس ملاقات کا ذکر
کسی سے نہ کرنا۔ میں کوشش کروں گا کہ پولیس تک تمہارا نام نہ پہنچ سکے۔ کبھی کسی نئی بات
علم ہو تو مجھے ضرور خبر کرنا۔" اس نے ایک فون نمبر بابر کو دیتے ہوئے کہا۔

بابر کو وہ اپنی موٹر سائیکل پر بازار تک لایا۔ موٹر سائیکل انہوں نے دور ہی کھڑی کر دی
تھی اور اب پیدل اس کوٹھے کی طرف جا رہے تھے۔ کوٹھے کی سیڑھیوں کی نشاندہی کروانے کے
بعد اس نے "ناں نا" کرنے کے باوجود انسپکٹر اکرم اسے گھر کے نزدیک اتار کر گیا تھا۔ اس نے
واپسی پر ایک ہوٹل میں بابر کی اچھی خاصی مدارت کر کے اس کے دل و دماغ میں جگہ بنائی تھی۔

○ ○ ○

بابر سے الگ ہو کر وہ دوبارہ شاہی بازار آیا اور یہاں اپنے ایک پرانے "سورس" سے
اس نے متعلقہ کوٹھے کے متعلق معلومات حاصل کیں تو اس کے علم میں آیا کہ اس کوٹھے کی
مالکہ مشہور طوائف مختاراں بائی ہے جس کی بیٹی نازنین آج کل بڑی اونچی ہواؤں میں اڑ رہی
ہے۔

آفس میں رات دیر گئے تک وہ رپورٹ بناتا رہا۔ صبح اس نے آفس میں آتے ہی

غلام رسول کے سامنے ساری کارروائی بیان کر دی۔ چوہدری صاحب کی تو باچھیں کھل
انہوں نے بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی پیٹھ پر تھپکی دی اور اسے آج رات
مختاراں بائی کے کوٹھے کی نگرانی پر لگا دیا۔ انہیں امید تھی کہ اختر کے ساتھیوں میں سے اور بھی
اس طرف آتے ہوں گے اور اس الجھی ہوئی ڈور کا کوئی نہ کوئی سرا ضرور ان کے ہاتھ لگے گا۔

چوہدری کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس نے آدھے سے زیادہ میدان تو مار لیا ہے۔ اب
ایک آدھ گول اور مل جائے تو بیڑا پار۔

گھناؤنے کھیل

ارسلان کو آج پہلی مرتبہ ملک صاحب نے خود نازنین کو لانے کی فرمائش کی تھی اور ا
وہ ملک صاحب کی خواہش کے احترام میں ہی اس کے کوٹھے کی طرف جا رہا تھا۔ ابھی شام ڈ
ڈھلی تھی۔ جب وہ نازنین کے دروازے پر موجود تھا۔

ارسلان کی شکل پر نظر پڑتے ہی مختاراں بیگم کے لعنتی چہرے پر رونق سی آ گئی۔ وہ ا
طرح بے قراری سے اس کی طرف بڑھی جیسے ارسلان بہت مدت بعد اچانک اس طرف آ
ہو۔

"کہاں رہے بیٹا اتنے دن-----" نازنین تو تمہارے بغیر اداس ہو جاتی ہے۔ کل
ضد کر رہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو تمہیں لے کر آؤں۔ اس روز کے بعد سے ایسے غا
ہوئے کہ کوئی خیر خبر ہی نہیں۔"

"بی بی تمہارے لیے ہی کام کر رہا تھا۔ شکر کرو ملک صاحب قابو آ گئے۔ تمہیں کیا مع
وہاں کیا کیا گل کھلائے جا رہے ہیں۔ وہ تمہاری رشتہ دار شریفاں بائی ملک صاحب کے گھر جا
کہاں سے پہنچ گئی تھی۔ وہ تو شکر کرو ملک صاحب کو میری اجازت کے بغیر کوئی ہل نہیں سکتا و
شریفاں نے تمہارا پتہ کٹوا دیا تھا۔ تمہیں تو علم ہے اس کی تینوں بیٹیوں کا۔ ایک تو آج کل
چھ فلموں میں آ رہی ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہے---- میں نے بھی وہ سلوک کیا کہ کیا
کرے گی سالی---- چوکیدار سے کہہ دیا کہ دھکے مار کر نکال دو اور آئندہ نظر آئے تو ٹانگیں
دینا ناٹیکہ کی۔"

اس نے مختاراں بائی پر پہلا حملہ ہی ایسا جان لیوا کیا کہ اسے ہاتھوں ہیروں کی پڑ گئی۔

"ہائے ہائے یہ چھنال کمبخت وہاں بھی جا مری---- اسے مولا اٹھائے۔ جانے گ
برے وقت کی پیداوش ہے کمبخت۔ اے بیٹا! سارا بازار اس کے کرتوت جانتا ہے۔ لعنت ہو
اللہ ماری پر جائے یہ "خاگی" کہاں سے آن مری تھی ہمارے قبیلے میں۔ "مختاراں کے تو ہا

کے طوطے اڑ گئے تھے۔

"تم گھبراؤ نہیں بی بی۔ میں جو ہوں وہاں۔ اگر قدم بھی رکھنے دیا تو ارسلان نام نہیں
میرا۔ ایسی کئی دیکھی ہیں میں نے۔ بی بی تمہیں راز کی بات بتا دوں کہ اگلے الیکشن کے بعد ملک
صاحب کو صوبے کی سب سے اہم وزارت ملنے والی ہے۔ سودا ہو چکا ہے بی بی---- ملک
صاحب چاہیں تو اب بھی کوئی سی وزارت لے لیں' لیکن وہ تھوڑے عرصے کے لیے کچھ کرنا نہیں
چاہتے---- الیکشن کے بعد دیکھنا۔ تمہارے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

اس کی بات سن کر مختاراں بی بی کے منہ سے رال ٹپکنے لگی تھی۔ وہ ارسلان پر صدقے
واری ہو رہی تھی۔

"آج ذرا نازنین کو تیار کر دینا۔ ملک صاحب کے منہ سے میں نے خود فرمائش کروائی ہے
نازنین کی' اور ہاں اسے سمجھا دینا کہ سونے کی چڑیا کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ خدمت میں کوئی
کمی نہیں رہنی چاہیے۔"

"باؤ ارسلان تو بے فکر ہو جا۔ ہماری طرف سے کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ بس تو
ہمارا خیال رکھنا ہم تو تیرے نوکر ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ نازنین کے کمرے میں داد عیش دے رہا تھا۔

مختاراں بائی نے آج اپنی گرہ سے سارا خرچ اٹھایا تھا اور اس کے لیے خاص طور سے
دیسی منگوائی تھی۔ رات گئے تک ماں بیٹی اس کی خاطر مدارت میں مصروف رہیں۔ مختاراں بائی
نے سرشام ہی "استادوں" سے کہہ دیا تھا کہ آج کوٹھا نہیں سجے گا۔ آج بچی کی طبیعت ٹھیک
نہیں۔ استاد بے چارے بچی کی جان کو روتے صبر شکر کر کے واپس چلے گئے۔

مختاراں نے جاتے ہوئے تھوڑے تھوڑے پیسے ان کو خرچ کے لیے دے دیئے تھے۔

نازنین اب تیار ہو رہی تھی اور مختاراں کے ساتھ دوسرے کمرے میں ارسلان موجود
اس نے شریفاں کا پتہ مختاراں کے سامنے پھینک کر لوہا گرم کر دیا تھا۔ اب اس پر ایک ہی
چوٹ لگانے کی ضرورت تھی۔

"میں سوچتا ہوں بی بی کہ آج شریفاں آئی ہے کل کوئی اور سالی نہ چلی آئے۔ ملک
صاحب تو عیش طبیعت کے مالک ہیں۔ آخر میں کب تک ان بلاؤں کو روکتا رہوں گا۔ اس بیماری
کا کوئی مستقل علاج ہو جائے تو کیا ہی بات ہے؟"

مختاراں اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی صوفے سے اٹھ کر اس کے قدموں میں آ
بیٹھی تھی۔ وہ تو خود اس غم میں غلطاں تھی کہ شریفاں اگر کبھی براہ راست ملک صاحب سے ٹکرا
گئی تو اس بازار میں بنی بنائی عزت خاک میں مل جائے گی۔

شریفاں کی دو لڑکیاں تو ابھی تک کالج میں پڑھ رہی تھیں۔ وہ تو اور بھی بہت سے جانتی ہوں گی۔

"بیٹا! مولا تجھے خوش رکھے جلدی سے بتا۔" اس نے بے چینی سے کہا۔

"بی بی میرے پاس ایک بہت بڑی آفر ہے۔ اگر تم ذرا ہوشیاری سے کام لو تو ایک را میں پانچ لاکھ روپے کی مالک بن جاؤ گی۔"

پانچ لاکھ کا ذکر سنتے ہی مختاراں کے چہرے کا رنگ تبدیل ہونے لگا تھا۔ اس کے منہ پانی بھر آیا تھا اور وہ بار بار پوپلے منہ میں زبان پھیر رہی تھی۔

"میں حاضر ہوں بیٹا۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"پہلے غور سے سن لو۔ اگر میری بات کی سمجھ آ جائے تو ایڈوانس تمہیں کل پہنچ جا گا۔ تم ان سیاسی لوگوں کو تو جانتی ہی ہو۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے یہ کیا کچھ گزرتے ہیں۔ ملک صاحب کی مخالف پارٹی کے ایک بڑے عہدیدار نے مجھے آفر کی ہے کہ اُ میں ملک صاحب کی کچھ خاص قسم کی تصویریں بنوا دوں تو وہ ان تصویروں کا پانچ لاکھ روپیہ دے کے لیے تیار ہے۔ مجھے کچھ زیادہ لالچ نہیں بس ایک لاکھ مجھے دے دینا باقی تمہارا۔ کسی کو کان کان خبر بھی نہیں ہو گی اور یہ نہ سمجھنا کہ وہ کوئی معمولی آدمی ہے۔ مرکزی حکومت کا وزیر اب نام اس کا کیا لوں۔ ملک صاحب جیسے تو اس کے دروازے کے باہر ہاتھ باندھے کھڑے ر ہیں۔ بی بی ذرا ہمت کر لو' ساری زندگی کی روٹیاں ہیں۔ عیش کرو گی عیش۔ وارے نیارے جائیں گے تمہارے۔"

○ ○ ○

اس نے مختاراں کی تمام دکھتی رگیں ایک ایک کر کے ایسی خوبصورتی سے دبائیں کہ مچھلی کی طرح اس کے جال میں پھنستی چلی گئی۔ مختاراں تو اس نے ایسے ایسے پینترے دیئے اس جیسی گھاگ کنجری کے لیے فرار کی کوئی راہ ہی باقی نہ بچی۔

اس نے مختاراں کو سمجھایا کہ ملک صاحب شراب کے نشے میں بالکل آؤٹ ہو جا ہیں۔ انہیں اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ اس کیفیت کا کچھ اندازہ مختاراں کو بھی ملک صاحب کے ساتھ پہلی ہی ملاقات میں ہو گیا تھا۔ اس نے مختاراں سے کہا تھا نازنین نے صرف اتنا کام کرنا ہے کہ ملک صاحب کو معمول سے کچھ زیادہ شراب پلا دے' جس کے بعد ایک ما فوٹو گرافر اس چالاکی سے کام کرے گا کہ کسی کے فرشتے کو بھی کانوں کان خبر نہیں ہو سکے گی

نے مختاراں بائی کو خاص طور سے کہا تھا کہ تصویروں میں نازنین اول تو نظر نہیں آئے گی۔ نہیں نظر آ بھی گئی تو پوز ایسا ہو گا کہ جسے پہچاننا مشکل ہو جائے گا۔

"اور بی بی تصویریں سب سے پہلے تمہارے پاس آئیں گی۔ اگر تمہیں کوئی شک ہو تو تم وہ تصویریں ضائع کر دینا جو پسند نہ ہوں---- جو تصویر تم چاہو گی وہی ہم اس شخص دیں ---- اگر تم چاہو کہ تمہارا یا نازنین کا ملک صاحب کے مخالف لیڈر کو علم نہ ہو سکے تو ایسا ہو گا۔ اگر تم ملنا چاہو تو تمہاری مرضی۔ ویسے میرا مشورہ ہے کہ ابھی ملاقات نہ کرو۔ پہلے رقم لے لیں۔ کوئی کوٹھی وغیرہ خرید لو۔ جب نئی حکومت بنے تو پھر ہم اس سے بھی کام نکلواتے رہیں گے۔"

مختاراں کی ساری چالاکی ہوشیاری دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ آہستہ آہستہ ارسلان کی چکنی چپڑی باتوں کی دلدل میں پھنستی چلی جا رہی تھی---- ارسلان نے اپنا کیس ایسی چالاکی سے پیش کیا تھا کہ طوائف کے لیے کوئی سوال کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی۔

"ٹھیک ہے باؤ ارسلان لیکن پیسے کب ملیں گے؟" اس کی رال بالآخر ٹپک پڑی۔

"پہلے کچھ ایڈوانس مل جائے گا۔ اس کے بعد کام مکمل ہونے پر باقی رقم۔" اس نے مختاراں بائی کے نزدیک منہ لے جا کر سرگوشی کی۔

"دیکھ لینا بیٹا کہیں....."

"تم فکر نہ کرو بی بی۔ جب تک میں موجود ہوں تمہارا کوئی بال بیکا نہیں ہو سکتا۔" اس نے طوائف کو مطمئن کرنے کے لیے اس کی بات درمیان ہی سے کاٹتے ہوئے کہا۔

"کام کب کرنا ہے؟"

"اگر تم چاہو تو آج ہی کر لیں---- لیکن میرے خیال سے آج مناسب نہیں' کیونکہ ان نازنین کو ہم نے مکمل اعتماد میں نہیں لیا اور اب وقت بھی روانگی کا ہو گیا ہے۔ کچھ اور ہدایات بھی کرنا ہے---- لیکن تم مطمئن رہو میں چار پانچ روز بعد ہی ملک صاحب سے نازنین کی فرمائش کروا دوں گا۔ بس اسے یہ سمجھا دینا کہ آج ذرا شکار کو اچھی طرح رام کر لے اگلا مرتبہ اس پر چھری چلانے میں دقت پیش نہ آئے۔"

ارسلان کی اس بات پر دونوں مسکرا دیئے۔ دونوں اب بے ساختہ قہقہے لگا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد نازنین اس کی گاڑی میں بنی ٹھنی ملک صاحب کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

ارسلان کو اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ انسپکٹر اکرم جس نے آج صبح ہی سے یہاں ڈیرے ڈال رکھے تھے' اسے مختاراں بائی کے کوٹھے پر جاتے دیکھ چکا تھا اور پھر نازنین کے ساتھ کار میں

بیٹھ کر جاتے دیکھ چکا تھا۔ ہنگامی صورتحال کے لیے بازار کے باہر سڑک پر کھڑی کار تک وہ موٹر سائیکل اڑاتا ہوا پہنچا تھا۔ اپنی موٹر سائیکل اس نے وہیں پھینکی اور اب وہ کار میں اونگھتے ڈرائیور کو بیدار کر کے سفید رنگ کی کار کے تعاقب کا حکم دے رہا تھا جس میں ارسلان اور نازنین گم سفر تھے۔

سفید کار جلد ہی انہیں بازار سے اس سڑک کی طرف آتی دکھائی دی۔ ڈرائیور اپنے فن میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے اتنی مہارت سے تعاقب کیا کہ رنگ ریلیوں میں مست کار چلاتے ارسلان اور نازنین کو احساس ہی نہ ہونے دیا۔

تعاقب کا خاتمہ ملک صاحب کی کوٹھی پر ہوا تو انسپکٹر اکرم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"وہ مارا-----!" اس کے منہ سے نکلا۔

ڈرائیور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اکرم نے کھسیانی سی ہنسی ہنس کر اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

"بس اب مجھے اپنی موٹر سائیکل لینی ہے اور تمہاری چھٹی۔" اس نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

○ ○ ○

ارسلان کی خدمت نے ملک صاحب کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا---- وہ عورتوں کے رسیا تھے اور زندگی بھر انہوں نے عورتوں کو کھلونا سمجھ کر ان سے دل بہلایا تھا' لیکن اس طوائف زادی نے ملک صاحب کو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیا تھا۔ انہوں نے زندگی میں کبھی ایسی طرحدار عورت نہیں دیکھی تھی۔

نازنین کے ساتھ ساتھ انہوں نے ارسلان پر بھی انعام و اکرام کی بارش شروع کر دی تھی۔

صبح جب وہ نازنین کو سورج نکلنے سے پہلے اس کے کوٹھے تک چھوڑ کر گیا تو مختاراں بائی کے انتظار میں ابھی تک جاگ رہی تھی۔ اس نے زبردستی ارسلان کو وہاں ٹھہرا لیا اور دوپہر تک وہ یہیں لمبی تان کر سوتا رہا۔

دوپہر کو اس کی آنکھ کھلی تو مختاراں بائی---- نوکرانیوں کی طرح اس کے سرہانے چائے لے کر کھڑی تھی۔ اس نے بوڑھی نائیکہ کو چاروں شانے چت کر دیا تھا اور وہ ارسلان کو بیٹا

کی طرح پوجنے لگی تھی۔

"بی بی! تمہاری قسمت کھلنے والی ہے۔ دونوں طرف سے راج کرو گی۔ ملک صاحب تو تمہارے غلام ہوں گے ہی' مرکز والے بھی تمہارے قابو میں آ جائیں گے۔"

اس نے کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"اے بیٹا! مولا تجھے خوش رکھے۔ بس یہ رقم مل جائے تو میں بھی بازار پر لعنت بھیج کر بچی کو کسی شریف آبادی میں لے کر بیٹھ جاؤں۔ ہم نے زیادہ لالچ کیا کرنا ہے۔ وہاں ہفتے میں ایک آدھ گاہک بھی آ جایا کرے تو کافی ہو گا۔"

"بی بی اس کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔"

○ ○ ○

وہ مختاراں بائی کو لالچ و ہوس کے نئے جہاں کی سیر کراتا جب واپس پہنچا تو نجمہ بیگم بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔

"اتنی دیر!" اس نے شکایت کے لہجے میں کہا۔

"آپ کو خوشخبری سنانے جا رہا ہوں کہ آپ حیرت زدہ رہ جائیں گی۔"

اس نے نجمہ بیگم کے سامنے ایک صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔ مختاراں بائی تیار ہے۔ وہ تو آج رات ہی تیار ہو گئی تھی لیکن میں نے سوچا ہنگامی طور پر کہیں کام ہی نہ بگڑ جائے۔ یوں بھی گرم گرم دودھ سے منہ جلانا ٹھیک نہیں۔"

"ویل ڈن-----!" نجمہ بیگم نے بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر زور سے دبایا۔

"شاباش! جیسے ہی یہ کام مکمل ہوا' میں بھی تمہیں ایسا سرپرائز دوں گی کہ خوش ہو جاؤ گے---- اچھا چلو ابھی سہی جب تم نے مجھے اتنی بڑی خوشخبری دی ہے تو میں تمہیں کیوں نہ دوں---! ارسلان اس کام کے مکمل ہوتے ہی تم یورپ کا تفریحی دورہ کرو گے۔"

ارسلان کو اس نے واقعی بڑی زبردست خوشخبری سنائی تھی۔ اس نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ دنیا کے اس طلسم ہو شربا کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ سکے گا۔

"تھینک یو۔"

"اور تمہارا پاسپورٹ بھی تیار ہو کر آ گیا ہے۔ وکیل صاحب صبح دفتر جاتے ہوئے دے گئے تھے۔" اس نے نزدیکی میز پر رکھا اس کا پاسپورٹ ارسلان کو پکڑا دیا۔

اس پاسپورٹ کے اندراج کے مطابق وہ برنس مین تھا اور نجمہ بیگم نے اسے بتا دیا تھا کہ ایک انٹرنیشنل فرم جس کی ایک ڈائریکٹرز وہ بھی ہے اور جس کے دفاتر نیویارک' لندن اور ایمسٹرڈم میں قائم ہیں' وہ اس فرم کی پاکستانی شاخ کا مینیجر تھا۔

"میں خواہ مخواہ جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتی' لیکن مغربی سفارت خانے ہمارے سچ کو قبول نہیں کرتے۔ انہیں ایسا سچ پسند ہے جو جھوٹ کے خوبصورت لبادے میں ملفوف کر کے ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ مثلاً اگر تم براہ راست امریکہ کی سیر کا ویزہ طلب کرو تو وہ لوگ تمہیں کبھی ویزا نہیں دیں گے' حالانکہ تمہارے دماغ میں دور دور تک امریکہ میں غیرقانونی طور سے بس جانے کا کوئی منصوبہ نہ ہو گا اس کے برعکس اگر تم ان کی مرضی کی سچی جھوٹی دستاویزات ان کے سامنے پیش کر دو تو وہ بڑی خوشی سے تمہیں ویزہ دے دیں گے---- لیکن یہ مجبوری بھی ایک دو مرتبہ ہی ہوتی ہے' زیادہ دیر نہیں رہتی۔

اس لیے تمہاری موجودہ شناخت قائم کرنی پڑی---- ارسلان اپنے ملک میں ہی نہیں بلکہ تیسری دنیا کے تمام ممالک کی سیاست کو سمجھنے کے لیے ان "ٹاسٹرز" کو دیکھنا ضروری ہے جن کی یہ ممالک کٹھ پتلیاں ہیں۔ انسان کو دسمت نظر عطا ہوتی ہے۔ دل و دماغ میں کشادگی آتی ہے اور ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہماری بین الاقوامی دنیا میں کیا حیثیت ہے۔ میں تمہیں لاکھ بتاتی اور پڑھاتی رہوں کہ مغربی دنیا ایسی ہے ویسی ہے' لیکن جب تک تم اپنی آنکھوں سے سب کچھ نہ دیکھ لو' کچھ جان نہیں پاؤ گے۔ یوں بھی یاد رکھنا مشاہدے اور تجربے کے نعم البدل کچھ نہیں۔

پہلی مرتبہ میں جان بوجھ کر تمہیں اکیلے بھیج رہی ہوں' لیکن مطمئن رہنا تم وہاں خود کو اکیلا کبھی محسوس نہیں کرو گے۔ وہاں ہر جگہ تمہارے میزبان موجود ہیں۔ میں چاہتی ہوں تم میں خود اعتمادی آ جائے---- یوں بھی تم نوجوان ہو۔ ممکن ہے میری موجودگی میں کوئی شرم محسوس کرو۔ آئندہ سے ہم دونوں اکٹھے ہی سفر کیا کریں گے۔" نجمہ بیگم نے اسے سب کچھ سمجھا دیا۔

اور----!

اس نے نجمہ کی باتوں کو سچ جان لیا۔

اس نے آج ہی ارسلان کو دس پندرہ پاسپورٹ سائز تصاویر بنانے کی ہدایت کی تھی کیونکہ اس کے کچھ پیپرز اور شناختی کارڈز متعلقہ بزنس سے متعلق تیار کرنے تھے۔ کچھ تصاویر یورپ میں اس کے میزبانوں تک پہنچانی تھیں۔ ارسلان تصاویر بنوانے چلا گیا۔

○ ○ ○

انسپکٹر اکرم نے جب کل رات کی کارگزاری پیش کی تو چوہدری غلام رسول کا جی چاہا کہ اٹھ کر اس کا منہ چوم لے۔ اس نے واقعی ایسا کارنامہ انجام دیا تھا کہ چوہدری صاحب نے جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اب وہ کم از کم اس پوزیشن میں آ گئے تھے کہ اس "وفاقی شخصیت" کو جس نے ان سے خصوصی رابطہ قائم کیا تھا' ملاقات کر کے اپنی کارگزاری پیش کریں اور سرکار دربار سے انعام کے طلب گار ہوں۔

"اکرم تم نے جو کچھ بھی کیا' اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ اس کا پھل تمہیں اگلی دنیا میں نہیں اس دنیا میں ملے گا۔ میں چوہدری غلام رسول خدا کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے لیے اپنی جان لڑا دوں گا' لیکن ایک وعدہ تم نے بھی مجھ سے کرنا ہے----!" چوہدری غلام رسول نے کہا۔

"حکم جناب!"

"جو کچھ ہم فائلوں کا پیٹ بھرنے کے لیے لکھ دیں گے آن دی ریکارڈ وہی کچھ ہو گا۔ اس کے علاوہ جو بھی "آف دی ریکارڈ" ہے وہ تمہارے اور میرے درمیان ایک راز ہے۔ میں تمہیں آج بتا رہا ہوں کہ اس معاملے میں وفاق کے کچھ لوگ دلچسپی لے رہے ہیں اور یہ ان کی خواہش ہے۔"

انسپکٹر اکرم کے لیے یہ کافی چونکا دینے والی یا سنسنی خیز خبر نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سرکاری ایجنسیاں سرکار کی زیادہ اور ملک کی کم خادم ہیں۔ اگر کسی نے ایمانداری سے سروس رولز پر عمل پیرا ہونے کی کوشش بھی کی تو اسے تیسرے درجے کا کارندہ بننا پڑا۔ یہاں ترقی اور منصب کے دروازے صرف ان پر کھلتے ہیں جو حالات کے نبض شناس ہوں اور جنہیں "خدمت کے فن" میں کمال حاصل ہو۔ اس نے دیکھا تھا کہ یہاں آج کے ڈائریکٹرز نئی حکومت آنے پر مجرموں کی طرح تفتیش کاٹ رہے ہوتے ہیں اور بمشکل غیرممالک میں جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

"جو حکم جناب----!" اس نے بڑے ہی اطاعت گزار لہجے میں کہا ---- "اگر جناب میری "ابراڈ" (غیرملک) پوسٹنگ کے لیے سفارش کریں تو جناب میرے بچے بھی آپ کو دعائیں دیں گے۔"

"میں نے کہا ناں اکرم صاحب کہ میں اپنے وعدے کا پابند ہوں۔"

"مجھے بھی جناب حکم کا پابند ہی پائیں گے۔"

"ٹھیک ہے اب تم معمول کا کام کرو گے۔ اس کیس کو ختم ہی سمجھو۔ اگر مناسب ہوا تو میں خود ہی تمہیں اگلی ہدایات دوں گا۔"

"او کے سر!" اس نے ایڑیاں بجائیں اور باہر آ گیا۔

○ ○ ○

چوہدری غلام رسول نے آخری داؤ خود کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اب خود ارسلان سے ملنے جا رہا تھا۔ ابھی تک اکرم کو بھی اس نے علم نہیں ہونے دیا تھا کہ ارسلان سے اس کا براہ راست رابطہ ہے۔

دوسرے روز صبح ہی اس نے ارسلان کو فون کر کے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی اور اسے ملاقات کی جگہ بھی بتا دی تھی---- دوپہر تک دونوں وہیں پہنچ چکے تھے۔

چوہدری غلام رسول نے ساری زندگی پولیس سروس میں گزاری تھی' لیکن اس وقت وہ اپنا "پولیسانہ" انداز ایک طرف رکھ کر بڑی عاجزانہ گفتگو کر رہا تھا۔

"مختاراں بائی اور اس کی بیٹی کا ملک صاحب سے کیا تعلق ہے؟" اس نے ادھر ادھر کی دو چار باتیں کرنے کے بعد براہ راست مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

اچانک سوال نے ایک لمحے کے لیے تو ارسلان کو گڑبڑا کر ہی رکھ دیا' لیکن اب وہ بڑا کامیاب اداکار بن چکا تھا اور اپنے چہرے کے تاثرات چھپائے رکھنے پر تو اسے کمال حاصل ہو گیا تھا۔

"ایک طوائف کا کسی سیاسی تماش بین سے کیا تعلق ہو سکتا ہے----؟"

اس نے چوہدری کے سوال کا جواب بھی سوالیہ انداز میں دیا تھا۔

"تم تو وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔"

"ہاں! پہلے کسی اور کی ڈیوٹی تھی' اب میری ہے۔ جب ملک صاحب حکم دیں اسے جا کر لے آتا ہوں۔ ان کی داشتہ ہے اور کیا.....!" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اختر کا جانا بھی یہاں رہتا ہے؟" چوہدری نے یہ سوال اس کی طرف تیکھیوں سے دیکھتے ہوئے کیا تھا۔

"چوہدری صاحب اختر کوئی بہت اچھا لڑکا نہیں۔ میں بہت معذرت سے عرض کر رہا ہوں کہ وہ دلال قسم کا آدمی ہے۔ اس کا کام ملک صاحب کے لیے نئی سے نئی عورتوں کی تلاش اور انہیں ملک صاحب کی خواب گاہ تک پہنچانا ہی تھا۔ جب سے وہ غائب ہوا ہے' یہ ڈیوٹی بادل نخواستہ مجھے دینی پڑتی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں میں بھی کوئی ایسا سادھو سنت نہیں ہوں نہ ہی وہ میری کوئی عزیزہ ہے۔ اس لیے موقعہ ملنے پر خود بھی داؤ لگا لیتا ہوں۔ پھر مفت کی مرغی کون

پسند کرتا ہے جناب----!" اس نے چوہدری کو بظاہر اس انداز سے جواب دیا کہ اگر اس کے ذہن میں اس کے متعلق کوئی غلط خیال ہو تو وہ ختم ہو جائے۔

"او یار کس چکر میں پڑ گئے۔ بھئی ہم نے کب منع کیا ہے۔ کرو موجیں۔ ملک صاحب کا مال ہے۔ بس ہمیں تو اپنے کام سے مطلب ہے۔ اچھا تمہارا کیا خیال ہے یہ عورت اختر کے اچانک غائب ہو جانے پر کچھ روشنی ڈال سکے گی؟"

اس مرتبہ اس سوال نے پھر ارسلان کو چونکا کر رکھ دیا۔ اس نے سوچا اگر یہ لوگ پہلے ہی نازنین کے کوٹھے پر پہنچ گئے تو وہ شاید خوفزدہ ہو کر ملک صاحب کی تصاویر بنوانے سے انکار نہ کر دے۔ اس کے علاوہ اسے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ مختاراں بائی کو بھی اختر کے متعلق اتنا ہی علم تھا جتنا ارسلان کو۔ وہ بھی انٹیلی جنس والوں کو یہی کچھ بتاتی جو ارسلان بتا رہا تھا۔

"میرے خیال میں اس کے علاوہ تو اسے بھی کسی بات کا علم نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے برنس کے حوالے سے ہی شاید کچھ بتا سکے---- یا یہ بھی ممکن ہے کہ اختر نے اسے اعتماد میں لیا ہو۔ بہرحال میں اس سلسلے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔" اس نے گول مول سا جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میرا بھی یہی خیال ہے۔ بہرحال تم ذرا اس نازنین کو کریدنا۔ شاید کوئی کام کی بات نکل ہی آئے۔"

"میری طرف سے تو آپ مطمئن ہو جائیں۔ ہم تو جناب آپ کے خادم ہیں۔ یاروں کے یار ہیں۔ جب آپ سے کہہ دیا کہ میری آپ کی دوستی پکی تو پھر کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

"تم اسے ذرا ٹٹولو۔ اگر گھی سیدھی انگلیوں سے نکل آئے تو ٹھیک ورنہ پھر ہم خود کچھ کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے لیکن اس بات کا آپ کو یقین دلا دوں کہ اگر وہ کچھ جانتی ہے تو مجھ سے چھپا نہیں سکتی۔ میں اب اسے کچھ کچھ جاننے لگا ہوں----!" ارسلان نے بے شرموں کی طرح ایک آنکھ دبائی۔

"ٹھیک ہے۔ اچھا ایک بات ہے۔ میرا خیال ہے تم بہتر مشورہ دے سکو گے۔ کیا ایسا تو نہیں کہ ملک نے انہیں مروا ڈالا ہو---- یا پھر وہ دونوں کہیں پولیس مقابلے میں مارے گئے ہوں کیونکہ ہمارے ایک سب آفس نے دو گمنام لاشوں کی رپورٹ درج کروائی تھی۔"

چوہدری نے آخری بات بالکل لاشعوری طور پر اور محض بات برائے بات کے انداز میں کہی تھی لیکن اس نے ارسلان کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھ لیا تھا' پھر جلد ہی ارسلان نارمل ہو گیا۔

"کچھ بھی ممکن ہے جناب۔ کچھ بھی ممکن ہے۔ آپ اس آدمی کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ وہ دونوں اس کے انتہائی خاص آدمی تھے۔ مجھے تو ان کی موجودگی میں ملک صاحب نے کبھی زیادہ منہ لگانا پسند ہی نہیں کیا۔ یوں بھی ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ کسی نوجوان کو ملک کے نزدیک نہ پھٹکنے دیں۔ شاید اس طرح وہ اپنے لیے کوئی خطرہ محسوس کر رہے تھے؟ یہ بھی ممکن ہے انہیں کسی دشمن نے مروا کر غائب کر دیا ہو۔ بندے تو وہ واردات قسم کے تھے۔ چوری ڈاکے تو ان کے معمول تھے۔ ہمارا لڑائی جھگڑوں سے واسطہ رہتا ہے لیکن یہ مجرمانہ قسم کے کاموں سے میں تو کوسوں دور بھاگتا ہوں۔ جب اس کے بغیر ہی کام چل رہا ہے تو ضرورت کیا ہے کچھ کرنے کی؟"

چوہدری غلام رسول کا مقصد حل ہو گیا تھا۔۔۔۔!

اس نے وفاقی شخصیت کو پیش کرنے کے لیے مکمل کیس تیار کر لیا تھا۔

اب اس نے پچھلے دو تین ماہ میں نزدیکی پولیس اسٹیشنوں سے تمام لاوارث لاشوں کا ریکارڈ منگوانا تھا۔ اس کام میں اکرم سے زیادہ اس کی مدد کون کر سکتا تھا۔ اکرم کے ذریعے اس نے آدھی جنگ جیتی تھی اور اب وہ آخری حملہ کرنے جا رہا تھا۔

یہاں سے رخصت ہو کر جب وہ دفتر پہنچا تو اکرم چھٹی لے کر جانے والا تھا' لیکن چوہدری صاحب نے اسے نئے انکشافات سے آگاہ کر دیا۔ اس نے اپنے سیکشن کے تمام ملازمین کی ڈیوٹی اس کام پر لگا دی تھی۔ چوہدری صاحب نے اندازے سے گرد و نواح کے پندرہ بیس تھانے مارک کیے تھے۔ وہ چونکہ خود پولیس ڈیپارٹمنٹ سے آیا تھا۔ ایک ایڈوانٹیج بھی اسے حاصل تھا کہ ان میں بہت سے تھانوں میں اس کے سابقہ ماتحت ہی انچارج لگے ہوئے تھے اور اپنے وسیع تعلقات کی بنا پر وہ ان سے بہتر کام لے سکتا تھا۔

دو تین دن کی اس ایکسرسائز سے ہی چوہدری صاحب کو گوہر مقصود ہاتھ لگ گیا اور ایک مضافاتی تھانے سے انہیں ڈاکے کی مکمل تفصیلات اور وہ گمنام ڈاکوؤں کی لاشوں کی رپورٹ مل گئی۔ مردہ لاشوں کی تصویریں اس نے ریکارڈ سے حاصل کر لی تھیں اور اب وہ ان کا موازنہ اغوا کنندگان کی تصویروں سے کر رہا تھا۔ یہ تصویریں بہت عرصے پہلے انٹیلی جنس نے حاصل کر لی تھیں۔

چوہدری غلام رسول کو اس انکشاف نے بوکھلا کر رکھ دیا کہ مرنے والوں کی شکلیں ہو بہو ان دونوں سے ملتی تھیں۔ اتنی عظیم کامیابی کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں۔ بدن پر لرزہ طاری تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے لاینحل کیس حل کیے تھے' لیکن یہ کامیابی اس کی تقدیر کا رخ موڑنے کے لیے کافی تھی۔

اب وہ بے قراری سے وفاقی شخصیت کی غیر ملکی دورے سے واپسی کا منتظر تھا' جس کے سامنے اس نے اپنی کارکردگی بیان کرنی تھی۔ یہ وفاقی شخصیت ایک ہفتے کے غیر ملکی دورے پر گئی ہوئی تھی اور چوہدری غلام رسول اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ وہ ایک ایک پل گن گن کر گزار رہا تھا۔

○ ○ ○

ملک نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ جب سے اس کے علم میں یہ بات آئی تھی کہ اس مرتبہ صوبائی لیگ میں اس کے "حاسد دھڑے" نے اسے صوبائی کے بجائے صرف مرکزی اسمبلی کا ٹکٹ دلانے کی سازش شروع کر دی ہے تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔۔۔۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ لوگ اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ اگر اس مرتبہ بھی ملک صاحب منتخب ہو کر صوبائی اسمبلی میں آ گئے اور یہاں صوبائی لیگ کی حکومت بن گئی تو نہ صرف وہ خود وزارت حاصل کر لیں گے بلکہ کم از کم دو اور اہم ترین پورٹ فولیو بھی اپنے گروپ کے لوگوں کو دلائیں گے۔ اس طرح صوبے کی سیاست پر عملاً" ان کو کمانڈ حاصل ہو جائے گی اور وزیراعلیٰ بھی ان کا محتاج ہو کر رہ جائے گا۔

اس صورت حال کا علاج ان کے حاسدوں کے پاس یہی تھا کہ پارٹی کی مرکزی کمان کو ایسا چکر دیا جائے کہ وہ ملک صاحب کو صوبائی حلقے سے ٹکٹ ہی جاری نہ کریں۔

مخالفین کے اس گروپ کے اجلاس کی مکمل رپورٹ ملک کو مل چکی تھی اور وہ اس سازش کو پنپنے کا موقعہ دینے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی اہمیت منوانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور آج کا اجلاس جو اس نے طلب کیا تھا وہ اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

ارسلان اور اس کی تنظیم کے چار پانچ اہم ترین ممبرز اس وقت ملک صاحب کے ساتھ ہی اہم میٹنگ کر رہے تھے۔

"کل سے جلوسوں کا آغاز کر دو اور یہ سلسلہ دونوں کی برآمدگی تک جاری رہنا چاہیے۔ ان اخبارات کو بیان جاری کر دو اور کل صبح نو بجے تمام لڑکوں کو مال روڈ پر جمع کر لو۔ یہ گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔ کمال ہے میں اگر اتنے روز سے چپ ہوں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم بزدل ہو گئے ہیں۔ مجھ سے اب دونوں کے اوسان کا دکھ دیکھا نہیں جاتا۔۔۔۔ آخر کب تک انہیں جھوٹی تسلیاں دیتے رہیں۔ اگر سارے ملک کی سیکورٹی ایجنسیاں اور اس صوبے کی پولیس دو بے گناہ نوجوانوں کا اتہ پتہ نہیں لگا سکتی تو پھر جائے جہنم میں۔۔۔۔ اب

سٹوڈنٹس خود ہی اپنے ساتھیوں کا پتہ لگا لیں گے---- ایک بات کان کھول کر سن لو۔ کل اپنی طاقت کا پورا پورا مظاہر کرنا---- پولیس کو دیکھ کر دم دبا کر بھاگنا نہیں' مقابلہ کرنا ہے مقابلہ---- ان کو اپنی طاقت کا احساس دلاؤ۔ یہ سالے طاقت کی زبان کے علاوہ اور کوئی زبان ہی نہیں سمجھتے اور ہاں میں تمہارے پیچھے---- دیوار کی طرح کھڑا ہوں' لیکن میرا نام کسی کی زبان پر نہیں آنا چاہیے۔ ایکشن کسی بھی وقت اناؤنس ہو سکتا ہے اور پارٹی اس وقت کسی ایجی ٹیشن کی متحمل نہیں ہو سکتی' لیکن کیا کریں کل کو اگر ہماری حکومت نہ رہی تو ہم کہاں فریاد کریں گے---- جس حکومت کے دور میں یہ ظلم ہوا ہے۔ انصاف بھی وہی حکومت کرے گی---- شاباش تم اپنے اپنے مشن پر نکل جاؤ۔ لڑکوں کو راتوں رات ہوشیار کر دو۔ گرفتاری وغیرہ سے ہرگز نہ گھبرانا۔ راتوں رات تمہارے پلے کارڈز تیار ہو جانے چاہئیں۔"

اس نے لڑکوں کو ہدایات جاری کر کے رخصت کر دیا۔ ارسلان کو اس نے اپنے پاس ہی روک لیا تھا اور اب وہ اس سے مخاطب تھا۔

○ ○ ○

"یار بڑی ذہنی تھکاوٹ ہو رہی ہے---- کوئی بندوبست کرو بھئی۔ اب اس بوڑھے کا خیال بھی تم نے ہی رکھنا ہے۔ وہ تمہاری بیگم صاحبہ کو تو اپنے سیاسی چکروں سے نجات ہی نہیں ملتی-----!" ملک نے بڑی بے شرمی سے قہقہہ لگایا۔

جواب میں ارسلان نے بھی اس کا پورا پورا ساتھ دیا اور اب وہ یہاں سے سیدھا "بیگم صاحبہ" کے پاس جا رہا تھا۔

وہ آج ہی اپنے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ انٹیلی جنس مختاراں بائی کے کوٹھے تک پہنچے۔ وہ اس کھیل کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔

○ ○ ○

نجمہ بیگم نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اپنے سیف کا تالا کھولا اور ۵۰ ہزار روپیہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"کیا خیال ہے اس سے مطمئن ہو جائے گی وہ؟" اس نے ارسلان کی طرف دیکھا۔

"ہاں---- یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑیں۔"

اس نے نوٹ اپنے کوٹ کی جیب میں محفوظ کر لیے۔

"فوٹو گرافری کے لیے کیا بندوبست کیا آپ نے؟" اس نے نجمہ کی طرف دیکھا۔

"میں خود کروں گی۔"

"کک کیا مطلب----؟"

"مطلب یہ کہ میں خود تصویریں اتاروں گی اور اتنی صفائی سے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔ تمہیں شاید اس بات کا علم نہیں کہ کالج لائف میں فوٹو گرافری کا مقابلہ جیت چکی ہوں---- اور پھر اس کھیل میں ہم کسی تیسرے فریق کو داخل ہی کیوں کریں---- کیا ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ ساری تصویریں ہمیں لوٹا دے گا۔"

کمال کی ہوشیار عورت تھی وہ---- ارسلان اسے دل ہی دل میں نجانے کتنی مرتبہ داد دے چکا تھا۔

"میں فریج میں شراب کے تیز نشے والی بوتل رکھ دوں گی۔ تم خود وہ بوتل نکال کر نازنین کو دینا۔ بے فکر رہو۔ وہ زہر نہیں ہو گا۔" اس نے منصوبے کا اگلا حصہ بیان کیا۔

"یہ شخص معمولی زہر سے مرنے والے بھی نہیں نجمہ صاحبہ۔" ارسلان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"شاباش-----! تم اپنے مشن پر چلے جاؤ۔ میں بعد میں اپنا کام شروع کرتی ہوں۔ میں ان طوائف کے سامنے نہیں آؤں گی۔ اسے علم ہی نہیں ہو گا کہ تصویریں کس نے اتاری ہیں۔ تم بھی اس معاملے میں خاموشی اختیار کرنا۔"

"ٹھیک ہے جیسا آپ فرمائیں----!" اس نے نجمہ بیگم سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کا رخ اب اپنے کمرے کی طرف تھا۔

اپنی مختلف جیبوں میں ٹھونسے نوٹوں میں سے آدھے اس نے اپنی الماری میں رکھے۔ اسے تالا لگایا اور گاڑی میں بیٹھ کر مختاراں بائی کے کوٹھے کی طرف روانہ ہو گیا۔

مختاراں کی رال اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی ٹپکنے لگی۔ ارسلان اس کا ہاتھ پکڑ کر فوراً دوسرے کمرے میں لے گیا---- اس کے ساتھ ہی اس نے پچیس ہزار روپے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔

نائیکہ نے اتنے روپے اکٹھے کب دیکھے تھے۔ ندیدے بچوں کی طرح لپک کر اس نے روپے اٹھائے اور اپنی جھولی میں رکھ لیے۔

"کتنے ہیں بیٹا؟"

"پچیس ہزار!"

"اتنے کم-----؟"

"ایڈوانس ہے پی پی۔ اور ایک بات غور سے سن لینا۔ اب ہم نے ایڈوانس پکڑ لیا ہے اب بھاگنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ ان لوگوں کی دوستی کے جتنے فائدے ہیں' دشمنی کے اتنے نقصانات۔ پی پی! یہ تو سونے کی مرغیاں ہیں۔ ایک ایک کر کے ان کے انڈے نکالو گی مزے میں رہیں گے۔ ایک ہی مرتبہ چھری پھیر کر اپنا ہی نقصان کریں گے۔ میں نے جان بوجھ زیادہ ایڈوانس نہیں مانگا۔ کام ایسے کریں جیسے ہم احسان کر رہے ہیں ان پر' تب ہی بات گی--- چتنے پیسے میں نے تمہارے لیے ایڈوانس حاصل کیے ہیں ان سے آدھے پیسوں شریفاں کی بیٹیاں سارا کام کرنے کو تیار ہو جائیں۔ بس چپ چاپ میری بات مانتی رہو تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔" اس نے مختاراں بائی کی عقل پر پردہ ڈال دیا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔ جیسی تمہاری مرضی۔" شاید مختاراں بھی سمجھ گئی تھی کہ اب کوئی را نہیں بچا۔

اس نے نازنین کو سارے داؤ پیچ سکھا کر ارسلان کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ ارسلان جا بوجھ کر رات دیر گئے یہاں سے روانہ ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا اس درمیان ملک صاحب کی آ شوق اتنی بھڑک جائے کہ پھر وہ ہوس کے ہاتھوں بالکل اندھے ہو کر رہ جائیں۔

"اور ایسا ہی ہوا-----!"

جب وہ نازنین کے ساتھ کوٹھی پہنچا تو ملک صاحب بے چینی سے ان کے منتظر تھے مسلسل انتظار نے انہیں الجھن اور غصے میں مبتلا کر دیا تھا' لیکن نازنین کے سراپے پر نظر پڑ ہی ان کا غصہ ہوا ہو گیا۔

"ذرا تیاری میں دیر ہو گئی تھی سرکار اور یوں بھی اندھیرے کا انتظار ضروری تھا۔ آ عزت دار لوگ ہیں۔ اجالے میں کسی نے مجھے دیکھ لیا ہوتا تو....." اس نے ملک صاحب بانہوں میں بانہیں ڈال کر انہیں خوابگاہ کی طرف دھکیلا۔

ارسلان نے فریج سے بوتل نکال کر رکھی وی تھی اور نازنین اپنے کام میں مصروف گئی۔

"ملک صاحب میں ذرا ہوسٹل تک جا رہا ہوں صبح کا بندوبست کرنے۔" اس نے کمرہ سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"نہیں---- لڑکے اپنا کام کر لیں گے۔ تم آرام کرو۔ صبح جلدی نازنین کو چھوڑ آنا۔ انہوں نے ارسلان سے کہا۔

"ٹھیک ہے سر----!" کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

○ ○ ○

"باہر نکلتے وقت اس کی چھٹی حس نے کمرے کے بھاری بھرکم ریشمی پردے کے پیچھے اسے سراہٹ کا احساس دلا دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ملک صاحب کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے بیگم نے یہاں مورچہ سنبھال لیا ہو گا۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر وہ صوفے پر گر پڑا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے یہ انتہائی خطرناک قدم اٹھا کر اپنی زندگی سے جوا کھیلا تھا۔ اگر ملک صاحب کو ذرا سا بھی شک ہوا اور انہیں احساس ہو گیا کہ کوئی سازش کی گئی ہے تو وہ مختاراں اور نازنین کو ارسلان سمیت اس طرح غائب کروا دیتا کہ بعد میں ان کا نام و نشان نہ ملتا----!

اس کا دل خزاں کے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ دل ہی دل میں نجانے کتنی مرتبہ اس مرحلے کو بخیر و خوبی گزر جانے کی دعا مانگ رہا تھا۔ نجمہ لاکھ چالاک ہوشیار سہی' لیکن یہ بھی تو ممکن ہے اس سے کوئی غلطی ہو جائے۔

اس اذیت ناک صورت حال سے بچنے کے لیے وی سی آر پر ایک بیہودہ فلم چلا دی تھی' اس فلم میں اس کا دل بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ دو گھنٹے تک اس نے اس کیفیت کا عذاب جھیلا۔ جب اچانک ہی اس نے بلی کی طرح دبے قدموں نجمہ بیگم کو اس طرف آتے دیکھا۔ کیمرہ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور اس کا چہرہ احساس فتح سے تمتما رہا تھا۔ ارسلان کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس نے اپنی دو انگلیوں سے فتح کا نشان بنایا اور فتح کے نشے سے لڑکھڑاتی اس کے نزدیک آتی گئی۔ اس نے ارسلان کا ہاتھ مضبوطی سے دبا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو ارسلان سہم کر رہ گیا۔

"تھینک یو ارسلان----!" اس کی آواز آج ارسلان کو معمول سے بالکل مختلف سنائی دے رہی تھی۔ ایک خمار سا اس پر طاری تھا۔

ارسلان نے اس کے ہاتھ میں دنیا کا جدید ترین کیمرہ دیکھ لیا تھا۔ ایسا کیمرہ جو فلش لائٹ کے بغیر بھی اندھیرے میں تصویریں اتار سکتا تھا جب کہ اندر تو اچھی خاصی روشنی تھی۔

"صبح ملاقات ہو گی----!"

کہہ کر اس نے ارسلان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور فتح کے نشے کی اسی کیفیت سے سرشار

سیڑھیوں کی طرف چل دی۔ سیڑھیوں کے خاتمے پر اپنے کمرے کے دروازے پر رک کر اس نے ایک مرتبہ پھر ارسلان کی طرف گہری نظروں سے دیکھا اور ایک عجیب سا اشارہ کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ارسلان کو اپنے خون میں انگارے دہکتے محسوس ہونے لگے تھے۔ اس کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا۔ وہ خود کو ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

رات ڈھل رہی تھی جب نازنین دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس نے صوفے پر اونگھتے ہوئے ارسلان کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا اور اپنے ساتھ باہر آنے کا اشارہ کیا۔ ارسلان اٹھ کر زور دار انگڑائی لی اور اس کے ساتھ کار کی چابی سنبھالتا باہر آ گیا۔

"کون تھی وہ؟ میں نے اسے دیکھا تھا۔ کوئی عورت تھی؟" اس نے ارسلان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا۔

"کیا مطلب تمہاری عقل گھاس چرنے تو نہیں گئی---- کہیں تم نے بھی ملک صاحب کے ساتھ چڑھا تو نہیں لی؟"

ارسلان نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

جواب میں نازنین قسمیں کھانے لگی کہ اس نے ایک عورت کو پردے کے پیچھے سے تصویریں اتارتے دیکھا ہے۔ بمشکل ارسلان اسے یقین دلانے میں کامیاب ہوا کہ وہ عورت نہیں مرد تھا۔ ہاں اس کے چونکہ بڑے بڑے تھے اس لیے شاید اس نے لڑکی سمجھ لیا ہو۔

"تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔ ویسے وہ تھی کوئی عورت۔" نازنین نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا بھئی جو تم کہہ رہی ہو وہی سچ ہو گا۔ اب کیا ہو سکتا ہے؟" ارسلان نے زچ آنے کے انداز میں کہا۔

"آپ تو ناراض ہو گئے----!" نازنین نے بے ہودہ سی حرکت کرتے ہوئے کہا۔

نازنین کو وہ اس کے کوٹھے کی سیڑھیوں تک چھوڑ کر واپس آ گیا۔ بازار کی رونقیں ماند پڑ چکی تھیں۔ دکاندار اپنی دکانیں بڑھا رہے تھے اور کسی بھی دم ایک منحوس صبح یہاں اترنے والی تھی۔ بازار میں کہیں کہیں گشت کرتے مقامی تھانے کے اکا دکا سپاہی تھے یا پھر کھانے کی دکانوں کے باہر تماش بینوں کی چچوڑی ہوئی ہڈیوں پر منہ مارتے خارش زدہ کتے---- اور بلکہ بلیاں----!

واپس آ کر وہ ڈرائنگ روم میں صوفے پر ہی بے سدھ ہو کر گر پڑا۔

○ ○ ○

اسے ملک صاحب نے بازو ہلا کر بیدار کیا تھا----!

"سوری سر----!" اس نے دیوار پر لگی گھڑی پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔

صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔

"کوئی بات نہیں یار۔ آج تو میری آنکھ بھی نہیں کھل رہی تھی۔ جانے اس سالی نے کیا پلا دیا۔ ابھی تک دماغ گھوم رہا ہے۔ شاید میں کچھ زیادہ ہی پی گیا تھا۔" ملک صاحب بولے۔

"سر! چیز ہی ایسی تھی۔" اس نے بے شرموں کی طرح دانت نکالتے ہوئے کہا۔

جواب میں ملک نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

تیار ہو کر انہوں نے ناشتہ اکٹھے ہی کیا۔ اس کے بعد ارسلان طلباء کا جلوس منظم کرنے کی مہم پر نکل گیا۔ ملک صاحب نے اسے سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ سامنے نہ آئے اور پیچھے ہی رہے۔ وہ اتنے کام کے نوجوان کو ایک لمحے کے لیے بھی خود سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ملک نے اپنے کمرے میں ٹیلی فون سنبھال لیا تھا۔ وہ اخبارات میں اپنے زر خرید صحافیوں کو اس جلوس کی شاندار کوریج کی ہدایات جاری کر رہا تھا اور جواب میں "یس سر! یس سر! مطمئن رہیے سر----! ملک صاحب خادم ہیں آپ کے۔" جیسے جوابات سن رہا تھا۔

یہ جلوس اتنا اچانک اور بھرپور تھا کہ انتظامیہ چکرا کر رہ گئی۔ نوجوانوں نے پلک جھپکتے شہر کی مصروف ترین شاہراہ پر چار سرکاری بسیں روک کر انہیں نذر آتش کر دیا۔ طلباء اتنے بپھرے ہوئے تھے کہ جب ہنگامی پولیس کے دستے انہیں منتشر کرنے کے لیے پہنچے تو وہ پولیس سے ٹکرا گئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے مال روڈ میدان جنگ کا منظر پیش کرنے لگی۔

○ ○ ○

ایک طرف تو نوجوان طلباء پولیس پر پتھراؤ کر رہے تھے اور دوسری طرف سے پولیس بھی نوجوان طلباء پر پتھر پھینک رہی تھی۔ آنسو گیس کے گولوں نے فضا مکدر کر دی تھی اور نزدیک کی آبادیوں میں سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔

دو تین گھنٹے پولیس اور طلباء کا جم کر مقابلہ ہوا۔

اس دوران مختلف اخبارات کے صحافی اپنے پیشہ ورانہ فرائض جان ہتھیلی پر رکھ کر ادا کرتے رہے۔ دو تین فوٹوگرافروں کو بھی پولیس نے بری طرح پیٹ ڈالا اور ان کے کیمرے چھین کر فلمیں ضائع کر دیں۔ اس کے باوجود کچھ فوٹوگرافرز تصویریں بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

نیا آئی جی جو صوبائی سربراہ کا رشتہ دار بھی تھا' اس صورت حال سے بوکھلا کر رہ گیا۔ وہ اب تک نجانے کتنی مرتبہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو کوس چکا تھا جن کے ملازمین کی فوج ظفر موج شہر میں دندناتی پھرتی ہے اور جنہیں طلباء کے اس جلوس کی بھنگ کی خبر نہ ہو سکی۔

بڑی مشکل سے طلباء کو منتشر کیا گیا۔ سرکاری املاک کی تباہی' نجی طلباء اور پولیس والے تشدد کا شکار صحافی اور رپورٹرز' متاثرین راہ گیر اور ان کی گاڑیاں---!!

وہاں کوئی ایک مسئلہ تو نہیں تھا۔ مقامی انتظامیہ کو صورت حال کی سنگینی کا مکمل احساس تھا اور وہ جانتے تھے کہ کل کے اخبارات میں پولیس کی بہیمانہ کارروائی کی خبریں چھپیں گی تو عوام میں اس کا ردعمل کتنا شدید ہو گا۔

صوبائی سیاسی لیگ کے سیاستدان اپنی جگہ پریشان تھے کہ مرکزی پارٹی "ایشو" کو بنیاد بنا کر ان کے خلاف عوامی طوفان کھڑا کر دے گی اور ان کی ساکھ کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔

اس وقت صوبائی وزیراعلیٰ کے ہاں ہنگامی اجلاس ہو رہا تھا جس میں کابینہ اور انتظامیہ کے اعلیٰ اراکین کے علاوہ پارٹی کے سینئر عہدے دار بھی موجود تھے لیکن ملک صاحب حاضر نہیں تھے----!

جب سیکرٹری جنرل نے انہیں ہنگامی میٹنگ کی اطلاع دی تو انہوں نے خرابی صحت کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی۔

ہر کوئی اپنا نقطہ نظر بیان کر رہا تھا لیکن نوجوان اور جہاندیدہ صوبائی سربراہ کچھ اور سوچ رہا تھا--- وہ جانتا تھا انقلابی طلباء تنظیم کی ڈوریں کس کے ہاتھ میں ہیں اور کس کے اشارے پر یہ لوگ اتنے بپھرے ہوئے ہیں۔

وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنی سیکرٹری کو پیچھے آنے کا اشارہ کر کے وہ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

"ملک صاحب کے گھر جانا ہے۔ ابھی اسی وقت----!" انہوں نے سیکرٹری سے کہا۔

"او کے سر۔" سیکرٹری نے حفاظتی گارڈ کو مطلع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد ملک صاحب کے گھر ان کی مزاج پرسی کر رہے تھے۔

"کیا بات ہے ملک صاحب نصیب دشمناں طبیعت کچھ خراب ہو گئی کیا؟" وزیراعلیٰ نے بڑی ذو معنی سی بات کہہ دی تھی۔

"ہم تو کمزور بندے ہیں جناب۔ ذرا سا موسم بگڑا اور طبیعت خراب ہو گئی۔ ظاہر ہے اب سردی گرمی کا اثر تو ہوتا ہی ہے۔" ملک نے بھی پکی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

"ملک صاحب یہ لڑکوں کا کیا مسئلہ ہے؟ آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔" انہوں نے گلہ کرنے کے انداز میں کہا۔

"جناب میری کیا حیثیت ہے۔ آپ کے منہ چڑھے لوگ جو میرے خلاف مینشنیں بلاتے رہتے ہیں' وہی جانتے ہوں گے۔"

"میں سمجھا نہیں؟" واقعی یہ خبر وزیراعلیٰ کے لیے نئی تھی۔

"جناب والا! ہم تو سیاسی بندے ہیں۔ اپنی آنکھیں اور کان کھلے نہ رکھیں تو ہمیں کوئی پوچھتا نہیں دے گا۔ آپ کو یہ لوگ اپنا دوسرا چہرہ دکھاتے ہیں' ان کا اصلی چہرہ میں نے دیکھا ہے۔ جناب والا! اگر بھنڈر جیسے لوگ ہمارے لیے نکٹوں کا فیصلہ کریں گے تو پھر ہم نے تو سائیں جھک ماری---- ہم تو سیاستدان نہ ہوئے۔ ہماری حیثیت تو پھر منشیوں والی ہو گئی ناں۔" ملک صاحب کیا کیا کہہ رہا تھا۔

مدبر' نوجوان اور حالات پر نظر رکھنے والے وزیراعلیٰ کو ساری بات کی سمجھ آ گئی تھی۔

"ملک صاحب میرے ہوتے ہوئے آپ کی طرف کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہو گا---- کس کی مجال ہے جو ہمارے ہوتے ہوئے آپ کے خلاف سازش کرے گا۔"

"ٹھیک ہے جناب جیسا آپ کا حکم۔ یہ لڑکے سر پھرے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی ہمیں بھی آنکھیں دکھانے لگتے ہیں۔ غلطی میری ہی تھی ذرا ہاتھ تنگ ہے آج کل۔ خرچ پانی تھوڑا کم کر رہا ہوں' خیر کچھ کرتے ہیں۔" ملک نے ایک اور پتہ پھینکا دیا۔

"اس کی آپ پروا نہ کریں۔ ہمیں صوبے میں امن و امان چاہیے۔ خواہ اس کی کچھ ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔"

ملک صاحب کو وزیراعلیٰ صاحب اپنے ساتھ میٹنگ میں واپس لے آئے تھے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر وہاں انقلابی طلباء تنظیم کے لیڈر جمع ہو چکے تھے۔

انتظامیہ سے میٹنگ کے بعد انہوں نے اپنی تحریک ختم کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے بدلے میں انتظامیہ نے تمام گرفتار شدہ طلباء کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا۔ تنظیم کے جنرل سیکرٹری ارسلان کی طرف سے اخبارات کو جو بیان جاری کیا گیا اس میں کہا گیا تھا کہ انہوں نے جلوس نکالا اور جس کا مقصد صرف اپنے ساتھیوں کی بازیابی کا مطالبہ کرنا تھا۔ مخالف تنظیم کے کارکن بھیس بدل کر اس جلوس میں شامل ہو گئے جنہوں نے ساری توڑ پھوڑ کی اور پولیس پر

حملے بھی کیے۔

جنرل سیکرٹری صاحب نے اس صورت حال کی زبردست مذمت کرتے ہوئے طلباء سے اپیل کی تھی کہ وہ اپنی صفوں میں گھس آنے والی بھیڑوں کو نکال باہر پھینکیں۔ انہوں نے صوبائی انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا اور زور دے کر کہا کہ طلباء کی ہمدردیاں صوبائی سیاسی لیگ کے ساتھ ہیں اور آئندہ الیکشن میں وہ صوبائی سیاسی لیگ کی الیکشن مہم چلائیں گے۔

○ ○ ○

چوہدری غلام رسول اس وقت "مرکزی شخصیت" کے سامنے موجود تھا۔ ان کی ملاقات اسی ریسٹ ہاؤس میں ہوئی تھی۔ اس نے ایک ایک کر کے تمام واقعات کی تفصیلات ثبوت کے ساتھ سامنے رکھ دیں۔

"ویل ڈن---- چوہدری صاحب کمال کر دیا آپ نے۔ دل خوش کر دیا۔ اب آپ دیکھیں ہم آپ سے کیسے دوستی نبھاتے ہیں۔" مرکزی شخصیت کے وزیر نے تصاویر اور فائل اپنے بریف کیس میں رکھتے ہوئے کہا۔

"جناب آپ دیکھیں گے کہ میں دو چار روز کے اندر قاتلوں کو گرفتار کر کے قانون کے سامنے پیش کر دوں گا۔" چوہدری صاحب نے ترنگ میں آ کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں----!" مرکزی وزیر کا لہجہ بڑا سرد اور بدلا بدلا تھا۔

"میں سمجھا نہیں جناب۔ دو قتل ہوئے ہیں اور ملکی امن و امان کی حالت خطرے میں ہے----- آپ فرما رہے ہیں کہ ہم قاتلوں کو گرفتار نہ کریں۔" چوہدری نہ جانے یہ سب کچھ کیسے کہہ گیا۔

"چوہدری صاحب! آپ صرف اتنا کیجئے جتنا آپ سے کہا گیا۔ اسی طرح ہماری دوستی قائم رہ سکتی ہے۔ اس کیس کی فائل بند ہو جانی چاہیے۔ آپ نے جتنا فائلوں کا پیٹ بھر دیا کافی ہے---- اگر آپ نے زیادہ ہی وفاداری دکھائی تو پھر مجھے افسوس سے کہنا پڑے گا کہ آپ اکیلے رہ جائیں گے۔"

چوہدری غلام رسول کو زندگی میں پہلی مرتبہ کسی وزیر پر غصہ آیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ اس کا منہ نوچ لے لیکن وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا۔

صرف سوچ سکتا تھا۔

غصے سے پاؤں پٹختا وہ چپ چاپ وزیر صاحب کو سلام کر کے باہر آ گیا۔ وزیر نے کچھ

گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ وہ بھی خطرے کی بو میلوں دور سے سونگھنے والا سیاسی گرگ جہاندیدہ تھا۔

اگلی صبح جب چوہدری غلام رسول اپنے آفس پہنچا تو اس کو ایک سرکاری حکم نامہ تھما دیا گیا۔

چوہدری صاحب کی تبدیلی یہاں سے پانچ سو میل دور اسی عہدے پر ایک اور ضلع کی پولیس لائن میں کر دی گئی تھی----!

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتے رہے۔ پھر بے دم ہو کر کرسی پر ڈھیر ہو گئے۔

دوستی کے نام پر

آج جب اچانک اس نے کانتا کو فون کیا تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ فون پر تو وہ یہی محسوس کر رہا تھا۔ حقیقت کیا تھی' اس کا علم اسے نہیں تھا۔

"کہاں غائب ہو گئے تھے آپ؟ فون اٹھایا ہی نہیں"۔ اس نے بغیر ہی پوچھا۔

"بس میں نے یہی اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے میں نے فلیٹ بدل لیا۔" اس نے نیا نمبر لکھاتے ہوئے کہا۔ ششما جی کیسی ہیں؟"

"ایک دم شاندار---- وہ بھی آپ کے اچانک غائب ہونے پر پریشان ہیں۔" اس نے فون ششما کو پکڑا دیا۔

ششما نے روایتی انداز سے اس کے نہ ملنے کا گلہ کیا اور ارسلان نے موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دے ڈالی۔ "ذرا علیحدگی میں باتیں کر لیں گے' ویسے تو موقع نہیں ملتا۔ پھر آپ بھی تو دو تین روز بعد واپس چلی جائیں گی۔" اس نے کہا۔

"اوہ ضرور! کیوں نہیں۔ کب آ رہے ہیں آپ؟" ششما جیسے اس کی دعوت ہی کی منتظر تھی۔

"آج بلکہ ابھی----! بس ایک گھنٹہ میں پہنچتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ویل ڈن----!" اس کے فون رکھتے ہی رضوی بولا۔

اس نے فون رضوی کی موجودگی ہی میں کیا تھا۔ یہ شخص اسے کچھ الگ سا لگا تھا۔ آدمیوں کی اس بھیڑ میں کسی محب وطن کی موجودگی کو وہ نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔

"اب یہ بھی بتا دیں کہ مجھے کرنا کیا ہو گا؟" اس نے رضوی سے دریافت کیا۔

"ارسلان صاحب! یہ کافی ہوشیار لڑکی ہے اور لندن میں بھارتی سفارت خانے میں موجود "را" کے نیٹ سے وابستہ ہے۔ کسی بھی طرح اس سے دوستی کر لو---اگر ذرا "پکی دوستی" ہو جائے تو "ویل اینڈ گڈ----!" اس نے آنکھ دباتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"رضوی صاحب! اگر اس دوستی سے ملکی خدمت میں میرا بھی کچھ حصہ پڑ سکتا ہے تو میں حاضر ہوں۔ آپ مطمئن رہیے۔ آج اسے اس فلیٹ پر ضرور لے آؤں گا۔"

"شکریہ دوست! یہاں اپنے خانساماں کے روپ میں تم مجھے موجود پاؤ گے۔" رضوی نے کہا۔

"یہ کچھ مناسب نہیں لگتا----!" ارسلان شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

"ارے بھائی۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ ہمیں تو بسا اوقات آدمی سے گدھا بننا پڑتا ہے۔ پروا نہ کرو--- بس ذرا نارمل رکھنا خود کو۔ خصوصاً مجھ سے بات کرتے ہوئے مجھے اپنا خانساماں ہی سمجھ کر مخاطب کرنا۔ لڑکی ہوشیار ہے۔ ذرا چوک گئے تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔"

"بے فکر رہیے۔ مجھے خانساموں سے نمٹنے کا تجربہ حاصل ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنی کار پر کانتا کے گھر جا رہا تھا۔

آج مقامی چھٹی تھی اور کانتا گھر پر ہی اس کی منتظر تھی۔ دونوں نے اس کا جی جان سے استقبال کیا۔ اس کی تواضع ایک مرتبہ پھر بیئر سے کی گئی۔ اس مرتبہ کانتا جان بوجھ کر ششما کو گفتگو کا موقع دے رہی تھی۔ اب تک وہ بہانے بہانے سے دو مرتبہ دس پندرہ منٹ کے لیے غائب ہو چکی تھی۔ اس مرتبہ پھر وہ کسی کام کے بہانے اٹھ کر گئی تو ششما اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک آن بیٹھی۔

"ارسلان صاحب! ہمارے درمیان دوستی کی ایک اہم وجہ ہمارا مشترکہ مشن بھی ہے۔ اگر میں غلطی نہیں کر رہی تو آپ بھی میری طرح یقیناً اپنے ملک کے نوجوانوں کی بہتری اور تابناک مستقبل کے خواہاں ہوں گے----!" اس نے آج پہلی مرتبہ اس نوعیت کی باتیں کی تھیں۔

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں!" ارسلان نے چائے کا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"میں کہتی ہوں کہ آخر ہم جو ہندوستان کے نوجوان ہیں۔ ابھی تک اپنے بزرگوں کے ورثے کو کیوں جان سے لگائے بیٹھے ہیں۔ ارسلان صاحب! ہمارے بزرگوں نے ہمیں نفرت' کینہ' بغض اور ایک طویل تھکا دینے والی سرد جنگ کے سوا دیا کیا ہے؟

میرے خیال سے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم تیسری دنیا کے نوجوان اپنی سوچ کو آزاد کر دیں۔ خود کو اپنے ملک کی سرحدوں میں پابند کر کے آخر ہم کب تک اندھوں کی طرح ترقی کا راستہ ٹٹولتے رہیں گے---- مسٹر ارسلان! کیا آپ یہ چاہیں گے کہ جیسی بھیانک زندگی ہمیں اپنے بزرگوں کی طرف سے بسر کرنے کو ملی ہے' ہمارے بعد آنے والی نسل بھی ویسی ہی اذیت ناک زندگی گزارے؟

کیا مغربی دنیا کی طرح ہمیں ترقی کرنے اور زندگی کی چاروں اطراف بکھری خوشیاں سمیٹنے کا حق نہیں----!" ارسلان کو اندازہ ہو رہا تھا کہ رضوی صاحب نے ششما کے متعلق جو کچھ کہا تھا' وہ اس سے بھی آگے کی کوئی چیز ہے۔

"کیوں نہیں مس! کیوں نہیں۔ برصغیر کا ہر نوجوان کم از کم اس سہانے مستقبل کی خواہش لے کر تو جی رہا ہے----!" اس نے اپنے مزید قریب آتی ششما کے قرب سے اٹھتی ہوئی خوشبوؤں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"پھر یاد رکھو۔ ہمیں یہ مذہب کی دیواریں گرانا ہوں گی۔ ہمیں اپنی سوچ سیکولر بنانا ہو گی۔ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر آگے بڑھنا ہو گا۔ تب ہی ہم بیماری' غربت' افلاس اور اپنی بے کسی کا خاتمہ کر سکتے ہیں---- مسٹر ارسلان یہ سفر مل کر ہی طے ہو سکتا ہے---- مل کر ہی----!"

"ہاں ششما تم ٹھیک کہہ رہی ہو---- لیکن کس طرح؟ ہماری راہ میں کتنے ضابطے' کتنی رکاوٹیں حائل ہیں۔ اس کا اندازہ ہے تمہیں؟"

ارسلان نے رضوی صاحب کی تربیت کا پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔

"مجھے سب مجبوریوں کا احساس ہے ارسلان۔" اس نے اچانک ہی ارسلان کے کندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا---- "آؤ ہم دونوں مل کر اس مشن کا آغاز کریں۔"

"میں تیار ہوں مس ششما! ارسلان نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ششما نے اس کا ہاتھ اتنی گرمجوشی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا تھا کہ ارسلان کو اپنے خون کا خمیر بدلتا محسوس ہوا----!

"میں رابطہ رکھوں گی۔ تم بھی مجھ سے رابطہ رکھنا۔ جلد ہی اس سلسلے میں کوئی لائحہ عمل تیار کریں گے---- اگر کبھی تم لندن آنا چاہو تو میں حاضر ہوں۔ ہم نے وہاں تیسری دنیا کے نوجوانوں کی ایک تنظیم قائم کر رکھی ہے۔ اس کی طرف سے تمہیں کسی بھی وقت بلانے کا اختیار مجھے حاصل ہے۔" اس نے ارسلان کے سامنے دانہ پھینکا----!

ارسلان نے بظاہر بے وقوف مرغی کی طرح دانا چگ لیا۔

"ہاں! ضرور کچھ فرصت یہاں سے ملے تو آؤں گا۔ جب ہم کام کا آغاز مل کر کریں گے تو پھر ملتے ہی رہیں گے----!" اس مرتبہ بے تکلفی کا مظاہرہ ارسلان نے کیا تھا۔

اور ----!

ششما نے اس بے تکلفی کا جواب اس کی توقع سے بڑھ کر دیا۔

کانٹا اندر آ گئی تھی----!

○ ○ ○

تینوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر ششما کے اشارے پر اس نے ایک فوری مصروفیت کا بہانہ گھڑ لیا اور کانٹا ارسلان کے ساتھ---- اس کی دعوت میں شریک نہ ہونے پر اظہار افسوس کرنے لگی۔ ارسلان کی خواہش کے عین مطابق سب کچھ ہو رہا تھا۔

دونوں صیاد ایک دوسرے کو شکار کرنے جا رہے تھے۔

کانٹا انہیں ایک "خوبصورت دن" کی دعا دے کر چلی گئی اور ششما ارسلان کی کار میں اس کے فلیٹ کی طرف چل دی۔ اس مرتبہ تعاقب کرنے والے خاصے ہوشیار تھے' کیونکہ آدھ گھنٹے کے اس سفر میں ششما بار بار کار کے اندرونی شیشے میں جھانکنے کے باوجود اندازہ نہ کر پائی کہ ان کا تعاقب کون کر رہا ہے۔

○ ○ ○

گھنٹی بجانے پر دروازہ "خانساماں" نے کھولا تھا----!

ارسلان کے ساتھ ششما ۔ بھٹہ چاریہ کو دیکھ کر رضوی صاحب کے دل کی دھڑکن ایک مرتبہ تو ابنارمل ہو گئی۔

"سوس!" اس کی توقع سے بڑھ کر "کار آمد" ثابت ہو رہا تھا----!!

"چڑیا بالآخر پنجرے میں پھنس ہی گئی----!" ایک مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

فلیٹ کے آرام دہ سٹنگ روم میں ایک صوفے پر ارسلان کے پہلو میں دھنسی ششما ۔ بھٹہ چاریہ جو دل ہی دل میں "شکار" پھانسنے پر پھولے نہیں سما رہی تھی اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ وہ خود "شکار" ہو رہی ہے۔ اس کی پشت پر نصب حساس آلات ان کی گفتگو ریکارڈ کر رہے تھے۔

یہاں اس نے پھر ارسلان کے سامنے امن' شانتی' بھائی چارہ' بین الاقوامیت کا سنہری جال پھیلایا اور ارسلان طے شدہ منصوبے کے مطابق اس میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے ششما کی توقعات سے بڑھ کر اپنے جاہل ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ --!

ششما نے آہستہ آہستہ پاکستانی سیاست' فوج اور دینی جماعتوں پر تنقید شروع کر دی تھی اور وہ اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا---!

خانساماں اس دوران دو مرتبہ ان کے سامنے ٹھنڈا اور گرم رکھنے کے بعد ان کے حکم کا کھانا تیار کر رہا تھا۔

"اگر آپ نوجوان لوگ چاہیں تو پاکستان میں سبز انقلاب لا سکتے ہیں۔ میں کہتی ہوں۔ ہم دونوں ممالک یورپ کی منڈیاں کیوں بنیں۔ ہم کیوں نہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر تجارت کریں---- ہم سے زیادہ ایک دوسرے کے دکھ کون سمجھتا ہے۔"

ششما نے جب دیکھا کہ شکار قابو آ چکا ہے تو اس پر آخری داؤ بھی آزما لیا----!

"یہی میں چاہتا ہوں ششما جی!" ارسلان کے منہ سے جیسے ہی یہ بات نکلی۔ ششما نے بے اختیار اس پر امنڈتے ہوئے اسے "خراج تحسین" پیش کر دیا۔

اس "خراج" کا دقفہ پھر طویل ہوتا گیا۔

دونوں بظاہر یہی تاثر ایک دوسرے کو دے رہے تھے جیسے دونوں نے یہ حرکت جوش جوانی میں کر ڈالی ہے۔

ہوش مند خانساماں نے انہیں مصروف دیکھ کر دروازے کے نزدیک پھٹکنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

خاصی دیر بعد جب دونوں نے خود کو سنبھال لیا تو ارسلان مسکراتے ہوئے اٹھا اور خانساماں کو آواز دے کر بلایا۔

"بھئی کب کھانا لا رہے ہو----؟ ابھی اور کتنی ورزش کراؤ گے ہماری؟"

خانساماں نے مسکرا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"میں کھانا دوسرے کمرے میں لگا رہا ہوں صاحب!" کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔

تیسری دنیا کے نوجوانوں کے مسائل حل کرنے اور آنے والی نسلوں کو محفوظ مستقبل دینے کے لیے ششما بھٹہ چاریہ نے ارسلان کے ساتھ مل کر جس مہم کا ارادہ کیا تھا۔ اس کا آغاز ہی اتنا بھرپور تھا کہ ارسلان کو اپنے جسم کا انگ انگ کھانے کی میز پر ٹوٹتا محسوس ہوا۔

اپنی دانست میں ششما نے اس "دوستی" کی بڑی مضبوط بنیاد رکھی تھی اور ارسلان سوچ رہا تھا کہ غیر ملکی سفارت خانوں کی یہ محترم ہستیاں جانے ایسی کتنی "دوستی" کی گہری بنیادیں پاکستان میں قائم کر چکی ہیں؟

اسے اب سمجھ آنے لگی تھی کہ اس بدقسمت ملک میں غداروں اور وطن فروشوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ کیوں ہو رہا ہے----؟

کھانا کھاتے ہوئے ششما نے اسے یہ خوشخبری بھی سنا دی تھی کہ لندن میں اس کا اپنا الگ فلیٹ ہے جہاں کسی "مداخلت" کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ارسلان نے اسے جلد ملاقات کا یقین دلایا تھا---- شام ڈھلے جب ششما نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو ارسلان نے کہا---- "جی تو نہیں چاہتا کہ تمہیں جانے دوں---- لیکن مجبوری ہے۔ تمہاری اپنی مصروفیات بھی تو ہوں گی۔"

"ارے نہیں! میری کوئی مصروفیات نہیں لیکن میں رات یہاں ٹھہر گئی ناں تو قیامت آ جائے گی---- بھئی آخر جمہوری اور غیر جمہوری ممالک میں اتنا فرق تو ہونا چاہیے ناں۔ پھر میں تمہارے دشمن ملک کی لڑکی-----!" اس نے ہنستے ہوئے بے ہودہ حرکت کی۔

"میں کسی کی پروا نہیں کرتا ششما جی۔ میں کسی سے ڈرنے والا نہیں۔ میرا بھی طلباء سیاست میں ایک مقام ہے۔ ہر کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ میرے منہ لگتا پھرے۔ انٹیلی جنس....."

"ارے نہیں----!" ششما نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا---- "ایسا کبھی بھول کر بھی نہ سوچنا---- ان لوگوں سے بہت ہوشیار رہنا ارسلان! بھگوان نہ کرے تم کبھی ان کے شکنجے میں پھنسو---- ہمارے مشن کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان سے بچ کر رہا جائے---- کام زیادہ ضروری ہے۔" اس نے ارسلان سے لپٹتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنی گاڑی میں ششما بھٹہ چاریہ کو چھوڑنے جا رہا تھا۔ اس درمیان اس نے لندن کے اپنے خصوصی ٹیلی فون نمبر' ایڈریس اور بہت سی دوسری باتیں اسے بتا دیں تھیں۔

ارسلان بچہ نہیں تھا۔

وہ جانتا تھا ان کی گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے اور تمام اطلاعات ان کے دوستوں تک منتقل ہو چکی ہیں۔ ششما نے اس سے اب تک نجانے کتنی مرتبہ لندن میں ملنے کا وعدہ لیا تھا۔

اس نے کہا تھا "کام" کے سلسلے میں وہ خود رابطہ کرے گی----!

○ ○ ○

ابھی تک نجمہ بیگم نے اس سے نازعین والا کارنامہ مکمل ہونے کے بعد اس مسئلے پر بات نہیں کی تھی۔

اس نے خود اظہار تجسس نہیں کیا تھا۔ بس اگلے روز جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو نجمہ

نے اسے "آپریشن" کامیاب ہونے پر مبارکباد ضرور دی تھی اور اس کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔

فی الوقت اس نے نازنین کے ہاں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی' کیونکہ ملک صاحب بھی آج کل سیاسی معاملات سلجھانے کے سلسلے میں دارالحکومت گئے ہوئے تھے جہاں پارٹی کا مرکزی کونسل کا اجلاس چل رہا تھا جس کے وہ ایک سرگرم رکن تھے۔

آج ارسلان کو گئے پانچواں دن تھا۔

مختاراں بائی نے یہ دن ایک ایک لمحہ گن گن کر بسر کیے تھے۔ دو مرتبہ اس نے ملک صاحب کے گھر فون کر کے کسی سے دریافت کروایا تھا کہ ارسلان صاحب نے کب واپس آنا ہے جواب میں دونوں مرتبہ فون سننے والے نے اسے ڈانٹ دیا تھا اور سختی سے کہا تھا کہ اس فون نمبر پر کوئی ارسلان صاحب نہیں رہتے۔ مجبور ہو کر وہ حالات پر تکیہ کر کے بیٹھ رہی۔ اس درمیان باہر والا استاد فیض اسے شریفاں کے ایک ایک پل کی رپورٹ لا کر دیتا رہا۔ جس جس کوٹھے پر جا کر شریفاں نے اس کے خلاف زہر اگلا تھا۔ وہاں کے ایک ایک پل کی خبر کوٹھے کے استادوں کے ذریعے استاد فیض تک پہنچتی جہاں سے وہ پھر مختاراں بائی کو منتقل ہو جاتی۔

شریفاں کے پراپیگنڈے نے مختاراں کے کوٹھے کی رونق ختم کروا دی تھی۔ یا تو یہ عالم تھا کہ نازنین کا ڈانس دیکھنے کو گاہکوں کے ٹھٹ لگے رہتے تھے یا یہ حالت تھی کہ نوکروں کا خرچ بھی ڈھنگ سے نہیں چل رہا تھا۔ وہ رقم جو بطور ایڈوانس ارسلان کی طرف سے اسے ملی تھی۔ مختاراں نے اپنے محفوظ سرمائے میں منتقل کر لی تھی' لیکن اب یہ نوبت آنے والی تھی کہ وہ محفوظ سرمائے کی طرف ہاتھ بڑھاتی۔

آج تو غضب ہی ہو گیا جب رات دیر گئے تک کوئی گاہک کوٹھے کی سیڑھیاں نہ چڑھا تو استاد فیض نے افیم کے نشے سے اونگھتے ہوئے کہا۔

"بی بی! اب دکان بڑھا ہی لیں۔ بازار بند ہونے میں ایک گھنٹہ ہی تو رہ گیا ہے۔ اب کون اس طرف آئے گا---- یوں بھی ایسی خاندانی طوائف کا "خالی کوٹھا" اچھی بات نہیں ہے---- بی بی! تم نے اس بازار میں رہنا ہے تو ذرا سیاست سے کام لیا کرو---- بیٹی کی طبیعت کی خرابی کے بہانے آج چھٹی ہی کر لیں---- ورنہ شریفاں....."

"نام نہ لو اس خانگی کا میرے سامنے۔" اس نے استاد فیض کی بات کاٹتے ہوئے کہا---" اس جنم جلی کو ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ ساری زندگی یاد رکھے گی۔ زبان کاٹ کر ہاتھ میں نہ دے دی تو میرا نام بدل دینا---- کتیا کی اولاد اپنی اوقات بھول کر میرے منہ لگ رہی ہے---!" غصے سے اس کے گلے کی رگیں پھولنے لگی تھیں۔

"تم جاؤ کل آنا----!" اس نے استادوں کو چھٹی کا اشارہ کیا اور وہ چپ چاپ اٹھ

ے۔

روانگی پر اس نے دونوں کو "خرچ پانی" دیا تھا۔ بہرحال وہ خاندانی طوائف تھی۔

وہ رات مختاراں بائی نے کانٹوں پر بسر کی۔ وہ کسی بھی قیمت پر شریفاں کا منہ نوچ لینا چاہتی تھی۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ شریفاں کو تھانے کا منہ ضرور دکھائے گی۔ مقامی تھانے میں تھانیدار سے اس کی "یاداللہ" تھی اور وہ جانتا تھا کہ مختاراں بائی کے ملک صاحب سے خصوصی تعلقات بھی ہیں۔

مختاراں بائی تو خود شریفاں کی خبر لینا چاہتی تھی' لیکن اس کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ اس نے کبھی غصے کو عقل پر حاوی نہیں ہونے دیا تھا---- وہ جانتی تھی کہ اگر بازار کے لوگوں کو علم ہوا کہ اس نے شریفاں کی شکایت کر کے اسے تھانے بلوایا ہے تو سارا بازار اس کا بائیکاٹ کر دے گا۔ وہ ٹھنڈے پیٹوں بھی بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔

لیکن ---- سیاست سے کام لینا ہی دانش مندی کا تقاضا تھا۔

اس نے معاملات کو کل پر چھوڑا اور سرہانے تلے بازو رکھ کر لیٹ رہی----!

○ ○ ○

دوسرے روز صبح ہی وہ تھانے چلی گئی۔

اس وقت سارا بازار گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا اور وہ جانتی تھی کہ کوئی اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکے گا۔ تھانے دار کے کمرے کا دروازہ تھانے کی مخالف سمت کھلتا تھا۔ اس نے ابھی دروازے زنجیر تن کی ہی تھی جب کسی نے باہر سے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

تھانے دار نے خود دروازہ کھولا تو سامنے چادر میں لپٹی مختاراں بائی کھڑی تھی----!

"خیریت بائی جی! صبح صبح آپ کدھر؟"

"بس میاں صاحب بہت مجبور ہو کر آئی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بڑے لوگوں کو تکلیف دی جائے۔" وہ اندر آ کر تھانیدار کے سامنے بچھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بائی جی ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی تکلیف ہو تو ہماری نوکری کا کیا فائدہ۔ حکم ا---- بات کیا ہے----؟ مجھے بلا لیا ہوتا۔"

تھانیدار جانتا تھا کہ مختاراں بائی کا---- "بڑے لوگوں" کے ہاں آنا جانا لگا رہتا ہے اور اس سے پہلے والے تھانیدار کا تبادلہ بھی یہاں سے اسی لیے ہوا تھا کہ اس نے مختاراں بائی کو

بھی آنکھیں دکھانا شروع کر دی تھیں۔

"میاں جی! بات کچھ ایسی ہی ہے۔ میں خواہ مخواہ کسی کو تنگ کرنے کی قائل نہیں' لیکن جب پانی سر سے گزر جائے تو پھر کچھ کرنا ہی پڑتا ہے---- تم جانتے ہو ہم عزت دار لوگ ہیں ہر ایرے غیرے کے منہ لگنا پسند نہیں کرتے۔ چھتی گلی والی شریفاں کو تو سارا تھانہ جانتا ہے آج کل اس نے میرے خلاف کچھ زیادہ ہی زبان چلانا شروع کر دی ہے---- تم جانو میاں جی اگر ہماری عزت پر حرف آ گیا تو کہاں منہ دکھانے کے لائق رہیں گے۔ وہ تو شکر کرو ابھی ملک صاحب کے کانوں میں ایسی بات نہیں پہنچی ورنہ وہ کچھ زیادہ ہی سختی کرتے---- میں بھی اس کمبخت کا برا نہیں چاہتی' لیکن "چھنال" نے کچھ زیادہ ہی بک بک شروع کر دی ہے۔ میں سوچا ایس پی صاحب کے پاس کیوں جاؤں جب اپنے میاں صاحب موجود ہیں۔" اس نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیا۔

"تم حکم کرو بائی جی! اس کی ایسی تیسی۔ ایسا سبق سکھاؤں گا کہ تمہارے جوتوں کو چھوئے گزرے گی۔" تھانیدار نے گردن پھلاتے ہوئے کہا۔

"بس میاں جی! ذرا بچ بچا کر۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو ورنہ سارا بازار میری جان کو جائے گا--- ماں بیٹیوں کو کم از کم ایک رات تھانے کے ملازموں کا مہمان ضرور رکھنا۔ بے شک رہنا کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا----!" کہتے ہوئے اس نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور چھوٹا سا بٹوہ نکال کر اس میں سے تین بڑے نوٹ نکال لیے۔

"میاں جی! شریفاں کو پتہ چل جانا چاہیے کہ اس کا واسطہ کس سے ہے۔" اس نے تھانے دار کی مٹھی میں تھماتے ہوئے کہا۔

"بائی جی اس کی کیا ضرورت تھی۔ ہم تو تمہارے خادم ہیں۔ تم اطمینان سے جاؤ اور دیکھتی رہو کہ میں اسے کیسا سبق سکھاتا ہوں----!" اس نے بے شرمی سے ہنس کر نوٹ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

○ ○ ○

مختاراں بائی جس طرح آئی تھی اسی طرح چادر لپیٹ کر واپس چلی گئی۔ تھانیدار نے اسے منصوبے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مختاراں کو بھی اس کی بات پسند آئی تھی۔ دو سرکاری چھٹیاں آ رہی تھیں جن میں اسے کارروائی کرنا تھی۔ اس طرح کم از کم دو دن ان لوگوں کی ضمانت نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی روز بعد دوپہر مختاراں بائی اور نازنین سائیں سہیلی سرکار کے عرس میں شرکت کرنے دوسرے صوبے میں چلی گئیں۔ ایک نوکر وہ اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ اس طرح کچھ وقت بھی کٹ جاتا اور اس منحوس بازار سے نجات بھی مل جاتی۔

ان کی روانگی کے دو دن بعد اچانک پولیس نے شریفاں کے کوٹھے پر چھاپہ مارا اور اس کی بیٹیوں کو رنگے ہاتھوں تماش بینوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے گرفتار کر لیا۔ ماں بیٹیوں اور ان کے گاہکوں کو پولیس جس طرح سارے بازار میں ذلیل کرتی تھانے تک لائی تھی' اسے دیکھ کر بڑے بڑوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

تین روز تک تھانے والے شریفاں کی دھنائی کرتے رہے۔ جو کوئی سفارش کو جاتا گالیاں کھا کر واپس آتا۔ تین روز بعد شریفاں مہینے بھر کی کمائی لٹا کر لڑکیوں سمیت کوٹھے پر پہنچی۔ اس نے ایسا سبق سیکھا تھا کہ اپنی آنے والی نسلوں کو نصیحت کر جاتی کہ آئندہ مختاراں بائی سے متھا نہ لگانا۔

○ ○ ○

"پرسوں تم لندن جا رہے ہو---- ایک ہفتے کے لیے اگر تم چاہو گے تو تمہارے قیام میں تین چار روز مزید اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔" نجمہ نے صبح ناشتے پر اسے خوشخبری سنا دی۔

"جینئک یو----!" ارسلان نے بے ساختہ کہا۔

واقعی وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ نجمہ بیگم تصاویر کا کارنامہ انجام پانے پر اسے انعام دے رہی ہے۔

"اپنے لیے آج دو تین سوٹ پسند کر لینا۔ باقی شاپنگ لندن میں کرنا۔ وہاں بہت اچھے دکانوں کا انتخاب کیا ہے میں نے تمہارے لیے۔" نجمہ بیگم نے بے تکلفی سے آنکھ دبائی۔

"جی شکریہ----!" وہ اور کیا کہتا۔

اگلا سارا دن اس نے تیاری میں گزارا۔ اس درمیان نجمہ بیگم نے انٹرنیشنل سفر کے آداب سمجھا دیئے تھے اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ جس جہاز کے ذریعے وہ جا رہا ہے۔ وہ فرینکفرٹ پر اتر کر ہیتھرو جائے گا۔ اس نے ارسلان کو بتایا تھا کہ ایئرپورٹ پر جب وہ اترے گا تو اسے کن کن مراحل سے گزرنا ہو گا۔

یہ بات اس نے بطور خاص اسے سمجھائی تھی کہ راستے میں جہاز جس ایئرپورٹ پر رکے' وہاں اسے لاؤنج میں جانے کا موقع ملے تو اپنا ہینڈ بیگ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے جس میں

اس کا پاسپورٹ اور کرنسی ہو گی۔

پاکستان سے لندن روانگی تک کا وقت اس نے خواب کے عالم میں گزارا تھا۔ وہ جہاز میں ہونے کے بعد بھی لندن کے سپنے دیکھتا رہا۔ اس دوران ایک مرتبہ مختاراں بائی نے بے قرار ہو کر ایک آدمی اسے لینے کے لیے بھیجا تھا لیکن چوکیدار نے اس کو ارسلان تک پہنچنے ہی نہ دیا۔

چوکیدار کو بیگم صاحبہ کی طرف سے خصوصی حکم نامہ ملا تھا کہ ارسلان کے کسی ملاقاتی کو اگر وہ یہاں تک پہنچ ہی جائے' تو ملنے کی اجازت نہیں---- سب کو یہی بتایا جائے کہ وہ کچھ دن کے لیے کر کہیں چلے گئے ہیں اور پندرہ روز کے بعد واپس آئیں گے۔

○ ○ ○

مختاراں بی بی کو جب یہ پیغام ملا تو وہ چکرا کر ہی رہ گئی۔ اسے تو اپنے بقایا جات کی ہوا کھائے جا رہی تھی۔ ارسلان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اگلے روز شام کو ان سے ملے گا' لیکن رات گئے تک نہ آیا تو مختاراں بائی نے تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر ایک میراثی کو اس طرف روانہ کر دیا تھا حالانکہ ارسلان نے اسے کبھی اپنا فون نمبر نہیں دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ خود اس سے ملنے نہ آئے۔

جب اسے یہ پیغام ملا کہ ارسلان تو دس پندرہ دن چھٹی چلا گیا ہے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"اللہ خیر کرے----!" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

صبح تک وہ پریشانی کے مارے ایک پل نہ سو سکی۔ بالآخر اس نے اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی تھی کہ ملک صاحب سیاسی آدمی ہیں' عین ممکن ہے انہوں نے کسی ایمرجنسی کام سے بھیج دیا ہو۔

اس کے لیے اب دس پندرہ دن تک بے قراری سے ارسلان کا انتظار کرتے رہنے کے علاوہ اس مسئلے کا اور کوئی حل نہیں تھا۔

"لیکن یہ دس پندرہ دن گزاریں گے کیسے؟"

یہ سوچ اس کے لیے بڑی جان لیوا تھی۔ جب سے بازار والوں کو علم ہوا تھا کہ ناؤ اب راتوں کو غائب بھی رہنے لگی ہے تو انہوں نے مختاراں بائی کے متعلق بڑی غلط رائے قائم کر لی تھی۔

"اے بی! وہ تو شروع ہی سے "خانگی" تھی۔ میں نے اس کی جوانی دیکھی ہے۔ بس ا

کھلواؤ میرا۔ وہاں جالندھر میں کوئی اس کو منہ نہیں لگاتا تھا۔ یہاں آ کر بے چاری خاندانی طوائف بن گئی---- ارے آج سے کہاں' یہ تو پچھلے ایک سال سے نازنین سے پیشہ کروا رہی ہے۔ جانے مولا علی! ہم تو کسی سے کہتے نہیں---- اس نے خاندانی لوگوں کا نام بدنام کر رکھا ہے۔" شریفاں کے لیے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا والی بات ہوئی تھی۔

اس نے بازار میں وہ ڈنڈی پیٹی کہ جسے علم نہیں تھا' وہ بھی جان گیا۔ اب مختاراں کے گھر کی شہرت ایسی بگڑی تھی کہ کوئی ادھر منہ نہیں کرتا تھا۔

بلا کباڑیہ جو پچھلے دو سال سے اس کا مستقل گاہک تھا۔ نازنین کے اچانک کسی رات غائب ہو جانے پر بڑا غصہ کرنے لگا تھا۔ اس نے مختاراں سے اشارے کنائے میں خود بھی کہا تھا۔ پھر ایک روز سارنگی نواز استاد گامی کہ جو جالندھر ہی سے مختاراں کے ساتھ لگا تھا کہلوایا کہ اگر وہ چاہے تو بلا منہ مانگا مہینہ دے کر نازنین کو بٹھانے کے لیے تیار ہے۔

لیکن----!

مختاراں کا دماغ تو ساتویں آسمان پر تھا۔ ملک صاحب کے ہاں نازنین کے ایک دو مرتبہ چلے جانے اور تھانے میں اس کے دو تین فون آنے کے بعد اس نے یہ سمجھا تھا کہ جیسے اب وہ ہیرا بازار کی کونسلر بن گئی ہے۔ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ استاد گامی کو ڈانٹ دیا اور کہا تھا کہ اسے یہ بات کہتے ہوئے شرم نہ آئی۔

"بی بی پرانا نمک خوار ہوں۔ جو بات کروں گا تمہارے بھلے کی کروں گا۔ یہ چڑھتی جوانی اترتی چڑیا کی طرح کسی روز اچانک ہی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ اگر بچی نے ہاتھ پاؤں اچھے نکالے ہیں تو یہی دن ہیں اپنے برے دنوں کا سامان کر لو---- ورنہ کسی روز اس دن کو بہت پچھتاؤ گی۔ ٹھیک ہے تمہارا آنا جانا بڑے لوگوں کے ہاں شروع ہو گیا' لیکن سرکار دربار میں کوئی ہمیشہ خیر خیر نہیں رہا کرتا۔ یہ دنیا چڑھتے سورج کی پجاری ہے۔ مختاراں بائی! جس روز بچی کو گرہن لگا دنیا تمہاری طرف منہ کر کے پان کی پیک بھی نہیں پھینکے گا---- اور ہاں یہ بھی سن لو کہ اپنا بھی چل چلاؤ ہی ہے---- ایک دو روز میں کسی اور سارنگی والے کا بندوبست کر لو---- بس بہت نبھ گئی تمہارے ساتھ۔" استاد گامی اس کا جواب سنے بغیر سیڑھیاں اتر کر بازار میں آ گیا۔

مختاراں نے سوچا چلو یہ بھی اچھا ہوا سارنگی والے کا خرچہ تو بچا۔ اس نے کون سا نازنین کو کتھا کلی نچانا تھا۔ ایک باجے اور طبلے والا ہی کافی تھے۔

ادھر شریفاں کا پراپیگنڈہ اور ادھر استاد گامی کی کوٹھے سے رخصتی---- تماش بینوں نے جان لیا کہ کچی کلی کبھی کی ٹوٹ چکی ہے۔ اب اکا دکا لوگ ہی ادھر کا رخ کرتے تھے۔ مستقل گاہکوں نے تو بالکل آنا جانا بند کر دیا تھا۔

لے دے کہ یہ آخری آسرا رہ گیا تھا کہ لمبی رقم ہاتھ لگنے والی تھی اور اس نے نازنین سے کام بھی بالکل فلمی قسم کا کروایا تھا۔ یا پھر وہ ملک صاحب سے کوئی کام لے سکتی تھی۔۔۔۔۔ لیکن یہ سب کچھ بھی باؤ ارسلان کے یہاں ہونے پر منحصر تھا۔

اب ارسلان ہی یکا یک غائب ہو گیا۔۔۔۔

مختاراں تو تلملا کر رہ گئی۔

زخم خوردہ سانپ کی طرح وہ صرف اپنا سر ہی زمین سے ٹکرا سکتی تھی۔ اب اسے صبر شکر سے ارسلان کا انتظار کرنا تھا۔

بھولا پنچھی

جہاز تک اسے نجمہ ملک خود چھوڑنے آئی تھی۔۔۔۔!

وہ حیران رہ گیا کہ ان لوگوں کے لیے وی آئی پی والا کمرہ کھولا گیا تھا۔ اس کے پاس ٹکٹ بھی جہاز کی اکانومی کلاس کا نہیں بلکہ ایگزیکٹو کلاس کا تھا۔

ہوائی اڈے پر سختی اتنی تھی کہ مسافروں کے میزبان اندر ہوائی اڈے کی حدود سے باہر تک رخصت کر کے جا رہے تھے۔ بہت قسمت یا واقفیت والوں کو ہی ہال کمرے تک جانے کی اجازت ملتی تھی جبکہ نجمہ بیگم اس کے ساتھ لاؤنج تک چلی آئی۔

اس کا چھوٹا سا اٹیچی کیس جہاز کے اندر "چیک ان" ہو گیا تھا اور ایک بریف کیس اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ بریف کیس کے ساتھ ایک چھوٹا سا خوبصورت ہینڈ بیگ تھا جس میں اس کا پاسپورٹ اور غیر ملکی کرنسی رکھی تھی۔

نجمہ بیگم نے اسے لندن ٹیلی فون نمبر فراہم کرتے ہوئے ایئرپورٹ سے فون کرنے کا طریقہ بھی سمجھا دیا تھا۔

"بے فکر رہنا۔ کسی بات سے گھبرانا نہیں۔ میزبان تمہیں لینے کے لیے وہاں پہلے سے موجود ہیں۔" نجمہ نے اسے سمجھایا۔

یہاں کسی نے اس کا سامان کھول کر دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی بلکہ اب تک دو تین مقامی عملہ ان سے "کوئی خدمت" دریافت کر چکا تھا۔

جہاز کی روانگی کا اعلان ہو رہا تھا جب اچانک ہی نجمہ بیگم کے حکم نے اسے چونکا دیا۔

"جہاز فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر رکے گا اور تمہیں ٹرانزٹ لاؤنج میں جانے کی اجازت ملے گی۔ جس ٹرمینل پر یہ پرواز رکے گی' اس پر ایک ڈیوٹی فری شاپ موجود ہے۔ سب لوگ وہاں جائیں گے' تم بھی جاؤ گے۔۔۔۔ وہاں ایک دوست تمہاری تصاویر کے ساتھ تمہارا منتظر ہو گا۔ فون پر تمہاری بات بھی مجھ سے کروائیں گے۔ یہ بریف کیس اس دکان پر چھوڑ دینا۔ وہاں

بعینہ ہی دوسرا بریف کیس تمہیں مل جائے گا۔ جاؤ شاباش' گڈ بائی' اپنا خیال رکھنا۔"

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ وہ چکرا کر ہی رہ گیا۔

مسافر قطار میں جہاز کی طرف آ رہے تھے اور نجمہ بیگم نے عین آخری لمحات میں اس پہاڑ گرا دیا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ ارسلان کو کچھ کہنے سننے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھا کہ یہاں بریف کیس کھول کر دیکھ سکتا--- اگر اس میں کوئی خطرناک شے موجود ہے تو اسے باقی سارا بندوبست خود کرنا تھا۔

اب ارسلان کو یاد آگیا کہ نجمہ بیگم کا ہمایوں خان سے کیا تعلق ہو سکتا ہے!

○ ○ ○

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ مسافروں کی قطار میں لگ گیا۔

فرسٹ کلاس کی قطار بہت مختصر تھی۔ اسے ایک شاندار اور آرام دہ کوچ نے بہشکل تیس منٹ میں جہاز پر پہنچا دیا۔ جہاز کی اس اعلیٰ کلاس کے دروازے پر ایک نازک اندام ایئر ہوسٹس نے اپنے پورے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر کر اسے خوش آمدید کہا اور اس کے بورڈنگ کارڈ پر سیٹ کا نمبر پڑھ کر اس کو بڑے احترام سے متعلقہ سیٹ پر بٹھا دیا۔

اسے کھڑکی کی طرف سیٹ ملی تھی اور ساتھ والی سیٹ خالی تھی۔

بار بار اس کا جی چاہ رہا تھا کہ بریف کیس کو کھول کر دیکھے' لیکن ابھی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

جہاز کے ایئر کنڈیشن پوری رفتار سے چل رہے تھے' لیکن ارسلان کو اپنے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطروں کا احساس ہو رہا تھا۔ ہتھیلی سے اس نے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور کھڑکی کے شیشے سے باہر رن وے پر نظریں جما کر بیٹھ رہا۔

نجمہ ملک نے اس سے بہت خطرناک کھیل کھیلا تھا۔

اگر اس بریف کیس میں ہیروئن موجود تھی تو اسے ارسلان کو ضرور بتانا چاہیے تھے۔

لیکن----!

اس نے نہیں بتایا۔ ارسلان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟

"کیا نجمہ ملک نے یہ سمجھا تھا کہ میں اس کا کہنا نہیں مانوں گا----!

---- اگر نجمہ بیگم اس سے کوئی بھی کام کہتی تو وہ اس کام کے لیے کبھی انکار نہ کرتا۔ اس کے پاس نجمہ ملک سے سرتابی کی گنجائش نہیں تھی۔ اب وہ نجمہ کے ساتھ ایک گہرے رازدار

میں شریک ہو چکا تھا۔ انہوں نے مل کر ملک صاحب کے خلاف سازش تیار کی تھی۔ اس سازش میں اس نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ اگر ملک کو بھنک بھی پڑ گئی تو وہ اس کی ہڈیاں تک کر ڈالے گا۔

وہ جانتا تھا ملک صاحب اپنے دشمن کو کتوں کے سامنے پھینک دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔

اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب یا جواز موجود نہیں تھا کہ آخر نجمہ ملک نے اس کے ساتھ یہ زیادتی کیوں کی؟

○ ○ ○

جہاز کے مائیک سے نشر ہوتی موسیقی تھم گئی اور ایک ایئر ہوسٹس قرآنی آیات کی تلاوت کے بعد جہاز کی روانگی کا اعلان کر رہی تھی۔ اعلان کے خاتمے کے ساتھ ہی جہاز کے انجنوں کی آواز بدلنے لگی تھی۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کر دیا اور رن وے پر ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد جب جہاز نے پرواز کے لیے اڑان بھری تو ارسلان کو قدرے سکون کا احساس ہوا۔

اب وہ اس لمحے کا منتظر تھا جب انہیں سیٹ بیلٹ کھولنے کی اجازت ملتی اور وہ کسی کام کے بہانے بریف کیس کھول کر اس کے اندر موجود چیزوں کا جائزہ لیتا۔ کیونکہ اس کے سامنے تو نجمہ بیگم نے اس میں دو تین فائلیں ہی رکھی تھیں اور اسے بتایا تھا کہ کوئی مسٹر مارٹن جو اسے ایئرپورٹ پر لینے آئے گا۔ یہ فائلیں اسے دیتی ہیں۔ اس نے خود بریف کیس کی تلاشی لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

جہاز کے مخصوص بلندی پر پہنچنے کے بعد سیدھا ہوتے ہی ایئر ہوسٹس دانت نکالتی اس کی طرف لپکی۔ اس نے ایک ٹرے میں رکھے گرم تولیے کو سنیل کے چمٹے سے اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

ارسلان نے تولیے کو کھول کر دو تین مرتبہ لہرایا اور قدرے نارمل ہونے پر اسے منہ پر پھیر لیا۔ اس عمل سے اسے خاصا سکون میسر آ گیا۔ تولیہ واپس ایئر ہوسٹس کی ٹرالی میں پھینک کر اس نے اپنی جگہ کھڑے ہو کر بریف کیس اٹھایا اور اپنے سامنے ٹانگوں پر رکھ لیا۔

یہاں دو تین اور لوگ بھی بریف کیس سامنے کھولے بیٹھے تھے۔

یہ شاید بزنس مین تھے اور جہاز میں بھی انہیں حساب کتاب اور جوڑ توڑ کی فکر دامن گیر تھی۔

بریف کیس کھول کر اس نے اندر موجود اشیاء کا جائزہ لیا تو اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ بریف کیس خالی تھی۔ اس میں وہی دو تین فائلیں تھیں۔ ارسلان نے اچھی طرح ٹھونک بجا کر بریف کیس کو دیکھ لیا---- لیکن اس میں کوئی خفیہ خانہ بھی نہیں تھا۔

"کیا مذاق ہے یہ؟" اس نے سوچا۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر نجمہ ملک کیا کرنے جا رہی ہے؟ بریف کیس کی ایک فائل کی وہ بے مقصد ورق گردانی کرتا رہا۔ اس پر کسی کمپنی کا حساب کتاب درج تھا۔ پھر اس نے بریف کیس کو دوبارہ بند کر کے وہیں رکھ دیا۔

بہت عجیب اور پراسرار عورت سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔ یہ عورت اپنی مسکراہٹ کی طرح گہری تھی---- چپ چاپ کسی کے بھی اندر اتر جانے والی!

فرینکفرٹ تک ایئرہوسٹس نے خدمت کر کے اس کے ناک میں دم کر دیا تھا۔ بمشکل آدھ گھنٹہ ہی وہ خالی بیٹھا تھا جب کوئی نہ کوئی کھانے پینے کی شے اس کے سامنے لا کر رکھ ہی جاتی۔

مسافروں نے رن وے پر جہاز اترتے ہی جہاز سے باہر آنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ مسلسل سات آٹھ گھنٹے کی پرواز نے انہیں تھکا دیا تھا۔ ارسلان نے جہاز کے رکنے پر اپنی بیلٹ کھولی اور بریف کیس ہاتھ میں پکڑ کر دوسرے مسافروں کے تعاقب میں اس سرنگ نما ٹیوب سے گزرنے لگا جس کے خاتمے پر انہیں ٹرانزٹ لاؤنج میں پہنچنا تھا۔

ٹرانزٹ کارڈ ہاتھ میں تھامے وہ اب لاؤنج میں پہنچ چکا تھا۔ جس ڈیوٹی فری شاپ کے متعلق اسے نجمہ بیگم نے مطلع کیا تھا' وہ اس لاؤنج سے تھوڑی ہی دور تھا۔ اس نے جہاز کے قریباً سب ہی مسافروں کو اسی دکان کا رخ کرتے دیکھا۔

مسافروں کے ساتھ وہ بھی اس دکان پر پہنچ گیا----!

ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے وہ دکان کے ایک شوکیس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب اسے اپنے کندھوں پر کسی ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ محسوس ہوا۔

ارسلان کے جسم کو جیسے یکدم جھٹکا لگا۔ جب اس نے گردن گھما کر دیکھا تو اس کے سامنے بہادل خان کھڑا تھا۔

بہادل خان اس وقت اتنا معزز شخص نظر آ رہا تھا کہ خود ارسلان کو بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہ رہا۔

اس نے واقعی دو تین بار آنکھوں کو جھپکا کر بہادل خان کی طرف دیکھا تھا۔ اس حلیے میں تو شاید اس کے اپنے ملک کی پولیس بھی نہ پہچان سکتی۔

"ارسلان صاحب----!" اس نے اپنا ہاتھ ارسلان کی طرف بڑھایا---- "سلیم باہم

ہ میرا۔"

"جی؟" ارسلان نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"مسز ملک آپ سے فون پر بات کریں گی۔ ادھر تشریف لے آئیں۔"

اس نے بہت شریفانہ لہجے میں انگریزی زبان میں ارسلان کو مخاطب کیا۔ دونوں اس دکان کے ایک کونے میں کاؤنٹر کے نزدیک چلے گئے۔ یہ لوگ شاید "سلیم" کے دیرینہ آشنا تھے۔ کاؤنٹر کی لڑکی نے مسکراتے ہوئے ارسلان کا خیرمقدم کیا۔

سلیم نے لڑکی کے سامنے رکھا فون اٹھایا اور اس پر نمبر دبانے لگا۔ محض چند سیکنڈ میں دوسری طرف نجمہ بیگم لائن پر موجود تھی۔

"ارسلان! کیسے ہو؟ سفر کیسا رہا؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی----؟" اس نے ایک ہی سانس میں کتنے سوال پوچھ لیے۔

"جی نہیں شکریہ۔ بہت اچھا۔" ارسلان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہے اور کیسے کہے۔

"بھئی میں معافی چاہتی ہوں تمہیں عین آخری لمحات میں پریشان کیا۔ تم نے یقیناً اطمینان کر لیا ہو گا کہ خطرے والی کوئی بات نہیں تھی۔ تم اسے میری طرف سے مذاق ہی سمجھ لو۔ بھئی آخر ہم اچھے دوست ہیں۔ میں تم سے مذاق کا حق تو رکھتی ہوں ناں----!" مسز نجمہ ملک کا قہقہہ دوسری طرف گونجا اور ارسلان کے منہ سے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"تم سلیم صاحب کو جانتے ہو' لیکن یہ تمہارے لیے سلیم صاحب ہی ہیں۔ باقی سب کچھ سنبھال جاؤ۔ انہیں بریف کیس دے دو یا پھر جیسے وہ کہیں کر لو۔ بے فکر رہنا تمہیں کوئی منہ میں انگلی نہیں ڈالے گا۔ وہاں اگر تم نے اپنے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے تو وہ لوگ خواہ مخواہ پریشان کریں گے۔" مسز ملک نے دو تین باتیں کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"نجمہ ملک آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔ بہت متاثر ہے آپ سے شاید!" سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی! ان کی ذرہ نوازی ہے ورنہ میں کس قابل----؟" ارسلان مسکرایا۔

"مسٹر ارسلان یہ دنیا بہت بڑی لیکن بہت مختصر ہے۔ جانتے ہو کن کے لیے؟"

اس نے ارسلان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک دو لمحے توقف کیا' پھر خود ہی کہا۔

"ان کے لیے جو اسے مختصر کرنے کا عزم لے کر نکلیں۔ ورنہ تو مختصر سی زندگی بھی پہاڑ جتنی طویل دکھائی دینے لگتی ہے۔ تم نوجوان ہو' ایتھلیٹ ہو' چاہو تو ساری دنیا کو اپنے قدموں تلے روند سکتے ہو---- شاید تمہیں میری بات سن کر حیرانی ہو گی کیونکہ تم میرے اصل روپ سے بھی آگاہ

ہو۔ میرا ایمان ہے کہ جو مشکل زندگی میں آتی ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔ موت کا ایک لمحہ مقرر ہے جیسے زندگی کا۔ پھر ڈر کس بات کا؟ یہ سب سیاست دان' دانشور' تاجر' لیڈر وغیرہ یہ سب لوگ آخر کیا کرتے ہیں؟ سب دنیا کو فتح کر لینا چاہتے ہیں۔ اپنے علم' اپنی دولت' اپنے ذہن اور اپنی قابلیت کے بل بوتے پر چھا جانا چاہتے ہیں---- مسٹر ارسلان یہ دنیا کمزوروں کے لیے تو بنی نہیں---- میری ماں کہا کرتی تھی۔ "بیٹا! جو رات قبر میں آنی ہے وہ کبھی بستر پر نہیں گزر سکتی۔" اگر تم نے کارزار زندگی میں قدم رکھ ہی دیا ہے تو پھر "واریئر" بن جاؤ۔ ہر لمحے چوکس اور تمام ہتھیاروں سے مسلح۔ ورنہ ایک طرف چپ چاپ بیٹھ کر کڑھتے رہو--- میرا مطلب سمجھ گئے ہاں۔" سلیم نے بیئر کا خالی ٹن ٹوکری میں پھینکتے ہوئے کہا۔

"ہاں سلیم صاحب! میں بہت اچھی طرح آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔" اس نے کہا۔

"یہ بریف کیس لندن لے جاؤ۔ وہاں مارٹن کو سونپ دینا۔ تم سے ضرور ملاقات ہو گی۔"

سلیم نے اسے ہو بہو اس جیسا بریف کیس دیتے ہوئے کہا۔

"شکریہ!"

"تمہارا بھی شکریہ۔ اب تم چلو۔ جہاز روانگی کے لیے تیار ہے۔ خیال رہے تم ایک معزز بزنس مین ہو۔ خود کو بزنس مین پوز کرو---- سفر بخیر۔" اس نے اپنا ہاتھ ارسلان کی طرف بڑھایا اور اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کر کے دکان سے باہر نکل گیا۔

ارسلان والا بریف کیس اس نے خود سنبھال لیا تھا۔ ارسلان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جب وہ سلیم سے بریف کیس موصول کر رہا تھا تو کسی نے اس کی تین چار تصویریں بڑی پھرتی سے اتار لی تھیں۔

یہاں لوگ سفر کی یادگار تصویریں اتارنے میں مصروف تھے۔ ارسلان کو بالکل شک نہ گزرا کہ کوئی اس کی تصویر بھی اتار سکتا ہے۔ وہ بڑے اطمینان سے واپس جہاز میں آیا تھا۔ ٹرانزٹ لاؤنج سے جہاز میں واپس جاتے ہوئے اس کا بریف کیس ایکسرے مشین سے گزارا گیا لیکن کسی نے اسے کھولنے کے لیے نہیں کہا۔

○ ○ ○

فرینکفرٹ سے لندن تک کا سفر تو بمشکل گھنٹے کا تھا' لیکن جہاز نے ہیتھرو پر آدھ گھنٹہ تک چکر کاٹے جس کے بعد اسے یہاں اترنے کے لیے جگہ میسر آ سکی۔ غریب ممالک کی ایئرلائنوں کے ساتھ یہاں یہی سلوک کیا جاتا تھا۔

جہاز سے امیگریشن تک کا سفر اس نے بخیر و خوبی طے کر لیا۔ اس کے اندراجات اتنے مکمل اور مستحکم تھے کہ یہاں کسی نے اس سے زیادہ اٹلے سیدھے سوالات دریافت نہیں کیے۔ ہر سوال کا جواب دینے کے لیے اس کے پاس پہلے سے دستاویزی ثبوت موجود تھے۔

اپنا بیگ وصول کر کے اس نے ٹرالی پر رکھا اور اسے گھسیٹتا ہوا مسافروں کے تعاقب میں باہر لپکا۔ مسز ملک نے اسے سمجھا دیا تھا کہ یہاں گرین اور ریڈ چینل موجود ہیں اور وہ بے فکری سے گرین چینل پر چلتا چلا جائے۔

واقعی وہ بے فکری سے چلتا چلا گیا----!

راستے میں کھڑے کسٹم اور امیگریشن جنس کے لوگوں نے حسب روایت اس کے چہرے پر نظریں جما کر اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانا چاہا۔ پھر مطمئن ہو کر نظریں ہٹا لیں۔

لاؤنج سے باہر مسافروں کے استقبال کو ان کے میزبان موجود تھے۔ میزبانوں کی بھیڑ میں اس کی نظر ایک خوبصورت دوشیزہ پر جم کر رہ گئی جس نے اس کا نام ایک کارڈ پر لکھ کر اسے دونوں ہاتھوں سے اونچا اٹھا رکھا تھا۔

لوہے کے ٹکڑے کی طرح وہ اس مقناطیس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔

لڑکی نے بھی اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کارڈ نیچے جھکا کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیرن!" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "سفر کیسا رہا؟ مسٹر مارٹن آپ کے منتظر ہیں۔" مقامی روایات کے مطابق اس نے گلے بندھے فقرے بول دیئے۔

لڑکیاں تو ارسلان نے اپنے ملک میں بھی دیکھی تھیں لیکن یہاں کی تو بات ہی اور تھی۔ ایسا لگا جیسے وہ کسی خواب جزیرے پر اتر آیا ہے۔ اس کے چاروں اطراف آدھ ننگے جسم کی حور نیں رواں دواں تھیں۔ ان کے جسموں سے اٹھنے والی خوشبوؤں نے ارسلان کا بھیجا گھما دیا تھا۔ کیرن جو اس کی رہنمائی کرتی اس کے آگے آگے چل رہی تھی۔ اس کا جسم ایک ایک قدم پر سوبل کھاتا تھا اور کیرن کا ہر قدم ارسلان کو اپنے سینے پر دھرا محسوس ہوتا۔

دنیا مافیہا سے بے نیاز عورتیں اور مرد مشینوں کی طرح ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اس بھاگ دوڑ میں ایک تنظیم تھی---- ایک ترتیب تھی۔

اور سب سے بڑھ کر اعتماد تھا-----!!

وہ اعتماد جو انہیں نسل در نسل منتقل ہو رہا تھا اور جس میں نخوت کا عنصر نمایاں تھا۔ یہ قوم خود کو رنگدار نسل کے باشندے سے ارفع خیال کرتے تھے۔ نجانے انہوں نے تیسری دنیا کے لوگوں کو برابر جگہ کیوں دی تھی؟

ایسی بات نہیں تھی کہ انہیں مسائل درپیش نہیں تھے۔ تیسری دنیا کے لوگوں کی طرح وہ بھی گوناگوں مسائل کا شکار تھے۔

لیکن----!

انہوں نے قدیم مسائل کا جدید حل تلاش کیا تھا اور اس "جدید حل" سے جنم لینے والے مسائل سے بھی نمٹ رہے تھے۔ یہی چیز انہیں تیسری دنیا سے ممتاز کرتی تھی کہ انہوں نے مسائل کے سامنے ہتھیار ڈالنا نہیں بلکہ ان کا حقیقت پسندی سے جائزہ لے کر حل تلاش کرنا سیکھا تھا۔

ٹرمینل نمبر ۳ کی لفٹ میں کھڑے ہو کر دونوں اوپر پارکنگ تک آئے۔ کیرن نے اس کا سامان ڈگی میں رکھا اور اسے کار میں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ کار لندن کی سڑکوں پر پھسل رہی تھی۔

○ ○ ○

اپنے ملک میں وہ گرمی چھوڑ کر آیا تھا' یہاں اس کی ٹھنڈی جم رہی تھی۔ سنٹرل کوٹ پہنے وہ ٹھنڈک محسوس کر رہا تھا۔ لفٹ سے باہر قدم رکھتے ہی ہوا کے سرد تھپیڑوں نے اس کو خوش آمدید کہا تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ مسز ملک کی ہدایت کے مطابق اس نے ڈبل کوٹ کیوں نہیں پہنا جو اس کے سامان میں موجود تھا۔

کار کے ہیٹر پوری رفتار سے چل رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد ٹھنڈ کا معمولی احساس بھی دم توڑنے لگا۔ اس نے ماحول کی واقعیت کا مکمل ادراک کر لیا تھا۔ کار چلاتے ہوئے کیرن اسے بتاتی جا رہی تھی کہ وہ کن کن سڑکوں سے گزر رہے ہیں۔ اس کی فہرت نے ارسلان پر مدہوشی طاری کر دی تھی۔

اس کے بات کرنے کا انداز' اعتماد اور بے حجابی کسی بھی ایشیائی نوجوان کو ذہنی طور پر ابنارمل کرنے کے لیے کافی تھی۔ اب وہ موڑوے پر چلے آئے تھے۔

لندن کے موٹروے پر نوے میل کی رفتار سے چلتی کار میں بیٹھے ہوئے ارسلان ہونقوں کی طرح دائیں بائیں ان سینکڑوں کاروں کو دیکھ رہا تھا جو اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھیں۔

ایک "سروس" کے سامنے وہ رک گئی----!

"کچھ کھا پی لیجئے۔" کیرن نے کار پارکنگ میں کھڑے کرتے ہوئے کہا۔

"شاید سردی محسوس ہو رہی ہے۔ اس مرتبہ کچھ زیادہ ہی سردی پڑی ہے۔ لندن میں اپریل میں موسم عموماً اچھا ہو جاتا ہے۔" کیرن نے یہ کہتے ہوئے اس کا ہاتھ بے تکلفی سے تھام

لیا تھا۔ ارسلان کو جھٹکا سا لگا' لیکن وہ سنبھل گیا۔

"واقعی میری تو قلفی جم گئی۔" اس نے کیرن سے کہا۔

دونوں "سروس" میں چلے آئے جہاں ہاتھ روم تک کیرن نے اس کی راہنمائی کی تھی۔

اب دونوں ایک میز پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اندر ماحول خاصا گرم تھا---- ارسلان نے اندازہ لگایا کہ یہاں سردی صرف سڑکوں پر ہوتی ہے یا پھر کھلی فضا میں۔ باقی تو ہر جگہ ٹمپریچر نارمل رکھا جاتا ہے۔

کیرن اس کی چوائس دریافت کر کے اسے وہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔ یہاں "سیلف سروس" تھی جس کا علم ارسلان کو نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ٹرے ہاتھوں میں پکڑے وہاں آ گئی۔ ایک ٹرے اس نے اپنے اور دوسری ارسلان کے سامنے رکھ دی۔ یہاں کے ماحول اور لوگوں کی طرح چیزوں کا ذائقہ بھی اس کے لیے اجنبی تھا۔

ہر شے نفاست کا شاہکار تھی' لیکن فی الوقت اس کے لیے بدمزہ! جیسے تیسے اس نے ابلی ہوئی سبزیاں حلق سے اتاریں اور فوم کے کپ میں پڑی کافی کو گھونٹ گھونٹ کر کے پی لیا۔

کیرن کو اپنے مہمان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ بات اس کے فرائض میں شامل تھی کہ وہ مہمان کی ہر ممکن دلجوئی کرے۔ اس کا "باس" اسے تنخواہ اس بات کی دیتا تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کے لیے وہ سب کچھ کر گزرے جس کا ارسلان کے ملک میں تصور بھی نہیں کیا جاتا۔

کیرن نے آہستہ آہستہ اسے بے تکلف کر لیا تھا۔ وہ ارسلان سے سفر' اس کے ملک اور وہاں کے لوگوں کی باتیں کرتی رہی۔ پھر اس نے یہاں کی باتیں شروع کر دیں۔ اس دوران اس نے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارسلان کو ذہنی طور پر خاصا نارمل کر دیا تھا۔

ان کے نزدیک بیٹھے لوگ ایک دوسرے سے چپکے ماحول سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھے۔

کیرن اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے دوبارہ ہنستے ہوئے ارسلان کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریباً اپنی طرف کھینچا۔ "سروس" کے دروازے سے باہر نکلتے ہی اس نے بے تکلفی سے مقامی روایات کے مطابق اپنا ہاتھ ارسلان کی کمر پر رکھ دیا۔ جب کہ ارسلان کا ہاتھ میکانکی عمل کے تحت اس کے کندھے پر چلا گیا---- سروس کے دروازے سے پارکنگ تک کا سو ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ ارسلان نے عالم مدہوشی میں طے کیا تھا۔

اس ماحول نے اس پر سحر طاری کر دیا تھا۔ "لیوٹن" تک کیرن نے اسے اتنا بے تکلف کر

لیا کہ جب وہ مطلوبہ مقام پر پہنچے جہاں مسٹر مارٹن اس کا منتظر تھا تو وہ آپس میں خاصے "فری" ہو چکے تھے---- کار سے اترنے کے بعد ارسلان نے خود آگے بڑھ کر کیرن سے لپٹتے ہوئے "مقامی انداز" میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

○ ○ ○

لیوٹن کی اس خوبصورت بستی کے گرم اور آرام دہ مکان میں اس کا استقبال مسٹر مارٹن نام کے ایک ڈھلتی عمر کے انگریز نے کیا' جس کی کنپٹیوں سے سفید بال جھانک رہے تھے' لیکن اس کی جسمانی ساخت اور قد کاٹھ دیکھ کر ارسلان کو اپنی جوانی حقیر دکھائی دے رہی تھی۔

مارٹن نے اپنے بال کالے کرنے کی فکر نہیں کی تھی' لیکن اس کو دیکھ کر کوئی بھی اس کی جاذب نظر شخصیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بھی ارسلان سے وہی کچھ کہا جو کیرن نے ہیتھرو ایئرپورٹ پر دریافت کیا تھا۔

کیرن کی معیت میں اب دونوں ایک آرام دہ بیڈ روم میں آ گئے جہاں اس نے قیام کرنا تھا۔ اس کمرے میں ٹی وی' ویڈیو' ریڈیو اور ٹیلی فون سمیت دنیا کی ہر آسائش موجود تھی۔ کمرے سے ملحقہ باتھ روم کی طرف کیرن نے راہنمائی کر دی تھی اور کمرے کی الماری میں اس کے لیے سلیپنگ سوٹ موجود تھا۔

"تم آرام کرو۔ سفر خاصا تھکا دینے والا تھا۔ رات کو کھانے پر ملاقات ہو گی۔ میں تمہارے دوست کو لینے جا رہا ہوں۔ کیرن تمہاری میزبانی کرے گی۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو اسے بے تکلف بتا دینا۔ یہاں ایشین مسلمانوں کے ہوٹل اور دکانیں موجود ہیں۔ سب کچھ مل سکتا ہے۔" مارٹن یہ کہہ کر چلا گیا۔

ارسلان اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ آخر اس کا کون سا "دوست" ہے جسے وہ لینے جا رہا ہے۔

اس نے کپڑے تبدیل کر لیے تھے اور اب ٹیلی فون پر نجمہ ملک سے رابطہ قائم کر لیا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان میں شام ڈھل رہی تھی اور نجمہ ملک کو اپنے گھر میں ہونا چاہیے تھا۔ جتنی جلدی یہاں سے فون پاکستان میں ملا تھا اتنی جلدی عام حالت میں اپنے ملک میں وہ مقامی فون بھی نہیں ملا سکتا تھا۔

نجمہ ملک نے حسب روایت بڑی چہکتی ہوئی آواز میں اسے لندن پہنچنے پر نیک خواہشات کا پیغام دیا۔ اس نے ارسلان کی دو چار باتوں سے اندازہ کر لیا تھا کہ لندن کی فضاؤں نے اس

کے ذہن کو مسخر کر لیا ہے اور یہی وہ چاہتی تھی۔

اب شکار اس کے سنہری پنجرے میں پھنس چکا تھا۔

ارسلان نے اس سے پوچھا تھا کہ رات کو کس دوست سے ملاقات ہو گی۔

"بعض باتوں کا مزہ تب ہی آتا ہے جب ان کا انکشاف اچانک ہو۔ بہرحال تم خوش ہو جاؤ گے۔" مسز ملک نے دوسری طرف سے ہنستے ہوئے کہا۔

شاید وہ ابھی ارسلان کو کچھ بتانا نہ چاہتی تھی۔ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں اور مقامی ماحول سے کچھ مشورے دینے کے بعد اس نے فون پر خدا حافظ کہہ دیا۔

ارسلان اب آرام دہ بستر پر ڈھیر ہوا سوچ رہا تھا کہ آخر وہ پراسرار مہمان کون ہو سکتا ہے؟ یہ سوچتے سوچتے وہ نیند کی آغوش میں سما گیا۔

ایک خوبصورت نیند----!

ایک خوبصورت خواب----!

جہاں کیرن اس کے لاشعور میں دبی سفلی خواہشات کے مطابق اس کے سامنے سر تسلیم خم کر رہی تھی اور وہ راجہ اندر بنا بیٹھا تھا۔

○ ○ ○

اس کی آنکھ کھلی تو اجالا رخصت ہو چکا تھا۔

برطانیہ میں شام جلدی اترتی اور دیر سے جاتی ہے۔ اس کا احساس اسے نہیں تھا۔ بستر سے اٹھ کر اس نے طویل انگڑائی لی اور پھر خود کو تازہ دم کرنے کے لیے غسل خانے کا رخ کیا۔

جب تیار ہو کر باہر نکلا تو کیرن دروازے پر اس کی منتظر تھی۔ شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میزبان جاگ چکا ہے۔ کیرن کی رہنمائی میں وہ ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ جہاں اس کا "مہمان دوست" بھی اس کا منتظر تھا۔

مارٹن اور مہمان ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہے تھے۔ اس کی آمد پر دونوں نے گردن گھما کر دیکھا اور اپنے مہمان پر نظر پڑتے ہی ارسلان ٹھٹک کر رہ گیا۔

یہ بہاول خان تھا----!

"ہماری دوسری ملاقات بھی اچانک ہی ہوئی ہے۔ سفر کیسا گزرا؟" اس نے ارسلان کے چہرے کی بدلتی رنگت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"جی بہت اچھا!"

"بیٹھو۔ گھبراؤ نہیں۔ یہاں میں صرف سلیم ہوں۔ ایک عام سا تاجر اور یہی میری شناخت ہے۔ مجھ کی خواہش تھی کہ تم بڑے آدمی بنو اور تم جانتے ہو کہ بڑا آدمی بننے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اب تم میدان میں آ گئے ہو۔ اعتماد پیدا کرو۔ میری بات یاد رکھنا کہ ہمارے ملک میں دولت حاصل کرنے کے ذرائع پر بحث کرنا صرف بیکار اور اخباری لوگوں کا دھندہ ہے---- دولت حاصل کرنا ہی اصل میں اہم بات ہے۔" اس نے کیرن کو جوس لانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ارسلان اس کے سامنے آرام دہ صوفے میں دھنسا بیٹھا تھا۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص جو مسلسل فلسفہ بول رہا ہے اس کے ملک کا بدنام سمگلر ہے اور یہاں کتنے اطمینان سے اسے "جدید اخلاقیات" پر درس دے رہا ہے۔

"جب تمہیں اس بات کا علم ہے کہ میرے ذرائع آمدن کیا ہیں تو پولیس اور اعلیٰ حکام کو کیسے علم نہیں ہو رہا ہو گا؟ لیکن تم نے دیکھا وہ پالتو کتوں کی طرح میرے قدموں میں لوٹتے ہیں۔ تم نے دیکھا شہر کی کتنی بڑی بڑی انجمنوں کا میں سرپرست ہوں۔ سیاست دانوں سے میرے تعلقات کی خبریں تم اخبارات میں پڑھتے ہی ہو گے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ میں ایک دولت مند انسان ہوں۔ جن لوگوں کو میں اپنے مقاصد کی بجاآوری کے لیے خریدتا ہوں انہیں صرف پیسوں سے غرض ہے۔ میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ تم ایک کامیاب "چکر" لگا چکے ہو۔ اس محنت کا انعام تمہیں دو لاکھ کی صورت میں ملے گا۔ تمہارے دیگر تمام اخراجات بھی ہمارے ذمے رہے۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ تم روپیہ کس کرنسی میں اور کہاں لینا چاہتے ہو۔ اگر یہاں اکاؤنٹ کھولنے کا ارادہ ہے تو یہاں لے لو۔ اگر پاکستان میں کسی جگہ چاہیں تو وہاں مل جائیں گے۔"

"لیکن میں نے کوئی پھیرا....." ارسلان طلسم ہوشربا میں پھنس گیا تھا۔

"اپنا بیگ لے آؤ۔" بہاول خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ارسلان کسی سحر زدہ معمول کی طرح اٹھا اور کمرے سے اپنا بیگ لے آیا۔

"اسے کھول کر اچھی طرح دیکھو۔ اس میں کیا ہے؟" بہاول خان نے کہا۔

"کچھ نہیں! میں نے خود چیکنگ کی تھی۔" ارسلان بولا۔

"پھر بھی احتیاطاً" دوبارہ دیکھ لو۔"

دوبارہ اس نے سارے کپڑے نکال کر دیکھے۔ اندر اور کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ ہی کوئی خفیہ جیب نظر آ رہی تھی۔ ارسلان حیرانی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"مسٹر مارٹن!" بہاول خان نے مارٹن کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا جو ارسلان کی حالت سے

مسکراتے ہوئے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

○ ○ ○

مارٹن نے میز پر پھلوں کے نزدیک رکھا چاقو اٹھایا اور بیگ کو نچلے حصے سے کاٹنا شروع کیا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سفید رنگ کی دس تھیلیاں موجود تھیں۔ ارسلان حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے لاعلم رکھ کر استعمال کیا گیا تھا۔ اس صورت حال نے اسے گڑبڑا کر رکھ دیا تھا' لیکن یہاں وہ منفی جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

"میں اصل میں تمہیں یہی سمجھانا چاہتا تھا کہ تدبیر اور تقدیر دونوں مل جائیں تو بہت سے لاینحل مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اب تم خود کتنے مراحل سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہو' لیکن تمہارا مال محفوظ رہا۔ اس کی وجہ جانتے ہو کیا تھی؟ مسٹر ارسلان انسان تجربے سے سیکھتا ہے۔ اگر اس دھندے سے لگے رہو گے تو تمہیں خود بہت سی باتوں کا علم ہو جائے گا۔ جہاں تک خطرے والی بات کا تعلق ہے تو تم جانو کہ خطرات کب زندگی کا حصہ نہیں رہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ابھی کوئی جہاز ہمارے سر پر آ گرے اور ہم سب مر جائیں۔"

بہاول خان کا بات کرنے کا انداز ایسا تھا کہ بات ارسلان کو اپنے دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اس تھوڑے عرصے میں مغربی زندگی کے ایسے ایسے کمالات کا نظارہ کر لیا تھا کہ اب اس کا دل "ناں" کرنے کو نہیں چاہتا تھا۔ اس بات میں کوئی شک بھی نہیں کہ وہاں اپنے ملک میں بھی اس کی زندگی اتنی ہی غیر محفوظ تھی جتنی آج یہاں ہے۔ وہاں بھی جانے کس لمحے کسی سمت سے اندھی گولی آئے اور اس کے سانسوں کا تانا بانا بکھیر کر رکھ دے۔

"میں یہاں اپنا اکاؤنٹ کھولنا چاہتا ہوں۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے بہاول خان سے کہا۔

"ویل ڈن----! سمجھدار آدمی ہو۔ آگے نکلو گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے ارسلان کی پیٹھ تھپک دی۔

کیرن نے دو تین مرتبہ جوس تیار کر کے ان کے سامنے رکھا تھا اور اب وہ اگلے حکم کی منتظر کھڑی تھی۔

"یہاں راتیں دن کی طرح جاگتی ہیں۔ جاؤ اور زندگی کے مزے لوٹو۔ اب شاید ہماری ملاقات دیر بعد ہو یا بہت جلدی' لیکن ایک بات اپنے ذہن سے کبھی نہ اتارنا کہ ہم دونوں آپس میں کبھی نہیں ملے۔ اگر کبھی اپنے ملک کی کسی محفل میں ہمارا آمنا سامنا ہو جائے تو ہم دونوں

اتنے ہی اجنبی ہوں گے جتنے اب سے چند روز پہلے تھے---- جتنے دن چاہو موج میلہ کرو۔ اس کے بعد کیرن تمہاری میزبان ہے۔ میں اب چلتا ہوں۔ تمہارا اکاؤنٹ بھی کیرن صبح کھلوا دے گی۔ برطانیہ کی خوبصورت علاقوں کی سیر کرو۔ یہاں کے نظام کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ خدا حافظ۔" اس نے اچانک کھڑے ہو کر اس سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور اس کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

مارٹن اس کے تعاقب میں ارسلان سے ہاتھ ملا کر دوبارہ ملاقات کی خواہش کر کے باہر نکلا اور پھر دونوں کار میں بیٹھ کر نامعلوم منزل کی طرف چل دیئے۔

○ ○ ○

کیرن اسے دوسری کار میں باہر لے آئی----!

گھر کی چابیاں اس کے پاس تھیں اور وہ ارسلان کو "لندن" دکھانے لے جا رہی تھی۔ شاید اس کی تنخواہ ہی میزبانوں کا دل بہلانے کی ملتی تھی۔ کار اس نے ایک "پب" (شراب خانہ) کے سامنے روکی اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔

نشے میں مدہوش عورتیں اور مرد دنیا و مافیہا سے بے نیاز شغل مے نوشی میں مصروف تھے۔ کسی نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ یہاں مختلف قسم کی شرابوں کا سمندر بہہ رہا تھا۔ ارسلان کے کہنے پر کیرن نے ہی اس کے لیے جام منتخب کیا اور صرف ایک ایک جام اپنے حلق میں انڈیل کر وہ باہر چلے آئے۔

شراب خانے سے ایک انڈین ریسٹورنٹ تک کیرن نے اس کے ساتھ چپک کر سفر کیا تھا۔ وہ جتنی ہوشیاری سے کار چلا رہی تھی اس سے زیادہ ہوشیاری سے اپنے سوار کو بھی کنٹرول کر رہی تھی۔ اس نے فی الوقت اعتدال کی پالیسی اپنائی ہوئی تھی اور ارسلان اپنے ہوش و حواس میں اس کا ہم سفر تھا۔

انڈین ہوٹل پر انہوں نے کھانا کھایا اور اب وہ ارسلان کو ایک "ڈسکو" کی طرف اڑائے لیے جا رہی تھی۔

آج ویک اینڈ تھا اور ڈسکو میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ ہال کمرے میں گھستے ہی شراب اور سگریٹوں کے دھوئیں نے ان کا استقبال کیا۔ ارسلان کے دل کی دھڑکن اس ماحول میں تیز ہونے لگی تھی۔

"واقعی دنیا یہی ہے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

یہی تھی وہ دنیا جو نجمہ ملک اسے دکھا کر پھنسانا چاہتی تھی اور وہ اس دنیا کی دلدل میں گہرا اترتا چلا جا رہا تھا۔

ارسلان یہ بھول چکا تھا کہ عشق و محبت کے اس طلسم ہوشربا کو آنے والے راستے تو بے شمار ہیں' واپس جانے کا دروازہ کسی پر نہیں کھلتا۔

لیکن----!

اس نے واپسی کے متعلق سوچا ہی کب تھا؟

وہ تو اس عالم رنگ و بو میں آگے' اور آگے---- بہت آگے نکل جانا چاہتا تھا۔

رات ایک پہر بیت رہی تھی جب وہ کیرن کے وجود کا حصہ بنا گھر تک پہنچا۔ اب اسے کیرن سے کوئی جھجک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کیرن بھی اب اس کے نزدیک عارفہ اور نازنین جیسی ہی کوئی لڑکی بن چکی تھی۔ ایسی درجنوں لڑکیوں سے اس کا سابقہ زندگی میں رہتا تھا۔

اس نے جان لیا تھا کہ عورت خواہ اس کا تعلق کسی بھی رنگ و نسل اور ملک و قبیلے سے ہو' مرد کے لیے بالآخر عورت بن کر رہ جاتی ہے اور وہ اپنے حسب نسب کی پہچان سے نہیں بلکہ اپنے جسم کی پہچان سے جانی جاتی ہے۔

رات دونوں نے ایک ہی خواب گاہ میں بسر کی۔ مغربی اطوار میں ڈھلی کیرن نے اسے سرور و نشاط کے ایسے ان دیکھے جہاں کی سیر کروائی کہ وہ دنگ رہ گیا۔

یہ سب اس کے لیے نیا لیکن زندگی کا سب سے خوبصورت تجربہ تھا۔ کیرن اس کی نس نس میں نشے کی طرح اتر گئی تھی۔

صبح دیر گئے تک دونوں اپنی جسمانی حالت سے بے نیاز مدہوشی کی نیند سوتے رہے۔

شاید ان لوگوں کی صبح کا آغاز ہی دوپہر سے ہوتا تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو کیرن اپنے جسم سے تولیہ باندھے باتھ روم سے باہر آ رہی تھی۔ ارسلان کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ چپک گئی۔

صبح بخیر کہتے ہوئے اس نے رات خدمت میں کوئی کمی رہنے پر معافی مانگی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

ارسلان جب نہا کر باہر نکلا تو وہ ہونٹوں سے سگریٹ لگائے چائے سمیت اس کی منتظر تھی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ ناشتہ کیرن نے مشرقی انداز میں بنایا تھا۔ اس نے ناشتے کی میز پر ہی ارسلان سے اس کی اپنی مرضی کی کوئی جگہ دیکھنے کے متعلق پوچھا۔ ارسلان کے لیے فی الوقت کیرن کے وجود سے زیادہ اور کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے جب

جواب دیا تو کیرن بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"اگر مجھے ہی دیکھتے رہے تو بور ہو جاؤ گے۔ پھر میں کہاں بھاگی جا رہی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ٹیلی فون پر ہی دو تین جگہ نمبر گھما کر کچھ ریزرویشن کروائی اور تھوڑی دیر بعد وہ کار پر لندن جا رہے تھے۔

ایک ہفتے میں اس نے ارسلان کو ایسے ایسے جہانوں کی سیر کروائی کہ اب رہ رہ کر اس کے دل میں یہاں بس جانے کی خواہش مچلنے لگی۔ اس کا بینک اکاؤنٹ لندن میں کھل گیا تھا۔

قریباً ہر روز اس کی فون پر نجمہ ملک سے بات ہوتی تھی جو اس کے جذبہ شیطانیت کو مزید مہمیز لگاتی رہتی تھی۔

اس نے ارسلان کے اندر موجود تمام بشری کمزوریوں کو اس ڈھنگ سے ایکسپلائٹ کیا تھا کہ ارسلان جکڑا جا چکا تھا۔ ہر نئی فون کال پر وہ اس کے ضمیر کے گرد ہوس کی ایک مضبوط گرہ لگاتی چلی جا رہی تھی۔

سانپ کے منہ میں چھپکلی

اس نے لندن ہی سے فون کر کے رضوی صاحب کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ اچانک ہی یہاں آ گیا ہے اور ان سے ششما کے لیے ہدایات طلب کی تھیں۔

رضوی صاحب نے اس "خوشگوار سرپرائز" پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فی الوقت ششما سے صرف ملاقات کرنے پر اکتفا کی ہدایت کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ وقت کی کمی کا بہانہ کر کے وہ جلدی جان چھڑا سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بات اس کی صوابدید پر چھوڑ دی تھی کہ اگر وہ پسند کرتا تو فی الوقت اس سے نہ ملے۔

"نہیں جناب۔ اب میں آیا ہوں تو ملاقات نہ کرنا زیادتی ہو گی۔" اس نے فون پر ہی کہتے ہوئے کہا تھا۔

"او۔ کے۔ گڈ لک۔ جس روز واپسی کا پروگرام ہو' اطلاع کر دینا۔ کوئی دوست تمہیں ایئرپورٹ پر ریسیو کر لے گا۔"

"تھینک یو سر!"

اس نے کیرن سے تین چار روز بعد ایک دن اکیلے گھومنے کی اجازت لے لی تھی۔ اس دن وہ خود یہاں کے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہتا تھا۔

کیرن نے اس کی خواہش کا احترام کیا تھا اور اسے لندن کا نقشہ سمجھاتے ہوئے شام آٹھ بجے پکاڈلی اسٹیشن پر اس جگہ پہنچنے کے لیے کہا تھا جہاں اس نے ارسلان کو چھوڑا تھا۔

کیرن سے الگ ہوتے ہی اس نے فون باکس سے ششما کے نمبر گھمانے شروع کر دیئے۔ دوسرے نمبر پر وہ مل گئی۔ ارسلان کی اس طرح اچانک آمد نے اسے حیرت زدہ کر دیا تھا۔

"کہاں سے بول رہے ہو؟"

جواب میں ارسلان نے وہ جگہ بتائی اور قریباً آدھ گھنٹہ بعد ششما بھٹہ چار یہ وہاں موجود تھی۔

"ویل کم!" اس نے ارسلان کے گلے کا ہار بنتے ہوئے کہا۔

اپنی کار میں وہ ارسلان کو نزدیک ہی ایک ریسٹورینٹ کی طرف اڑائے لئے جا رہی تھی۔ راستے میں ارسلان نے اسے اچانک اطلاع دینے پر معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اچانک ملک صاحب کے خاص کام سے یہاں پانچ روز کے لیے آنا پڑا اور وہ پرسوں ہی واپس جا رہا ہے' لیکن بہت جلدی واپس آئے گا۔ پھر اس سے تفصیلی مذاکرات ہوں گے۔"

اس اچانک اور انتہائی مختصر شیڈول پر ششما نے زبردست احتجاج کیا لیکن کسی نہ کسی طرح ارسلان نے اسے مطمئن کر لیا۔ ششما نے وہیں سے فون کر کے کسی کو اپنے شام تک لوٹنے کی اطلاع دی تھی اور کہا تھا کہ ایک دوست پاکستان سے اچانک اور انتہائی مختصر ملاقات کے لئے آیا ہے۔

شام تک کا وقت انہوں نے اکٹھے گزارا۔

اس دوران وہ مختلف جگہ گھومتے اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ ششما بیٹھ چار بار اس درمیان اپنی دانست میں رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ اس نے سب سے پہلے ارسلان کو اپنی ایشیائی نوجوان تنظیم کا فارم رکنیت بھروایا۔ پھر اسے پاکستان میں دفتر کھولنے کی ہدایت کی۔

ایک جگہ وہ دوپہر کے بعد جب کھانا کھا رہے تھے تو اچانک ششما کا ایک واقف کار سے ٹکرا گیا۔ ششما نے اس کا تعارف کرپلانی کے نام سے ارسلان سے کروایا اور اسے اپنی ہ کا وائس پریذیڈنٹ بتایا تھا۔

ارسلان اندازہ کر سکتا تھا کہ اس نوجوان کی آمد اچانک نہیں بلکہ طے شدہ ہے کیونکہ اس درمیان مختلف بہانوں سے ششما نے چار پانچ مرتبہ مختلف جگہ فون کیے تھے۔

اس نے اس درمیان کئی جگہ اپنی اور ارسلان کی اکٹھے تصویریں بھی اتاریں تھیں۔ ارسلان اندازہ کر سکتا تھا کہ یہ تصویریں کیوں اتاری جا رہی ہیں؟

یقیناً یہ ریکارڈ میں جمع ہونی تھیں۔

شام تک ششما اسے اپنی دانست میں پاکستان سے متنفر کر چکی تھی اور اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب یہ "پنچھا" ان کے گھناؤنے مقاصد کی بجاآوری میں ان کا معاون ثابت ہو گا۔

اس نے ارسلان کے ناں ناں کرتے بھی لندن کے بہت بڑے سٹور سے اس کے لئے اچھی خاصی شاپنگ کر لی تھی۔

ایک طویل بوسے اور جلد ملاقات کی یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد اس نے آٹھ بجے شام اسے پکاڈلی اسٹیشن پر ڈراپ کر دیا تھا۔ وہ ایئرپورٹ پر رخصت کرنے کی شدید خواہش مند تھی۔ ارسلان نے اسے اپنی فلائٹ کی روانگی سے آگاہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

کیرن اس کی منتظر تھی۔۔۔۔!

ایک مرتبہ پھر وہ کیرن کی میزبانی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ دونوں سیدھے لیوٹن آئے تھے۔ باقی وقت انہوں نے اکٹھے گزارا۔ کیرن نے اسے رات کا کھانا گھر سے باہر کھانے کی پیشکش کی تھی' لیکن اس نے کیرن کی صحبت سے لطف اندوز ہونا زیادہ ضروری سمجھا۔

اگلا سارا دن اس نے پھر کیرن کے ساتھ آوارہ گردی کی نذر کر دیا۔ نجمہ ملک نے اسے بتایا تھا کہ دو مرتبہ مختاراں بائی اس کے لیے بندہ بھیج چکی ہے اور دو تین فون بھی اس نے کیے تھے۔ اس نے ارسلان کو بتایا تھا کہ اب وہ واپس آ کر ذرا اسے سنبھالے۔ کہیں وہ کنٹرول سے باہر ہو کر کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے۔

یوں بھی وہ ملک کے اعتماد کو مجروح کر کے اپنے مستقبل کو داؤ پر نہیں لگانا چاہتا تھا۔ دوسرے دن رات کی فلائٹ سے وہ پاکستان واپس جا رہا تھا۔

کیرن سے اس نے لیوٹن میں ہی علیحدگی اختیار کر لی تھی اور ایئرپورٹ تک مسٹر مارٹن نے چھوڑنے آیا تھا۔ اس نے مسٹر مارٹن کو باہر ہی سے رخصت کر دیا تھا اور سیدھا ٹرمینل پر چلا آیا جہاں ششما بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔

جہاز میں چیک ان کرنے تک وہ اس سے چپکی رہی۔ پھر خاصے جذباتی انداز میں اس نے ارسلان کو رخصت کیا۔

پاکستان میں ایئرپورٹ پر رضوی صاحب کا ایک بندہ پہلے سے اس کا منتظر تھا۔ اس نے جہاز سے ہی اسے "ریسیو" کر لیا اور جیسے ہی اس کا سامان بیلٹ پر آیا' میزبان دوست اسے باہر لے آیا۔ صرف اس کے پاسپورٹ پر اندراج ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کسی کاؤنٹر پر کسی نے اس سے کچھ دریافت کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔

○ ○ ○

ایئرپورٹ کے باہر نجمہ بیگم اس کی منتظر تھی۔

وہ خود جیپ ڈرائیو کرتی یہاں تک آئی تھی۔ بڑی گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ارسلان کو خوش آمدید کہا تھا۔ واپسی پر بھی جیپ وہ خود ہی چلا رہی تھی۔

"کیسا رہا ٹرپ؟" اس نے کنکھیوں سے ارسلان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"بہت اچھا' لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ نے مجھے اعتماد میں لینا کیوں ضروری نہیں سمجھا۔ اس طرح بے خبری میں تو کچھ بھی ہو سکتا تھا....." اس نے دبی زبان میں گلہ کرتے

ہوئے اپنے جذبات کے اظہار کی تلاش کی۔۔۔!

"ارسلان! اگر میں یہ کہوں کہ تم ابھی بچے ہو تو برا مت ماننا۔ گو کہ میری اور تمہاری میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے لیکن تجربے کی بنیاد پر میں کہہ سکتی ہوں کہ میں تمہاری بزرگ ہوں۔ میں نے زندگی سے جو کچھ حاصل کیا' اس کے لیے مجھے بہت کچھ قربان کرنا پڑا اور اس قربانی کے عوض جو تجربات مجھ تک منتقل ہوئے ہیں' وہ سب بہت ایمانداری سے تم تک منتقل کر رہی ہوں کیونکہ ہم بزنس پارٹنرز ہیں اور کبھی کبھی یہ بزنس کی پارٹنر شپ اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ لائف پارٹنر شپ اس کے سامنے ہیچ دکھائی دیتی ہے۔۔۔ تمہارے سوال کا مختصر جواب تو یہی ہے کہ اگر میں تمہیں باخبر کر دیتی تو اور کچھ ہو جاتا تو بھی تمہارا رد عمل کچھ بہتر نہ ہوتا اور اگر بے خبری میں کچھ ہو جاتا تو بھی تمہارا رد عمل مختلف نہ ہوتا۔ ایک بات تو طے شدہ ہے کہ تم مجھے کبھی انکار نہ کرتے۔ اس کا خدانخواستہ یہ مطلب نہیں کہ ایسا تم کسی دباؤ کے تحت کر رہے ہو بلکہ آپس کے اعتماد کی بات ہے۔ دراصل میں تمہیں ایک تجربے سے گزارنا چاہتی تھی۔ میں تم پر ثابت کرنا چاہتی تھی کہ اگر انسان پر اعتماد ہو تو کمپیوٹر بھی اندھا ہو جاتا ہے۔ چونکہ تمہارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ تم کوئی مشتبہ شے اپنے ہمراہ لے جا رہے ہو سو تم پر اعتماد اور مطمئن تھے لیکن پہلے ہی چکر پر اگر تم گھبرا جاتے تو ضرور کوئی ایسی الٹی سیدھی حرکت کر دیتے جس سے تم مشتبہ ٹھہرتے اور پکڑے جاتے۔ اب ایک کامیاب چکر لگانے کے بعد تم باخبر ہو کر بھی جاؤ گے تو اعتماد سے جاؤ گے۔"

وہ اچانک ہی موڑ کاٹتے ہوئے اس کی طرف جھک کر مسکرائی اور ارسلان نے گدھوں کی طرح دانت نکال کر اس کی فلسفیانہ موشگافیوں پر صاد کیا۔

"ملک صاحب کا کیا حال ہے؟" اس نے موضوع بدلنا چاہا۔

"وہی ہمیشہ والا۔ بدمست گھوڑے کی طرح ہوا کے زور پر اڑ رہا ہے۔ آج کل دارالحکومت کے چکر کچھ زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ انتخابات کے لیے جوڑ توڑ ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔ اپنا پریشر گروپ مضبوط کر رہا ہے۔۔۔ بے چارہ ملک!"

اس نے طنزیہ لہجے میں مسکراتے ہوئے ارسلان کی طرف دیکھا اور ارسلان کو جواب میں وہی حرکت دہرانا پڑی۔

"میری لندن روانگی کا تو انہیں علم ہو گا ہی۔۔۔۔؟"

ہاں کیوں نہیں بہت خوش ہے وہ کہ پٹھا یورپ کی سیر کر رہا ہے۔ اس کا جال تم پر مزید مضبوط ہو رہا ہے۔ ہاں ایک چکر اس طوائف کے کوٹھے کا بھی لگا لینا۔ تمہاری جدائی نے بے چاری کو خاصا پریشان کر رکھا ہے اور اسے سمجھا دینا کہ تمہارے بعد یہاں کوئی فون نہ کیا کرے۔۔

اس کی لگامیں ابھی سے کھینچ دینا' اس سے پہلے کہ گھوڑی بے قابو ہو جائے۔۔۔!" نجمہ ملک نے ٹیپ کو ٹھی کے برامدے کے سامنے پارک کرتے ہوئے کہا۔

دونوں اٹھتے ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے۔

مئوب ملازم ان کے تعاقب میں ارسلان کا سامان اٹھائے چلا آ رہا تھا جو وہ لندن سے بھرے ہوئے اٹیچی کیس اپنے ہمراہ لایا تھا۔

ڈرائنگ روم کے آرام دہ صوفے میں دھنستے ہوئے اس نے نجمہ بیگم کی خواہش پر تمام واقعات بلاکم و کاست بیان کر دیئے تھے۔ ششما کا ذکر وہ گول کر گیا۔ یوں بھی یہ نجمہ بیگم کی پسند کا مضمون نہیں تھا۔

جیسے جیسے وہ آپ بیتی سنا رہا تھا' نجمہ بیگم کی آنکھوں کی چمک بڑھ رہی تھی اور اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے والے صوفے میں دھنسی سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ اب مقامی سیاست سے آہستہ آہستہ کنارہ کشی کرو اور "انٹرنیشنل پالیٹکس" کی طرف توجہ بڑھاؤ۔" اس نے انٹرنیشنل پالیٹکس کے الفاظ کہتے ہوئے ارسلان کی طرف دیکھ کر اپنی آنکھ بھی دبا دی تھی۔

ارسلان حسب سابق مسکرا کر رہ گیا۔

○ ○ ○

مختاراں کو جب استاد جی نے باؤ ارسلان کی آمد کی خبر دی تو اس کے منحوست زدہ چہرے پر سرخیاں ناچنے لگیں۔۔۔۔ گزشتہ ایک ہفتے سے وہ ہر روز کسی نئی ذلت کا سامنا کر رہی تھی۔ وہ نوخیز جس پر رونقیں عاشق تھیں' آج کسی اجاڑ خانقاہ کا منظر پیش کر رہا تھا جس کی مختاراں بائی مجاور بن کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ابھی تک براہ راست ملک صاحب سے رابطہ قائم کرنے کی جرات نہیں کی تھی اور ارسلان کی شدت سے منتظر تھی کیونکہ ارسلان کی طرف سے ایڈوانس کے بعد سے اسے ایک پھوٹی کوڑی بھی ابھی تک نہیں ملی تھی۔

استاد جی کے منہ سے باؤ ارسلان کا نام سن کر بستر سے کمنی کے بل لیٹی نازنین نے اچانک اسی طرح اٹھ کر استاد کی طرف دیکھا جیسے پلنگ میں لگے کسی سپرنگ نے اسے فضا میں اچھال دیا ہو۔

"ذرا سنبھل کے۔" ہوشیار نائیکہ نے اپنے "مستقبل" کو آنکھ کے اشارے سے سمجھایا۔

دوسرے ہی لمحے وہ پلنگ پر اس طرح دراز ہو گئی جیسے صدیوں کی بیمار لیٹی ہو اور ارسلان کے کمرے میں داخل ہونے تک اسی پوزیشن میں لیٹی رہی۔

"واہ باؤ ارسلان! تو نے ہمارے ساتھ اچھی نبھائی۔ چپ چاپ کام کروا کر کھسک گئے۔ ہماری خبر تک نہ لی۔ نہ جاتے ہوئے بتایا....." مختاراں نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی شکایتوں کا پٹارہ کھول دیا۔

"بی بی بس چپ ہی بھلی--- جس پر گزرے وہی جانتا ہے بی بی-----!" ارسلان نے نازنین کے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی۔

بی بی کو سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ ارسلان باؤ نے کیا کہہ دیا؟ اس سے پہلے کہ وہ وضاحت طلب کرتی ارسلان کی طرف سے نازنین کے احوال دریافت کرنے پر وہ پھر پھٹ پڑی۔

"ارسلان باؤ! تمہیں کیا پروا اس بے چاری کی۔ بس یہ سمجھو کہ مرتے مرتے بچی ہے۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ ڈاکٹر کام کا مل گیا۔ اس نے تمہاری اچانک گمشدگی کو اپنی جان کا روگ بنا رکھا ہے---- میاں! تین دن سے اس حالت میں لیٹی ہے اور کوٹھا بند ہے۔ کچھ خبر بھی ہے تمہیں----؟ اس نے ارسلان پر احسان کا بوجھ ڈالنا چاہا۔

اس اثناء میں نازنین اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ چہرے سے واقعی بیمار ظاہر ہو رہی تھی اور ارسلان دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہ جو خبر مختاراں کو سنانے جا رہا ہے اس کے بعد تو واقعی ماں بیٹی کا یہی حال ہونے والا تھا جس کی وہ ایکٹنگ کر رہی تھیں۔

"شکر ہے خدا کا میری بچی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تو آئی۔" اس نے نازنین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا چائے پانی کا بندوبست تو کر لوں۔"

یہ کہہ کر ہوشیار نائیکہ باہر آ گئی۔ اب وہ اپنی ہونہار صاحبزادی کو خنجر آزمائی کے لیے اکیلے چھوڑ آئی تھی اور ماں کے جاتے ہی بیٹی نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔ اس نے حسب تربیت ناز و ادا سے ارسلان کو برا گھیرنے کی کوشش کی۔ پھر نخرے دکھانے اور اٹھانے شروع کر دیئے لیکن آج تو وہ پریشان ہی ہو گئی جب اس نے دیکھا کہ ارسلان ابھی تک "نارمل" ہی ہے--- یہ اس کے لیے چونکا دینے والی بات تھی۔

اس سے پہلے کہ صورت حال کی سمجھ اسے آتی۔ مختاراں بائی نے گلاسوں میں بوتلیں انڈیل کر برف کی ڈلیوں سمیت اس کے سامنے رکھ دیں۔ اس نے نازنین کو آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کی تلقین کی تھی تاکہ باؤ ارسلان سے بزنس کی بات کر سکے۔ اسے یقین تھا کہ اتنے عرصے میں ہی اس کی بیٹی نے باؤ ارسلان کو آئے دال کا بھاؤ بتا دیا ہو گا۔

"ارسلان بیٹا! تم نے تو حد ہی کر دی۔ ایک تو میں نے اپنی خاندانی روایات کا ستیاناس

کرتے ہوئے اس بوڑھے بھیڑیئے کے سامنے اپنی پھول سی بچی کو صرف تمہارے کہنے پر پھینک دیا اور دوسرے تم اچانک غائب ہو گئے۔ کم از کم رقم تو فوراً پہنچا کر جاتے۔ وہ تمہارا ملک---- وہ تو درندہ تھا درندہ۔ میری بیٹی ابھی تک بیمار ہے۔ ساری زندگی میں اس کے سامنے آنکھیں اٹھا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہی----- اور تم ہو کہ---- خیر چھوڑو ان باتوں کو لاؤ رقم نکالو۔"

اس نے ارسلان کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"بی بی! میں نے تو سوچا تھا کہ چلو کچھ میرا بھی بن جائے گا اور تمہارا بھی بھلا ہو جائے گا لیکن تقدیر کے آگے تدبیر بھی نہیں چلتی۔" ارسلان نے مردہ سے لہجے میں کہا۔

"کک کیا مطلب ہے تمہارا؟" مختاراں بائی کے ہاتھ سے گلاس گرتے گرتے بچا تھا۔ اس نے بمشکل منہ میں رکھی ٹھنڈی سیون اپ کا گھونٹ حلق میں انڈیلا اور گلاس میز پر رکھ کر اس کی طرف گھورنے لگی۔

"دراصل بی بی! کوئی تیسرا ہم کو داؤ لگا گیا----!" ارسلان نے کہا۔

"دیکھو ارسلان بیٹا! ہم کنجر لوگ ہیں۔ ہم زمانے کو چارتے ہیں۔ ابھی ہمیں چارنے والا پوری مائی کا لال پیدا نہیں ہوا۔ میرے ساتھ کوئی چکر والی بات نہ کرنا۔ میں سیدھی عورت ہوں ویسے اتنی سیدھی بھی نہیں۔ ہاں! یہ تمہیں پہلے سے بتا دوں۔" مختاراں کا بلڈ پریشر گفتگو کے آغاز ہی پر بڑھنے لگا تھا۔

"دیکھو بی بی! میں نے آج تک تم سے کبھی ہیرا پھیری کی بات نہیں کی۔ ٹھیک ہے تم ملائف ہو لیکن طوائفوں والی زبان میں مجھ سے گفتگو نہ کرنا۔ کسی سالے کا لے کر نہیں کھاتا کہ تمہاری دھونس میں آؤں گا۔ آج تک تمہارا بھلا ہی کیا ہے۔ تمہارے بڑے بڑے کام کروائے ہیں میں نے---- اور آج بھی تم اس بازار میں میری ہی وجہ سے سر اٹھا کر چل رہی ہو۔ جانے والوں کو بھنک بھی پڑ گئی کہ ملک صاحب نے تمہارے سر سے ہاتھ اٹھا لیا ہے تو تمہاری ہڈی کی ہڈیاں چبا جائیں گے۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے کہنے پر میں نے دو تھانیداروں کو یہاں سے ٹرانسفر کروا کر نکلوایا ہے۔"

ارسلان نے بھی مختاراں کے حملے پر دھلا مارا تھا----! اس بدلے ہوئے روپ نے مختاراں کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے۔ وہ بھی بڑی خرانٹ کنجری تھی۔ کیا مجال جو اس نے اپنے دلی جذبات کا معمولی عکس بھی چہرے پر باقی رہنے دیا ہو۔

"ارسلان باؤ! تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے تو تمہیں ہمیشہ اپنا بچہ سمجھا ہے۔ تم جانتے ہو میں نے بھی نازنین کو تنہائی میں کسی تماش بین کے نزدیک نہیں پھٹکنے دیا اور تم.....

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اب ارسلان کو اپنے احساسات کا احساس دلانا چاہا تھا۔

"خیر۔ میری بات سنو اور زیادہ جذباتی بننے کی کوشش نہ کرو۔ بی بی! یہ کام میں نے تمہاری پارٹی کے کہنے پر کیا تھا ورنہ میرا دماغ تو خراب نہیں تھا کہ اتنا خطرناک کام اور وہ بھی ملک صاحب کے خلاف کرواتا۔ وہ تو میری ہڈیوں سے کھال اتار کر کتوں کے سامنے ڈلوا سکتا ہے۔ اچھی خاصی رقم کی امید تھی لیکن جب میں نے ان لوگوں سے بقیہ کا تقاضا کیا تو وہ حرام خور الٹا مجھے ہی دھمکیاں دینے لگے۔ بی بی یہ سیاست دان لوگ تو ہمارے بھی "گرو" نکلے۔ مجھے انہوں نے گالیاں دیتے ہوئے گھر سے نکال دیا اور دھمکی بھی دی کہ اگر آئندہ کبھی اس مسئلے پر ہاہا بھی کی تو میرا اور تمہارا وہ حشر کروائیں گے کہ ایک زمانہ عبرت حاصل کرے گا۔ میں تو چکرا کر رہ گیا۔ ایک تو اپنے مالک سے احسان فراموشی کی اور دوسری طرف سے جوتے بھی پڑے۔ بی بی ہماری قسمت ہی بری ہے۔ بس صبر شکر کر لو۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ تھانے کچہری کا کام کروا دیا کریں گے لیکن اگر بھولے سے بھی اس بات کا تذکرہ کسی سے کر دیا تو پھر لینے کے دینے ہم جائیں گے۔"

مختاراں بائی کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔ بمشکل اس نے سیون اپ کے دو گھونٹ حلق میں انڈیل کر اپنی حالت سنبھالی۔

"بیٹا! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم کہیں.....؟"

"بی بی! قسم لے لو اگر میں جھوٹ بولوں۔ میں خود بری طرح پھنس گیا ہوں۔ ان سالوں نے ہمیں دھوکے میں رکھ کر استعمال کیا ہے۔ اب اگر ہم میں سے کسی نے ان کے سامنے چوں چراں کی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے کہ اپنے اس احسان کے بدلے ان سے تھانے کچہری کا کام کروا لیا کریں۔ اس طرح شاید ہمارا نقصان پورا ہو جائے۔ یہاں ہر دوسرے گھر پر ایک دو مقدمے بنے ہوئے ہیں' باقی تمہاری مرضی۔ ہاں یہ رکھ لو۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنے پاس سے دے رہا ہوں۔ یہ تو میرا مولا ہی جانتا ہے کہ میں نے کتنے گھاٹے کا سودا کیا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوا نکالا اور ہزار ہزار کے پانچ نوٹ گن کر مختاراں بائی کو تھما دیئے۔

○ ○ ○

لاکھوں کی آسامی مختاراں بائی نے نیم مردہ بازو اس کی طرف بڑھا دیا اور لرزتے ہاتھ سے نوٹ پکڑ کر اپنے گریبان میں اڑسے بٹوے میں ڈال کر اسے واپس اپنی جگہ رکھ لیا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ دل کو روئے یا جگر کو پیٹے۔ جس طرح وہ لٹی تھی ایسے کتنے بادشاہوں کو فقیر کیا تھا۔ ساری زندگی میں اس نے فتح مندیاں حاصل کی تھیں۔ اب عمر کے اس حصے میں ایک ہی شکست نے اسے اوندھے منہ زمین بوس کر دیا تھا۔ اسے اپنے ہاتھوں پیروں سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ رہ رہ کر اس وقت کا ماتم کر رہی تھی جب اس کی عقل پر پتھر پڑ گئے تھے اور وہ ارسلان کے چکر میں پھنس گئی۔

اگر ارسلان جھوٹ بھی بول رہا تھا تو وہ اس کا کیا بگاڑ لیتی؟ الٹا اس کو نقصان ہوتا۔ خربوزہ چھری پر گرتا یا چھری خربوزے پر۔ اسے تو یہ خوف دامن گیر ہونے لگا تھا کہ کہیں کل کلاں یہ ارسلان باؤ ہی اسے بلیک میل نہ کرنے لگے۔

بری طرح پھنس گئی تھی مختاراں----!

سانپ کے منہ میں چھپکلی والی بات بن گئی تھی----!

بجھے بجھے دل سے وہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی۔ اب وہ اس کے سوا کیا کر سکتی تھی کہ صبر شکر سے کڑھتی رہے یا پھر کوئی تھانے کچہری کا کیس پکڑ کر دلالوں کی طرح اپنی کمیشن وصول کر لیا کرے۔ اس کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ ارسلان کا منہ نوچ لے لیکن ایسا وہ سوچ ہی سکتی تھی۔

ادھر ادھر کی چند الٹی سیدھی باتیں کر کے ارسلان وہاں سے رخصت ہو گیا۔ جاتے جاتے اس نے مختاراں بائی کو یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ کبھی اسے ٹیلی فون نہ کیا کرے۔ ہاں اگر پولیس والے تنگ کریں تو کوئی بات نہیں۔ تب وہ اسے مطلع کر دیا کرے۔ اس نے مختاراں بائی سے کہہ دیا تھا کہ وہ ایک مرتبہ پھر تھانے والوں کو کھلوا دے گا کہ اس کا خیال رکھیں۔

"کتے کا بچہ!" اس کے رخصت ہوتے ہی مختاراں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ "حرام خور مجھے پولیس کا ٹاؤٹ بننے کا مشورہ دے رہا ہے۔ اچھا بیٹا! جس روز میری داڑھ کے نیچے آ گیا ہڈیاں نہ چبا لیں تو لعنت ہے میرے جنم پر بھی!"

غصے سے ہانپتے ہوئے وہ چارپائی پر ڈھیر ہو گئی۔

ڈیرے کے ملازم حیرانی پریشانی کے عالم میں بوکھلائے پھرتے تھے۔ عموماً ارسلان باؤ کی آمد پر انہیں تفتیش لاحق ہوتی تھی لیکن آج بے بھاؤ کی گالیاں مل رہی تھیں۔ اتنی گندی زبان بولتے انہوں نے مختاراں بائی کو کبھی نہیں سنا تھا۔

صیاد اپنے دام میں

ملک صاحب کے لیے مرکزی وزیر کی طرف سے ملاقات کی خواہش اہم اور چونکا دینے والی خبر تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ انکار کرے یا اقرار کر لے۔ اس خواہش کو وہ اب تک کئی معنی پہنا چکا تھا۔ وہ سیاسی آدمی تھا اور اسے بیک وقت دوستوں اور دشمنوں سے تعلقات پر نظر رکھنا ہوتی تھی۔ جس ملک میں وہ سیاست کا گھناؤنا کھیل کھیل رہا تھا' وہاں کوئی لگے بندھے اصول و ضوابط تو تھے نہیں۔ اس بزنس کا "کوڈ آف کنڈیکٹ" یہی تھا کہ حکومتی ایوانوں تک رسائی حاصل کرو خواہ اس کے لیے کوئی سا طریق کار بھی اختیار کرنا پڑے۔

انتخابات کا اعلان کسی بھی دم ہوا چاہتا تھا۔

ملک نے پہلے یہی اندازہ لگایا تھا کہ ممکن ہے مرکزی پارٹی اسے کوئی بڑی "آفر" دینے جا رہی ہو' کیونکہ اس کا اپنا پریشر گروپ بڑا مضبوط تھا اور اس بات کا علم تو ملک کے بچے بچے کو تھا کہ مرکزی پارٹی کو سب سے زیادہ مخالفت کا سامنا اگر کسی سے تھا تو وزیراعلیٰ کی شخصیت تھی۔

اگر ملک جیسا اہم سیاسی لیڈر ان کے قابو میں آ جائے تو مرکزی پارٹی کی پوزیشن خاصی مضبوط ہو سکتی تھی۔ ملک نے پہلے تو یہی سوچا کہ وہ معاملات کو خود دیکھ لے۔ آخر ملاقات میں ہرج ہی کیا ہے۔ عین ممکن ہے اسے اگلا وزیراعلیٰ ہی بنا دیا جائے۔

یہی اس کا منشا تھا۔

لیکن----!

پھر اس نے سوچا کہ آخر وہ "فلور کراسنگ" کرے کیوں؟ اس کا مطلب تو پورا ہو ہی رہا تھا۔ اس صوبے میں کوئی حکومت اس کی مرضی کے خلاف نہ بن سکتی تھی' نہ چل سکتی تھی---- اس کے ہاتھ میں "سٹوڈنٹ پاور" تھی اور اس مضبوط ہتھیار کو وہ جب بھی چاہتا تھا اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا تھا۔

حالات ایسے تھے کہ اگر اس ملاقات کی معمولی سی بھنک بھی پریس کے کان میں پڑ جاتی تو

اس کا سارا سیاسی کیریئر تباہ ہو کر رہ جاتا۔

فی الوقت اس نے خاموشی ہی اختیار کرنا مناسب جانا اور جس ذریعے سے مرکزی حکومت نے اس سے رابطہ کیا تھا اس کو ملک صاحب نے معذرت کر دی۔

لیکن----!!

دوسرے ہی روز جب اس کے فون پر ایک انتہائی ذمہ دار شخصیت نے براہ راست اس سے بات کی تو وہ چونکا۔

"ملک صاحب! آپ سیاست دان ہیں۔ حالات و واقعات کو ان کے صحیح پس منظر میں دیکھیے۔ اس ملاقات میں فائدہ آپ ہی کا ہے۔ جذباتی فیصلے بسا اوقات نقصان دہ بھی ہوتے ہیں۔"

آخری الفاظ مخاطب نے خاصے چبا کر ادا کیے تھے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" آپ مجھے دھمکا رہے ہیں؟" ملک کو غصہ آ گیا۔

"نہیں ملک صاحب میں آپ کو حالات کی سنگینی سے باخبر کر رہا ہوں۔ اطلاعاً عرض ہے کہ یہ دونوں مقتول لڑکوں کا کیس ہے جن کے اغوا پر آپ نے خاصی ہنگامہ آرائی کر رکھی ہے۔ یلورنی ایجنسی نے ان کے قتل کا سراغ لگا لیا ہے اور اس مسئلے پر گفتگو کے لیے آپ سے زیادہ ذمہ دار اور مناسب شخص اور کون ہو سکتا ہے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔

ملک صاحب ایک مرتبہ چکرا کر رہ گئے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی یہ کیا معاملہ ہے اور ان کے ساتھ کیا ہونے والے ہے۔ مخالف نے گو کہ بڑے احترام سے یہ خبر ان تک پہنچائی تھی لیکن اس احترام کے پس پردہ موجودہ دھمکی کو ان سے زیادہ اور کون سونگھ سکتا تھا۔

اس کے لیے فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا۔

"ٹھیک ہے بھئی۔ صاحب ہم سیاسی لوگ ہیں۔ ملاقات کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔" ملک نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"شکریہ ملک صاحب۔ اگر آپ کے پاس کل کوئی وقت ہو تو میں ارینج کر دوں۔ وزیر اعلیٰ کل آپ سے بات کریں گے۔"

"کل پانچ بجے کا وقت رکھ لو۔" ملک صاحب نے مردہ سے لہجے میں کہا۔

"شکریہ جناب! مجھے آپ سے یہی امید تھی۔" کہہ کر ذمہ دار نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون رکھنے کے بعد ملک صاحب نے سب سے پہلے ارسلان کو طلب کیا تھا۔

"ارسلان کہاں ہے؟" اس نے سنرملک سے دریافت کیا جو ڈرائنگ روم میں ٹی وی کے

سامنے بیٹھی تھی۔

"کسی کام سے گیا ہے۔ ایک میٹنگ کا بندوبست کرنے۔" نجمہ بیگم نے لاپرواہی سے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اسے فوراً بلاؤ۔" ملک صاحب کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

"ملک صاحب اپنے آپ میں رہا کیجئے۔ آج کل آپ کچھ زیادہ ہی لفٹ لینے لگے ہیں۔ آپ جانتے ہیں میں ڈرنے یا دبنے والی نہیں ہوں اور اب دھمکیوں اور دھونس کا وقت بھی کبھی کا گزر چکا۔ میں آپ کے پائے کی سیاسی لیڈر ہوں۔ اس نوعیت کی دھمکیاں میں نے اس وقت بھی پسند نہیں کی تھیں جب میں عام عورت تھی۔ ملک صاحب ارسلان میرا پرسنل سیکرٹری ہے اور اب بزنس پارٹنر بھی۔ آپ کو میرے "بزنس" کا علم تو ہو گا۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ میرے بزنس کا خیال رکھیں اور اپنے بزنس کا بھی۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے کنٹریکٹ کے ذریعے ٹی وی آف کر کے ملک کو قریباً ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"اوہو! نجمہ بیگم------! میں بہت پریشان ہوں۔ اس کی ضرورت ہے' بہت شدت سے۔" ملک نے ہوا کے رخ کو بھانپتے ہوئے کہا۔

فی الوقت ان کے لیے حالات کے سامنے ہتھیار ڈالتے رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

"مجھے کچھ معلومات درکار ہیں۔ جیسے ہی وہ آئے میرے کمرے میں بھیج دینا۔" اس نے زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ چپکاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن اب آپ اس کو فری کر دیں۔ ہمارا کام خاصا بڑھ گیا ہے۔ میں نے اس مرتبہ انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے مجھے بھی خاصا "ہوم ورک" کرنا ہے۔" اس نے ملک صاحب کو خبردار کر دیا۔

دل ہی دل میں اپنی چیتی کو ایک بڑی سی گالی نکال کر وہ اپنے کمرے میں لوٹ گیا۔

ملک بڑے مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ ہارنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

"ایک ایک سے نمٹ لوں گا۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی مونچھوں کو حسب عادت تاؤ دیا۔

○ ○ ○

اگلے ہی روز------ ملک کے ایک بڑے اخبار میں جس کے چیف رپورٹر کی ملک

"بڑی فرمائش" پوری کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی اس کی ذاتی زندگی کے متعلق ایک چار کالمی خبر صفحہ اول پر لگا دی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ ملک صاحب کے بیگم صاحبہ سے تعلقات خاصے کشیدہ ہیں اور کسی بھی لمحے ان دونوں کے درمیان علیحدگی ہو سکتی ہے۔ اخبار نے سسز ملک کے ذہبی حلقوں کے حوالے سے یہ انکشاف بھی کر دیا تھا کہ اس کا ذاتی بزنس ملک سے باہر تک پھیلا ہوا ہے۔

اس خبر کی ایسے موقعے پر اشاعت نے جب انتخابات سر پر آ رہے تھے۔ ملک صاحب کے لیے بہت سے مسائل پیدا کر دیئے تھے اور اب وہ پریس کو کم از کم اپنی بیگم کے حوالے سے کوئی خبر دینے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

سب سے پہلے ملک کو اب اس خبر کا نوٹس لینا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے دوسرے روز اخبار کا نمبر ملایا اور تھوڑی دیر بعد وہ اس اخبار کے سٹاف رپورٹر سے محو گفتگو تھا۔

"سلیمی صاحب! آپ جانتے ہیں کہ ہم یاروں کے یار ہیں۔ یہ تو بڑی گھٹیا حرکت ہوئی ناں۔ ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے اگر ہماری پگڑی اچھالیں گے تو پھر ہم سے خیر کی توقع کرنا تو بے انصافی ہے ناں سائیں۔"

"بجا فرمایا ملک صاحب! اصل میں کالی بھیڑیں ہمارے پیشے میں بھی گھس آئی ہیں۔ یہ اکیلی کراس لوگ ہیں ملک صاحب جدھر سے زیادہ ہڈی پڑی اس طرف منہ اٹھا کر دم ہلانے لگے اور پھر ملک صاحب آپ نے بھی تو چیف رپورٹر صاحب کو زیادہ ہی سر پر چڑھا لیا ہے۔ ہمیں تو آپ نے بھلا ہی دیا تھا ملک صاحب۔" سلیمی کو اس سے بہتر موقع کب ملنا تھا۔

واقعی ملک نے آج چھ ماہ کے بعد اس سے براہ راست بات کی تھی۔ اس سے پہلے تو اس نے کبھی چھوٹے رپورٹرز کو گھاس ڈالنا پسند نہیں کیا کرتا تھا۔ حالانکہ سلیمی اس کا سب سے بڑا خیر خواہ تھا اور اس نے ملک کی شان میں قصیدے لکھ لکھ کر اسے وہاں پہنچا دیا تھا جہاں پہنچ کر ملک اپنی اوقات بھول گیا تھا۔

"سلیمی صاحب! اگر آپ بھی مجھ سے ناراض ہیں تو میں معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ انشاء اللہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ آپ تو سائیں اپنے آدمی ہیں ناں اور گھر کے لوگوں کو منایا نہیں جاتا۔" ملک نے ایک لمحے کے لیے بھی سلیمی صاحب کو ناراض کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"ملک صاحب ہم چھوٹے لوگ ہی برے وقت میں آپ جیسے بڑے لوگوں کے کام آیا کرتے ہیں۔ حکم کیجئے۔"

"بس سائیں آپ خود سمجھدار ہیں۔ جو ہرزہ سرائی اس گھٹیا شخص نے بیگم صاحبہ کے

حوالے سے کی ہے۔ اس کی شاندار سی تردید کر دو۔ بیگم صاحبہ کی طرف سے بیان آنا چاہیے
ایسا بیان آئے کہ اس کو بھی نانی یاد آ جائے۔ باقی میں خود نمٹ لوں گا اور ہاں! بچوں کی
تھوڑی دیر تک آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔" ملک صاحب نے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا

"شکریہ ملک صاحب! بس اپ بے فکر ہو جائیں۔" سلیمی کی باچھیں کھل گئیں۔
موٹی مرغی دوبارہ اس کے جال میں پھنسی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس معاملے میں کم از کم
صاحب ضرور یاروں کے یار ہیں۔

ملک صاحب کے فون رکھنے کے بمشکل پندرہ منٹ بعد ہی اس کو گھر سے فون آ گیا تھا
اس کے نام کا لفافہ بڑی خطیر رقم کے ساتھ موصول ہو گیا ہے۔

سلیمی نے فوراً ہی خبر تیار کر دی تھی۔ صوبائی لیگ اس کی "بیٹ" تھی اور اس نے
صاحب کی بیگم صاحبہ کی طرف سے ایک لمبا چوڑا تردیدی بیان تیار کر دیا تھا جس میں نہ صر
مخالف اخبار کی خبر کی سختی سے تردید کی گئی تھی بلکہ اسے زرد صحافت کی مثال قرار دے کر ا
کو نوٹس بھیجنے کی بات بھی شامل کر دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ خبر کا آخری حصہ اس کے اخبار
مالک کو جو اخبار کا مدیر بھی تھا بہت پسند آئے گا۔

○ ○ ○

ارسلان ملک صاحب کے سامنے موجود تھا اور اس کے ذہن میں اپنی بیگم کی یہ "اطلا
گونج رہی تھی کہ اب ارسلان اس کا بزنس پارٹنر ہے اور ملک کو اپنی بیگم کے "بزنس" کا
علم تھا۔ اس کی ایک اور سالی اور ایک نزدیکی رشتہ دار عورت پہلے ہی اس کی بیگم کے "بزنس
کی ممبینٹ چڑھ چکی تھیں اور آج کل لندن کی مختلف جیلوں میں اپنے کئے کی سزا بھگت
تھیں۔ خیریت تو یہ گزری کہ ابھی کسی اخبار والے تک یہ بات نہیں پہنچی تھی۔۔۔۔!

ملک صاحب کے ساتھ پانچ سال بسر کرنے کے بعد اب نجمہ بیگم بھی اس کی بعض
"آف دی ریکارڈ" باتوں کی یعنی شاہد بن چکی تھی اور اگر وہ اس کے خلاف کوئی اقدام اٹھاتا
جانے وہ کیا کر گزرتی۔

اسے رہ رہ کر اس دن کا پچھتاوا ہو رہا تھا جس روز اس نے ایک گھریلو تقریب میں
خان کا تعارف اپنی بیوی سے کروا دیا تھا۔ اس نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ یہ معمولی
استانی خود ہی سجاول خان سے اپنی لائن سیدھی کر لے گی۔

اسے بہت دیر بعد اس حقیقت کا احساس ہوا تھا کہ دراصل اس نے نجمہ کا شکار

کیا تھا بلکہ خود اس کا شکار ہوا تھا۔۔۔۔!!

اس مڈل کلاس سانولی سی لڑکی نے جس کو رونق محفل بنا کر ملک صاحب سیاست کے
میدان میں اپنے مہرے آگے بڑھانے جا رہے تھے دراصل ملک صاحب کی شہرت' عزت اور
دولت کی بیساکھیوں کے سہارے اپنے قدم اتنی مضبوطی سے گاڑ لیے تھے کہ اب اسے اکھاڑنا
خاصا مشکل دکھائی دے رہا تھا۔۔۔ اب وہ ملک کی ضرورت ہی نہیں' کمزوری بھی بن چکی تھی۔
اور۔۔۔!

یہ لڑکا ارسلان۔۔۔ جسے اس نے زمین سے اٹھا کر سر پر بٹھایا تھا۔ وہ بھی اب اس کی
دشمنی کا "شکار" بن چکا تھا۔ ملک کے لیے سوائے اس کے فی الوقت کوئی سکوپ نہیں تھا کہ وہ اپنا
گھوڑا اپنے میدان میں بھگائے۔ اگر اس نے نجمہ بیگم کے ٹریک میں قدم رکھا تو شاید اسے توقع
سے بڑھ کر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔

"ارسلان بیٹا! اگر تمہارے پاس اختر اور جاوید کے متعلق کوئی اطلاع موجود ہے جو تم نے
ابھی تک مجھے منتقل نہیں کی تو وہ مجھے بتا دو۔۔۔۔ دوسری صورت میں خدانخواستہ کوئی مصیبت آ
گئی تو شاید میں بھی تمہاری مدد نہ کر سکوں۔ سیکورٹی والوں کو شاید کوئی کلو مل گیا ہے اور اس
سے پہلے کہ بات فائلوں سے آگے نکلے۔ میں اس کیس کو ختم کر دینا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔"

ملک صاحب نے ہوا میں تیر چلا کر شاید ارسلان کو خوفزدہ کرنا چاہا تھا' لیکن وہ اندازہ نہ
لگا پایا کہ اب ارسلان بھی کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں رہا۔ اس نے بھی اب پنجوں کے بل کھڑے ہو
کر اندھیروں سے اوپر جھانکنا شروع کر دیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ ملک صاحب جھوٹ بول کر اسے خوفزدہ کرنا اور اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے
ہیں۔ اگر ان تک ایسی کوئی اطلاع پہنچی ہوتی تو وہ ضرور اس کے علم میں بھی آ گئی ہوتی۔

"ملک صاحب! مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میرے متعلق یہ غلط رائے کیسے قائم کر لی؟
ملک صاحب میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ میں کبھی آپ سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتا
اور آپ سے کچھ چھپانا آپ سے غداری کے مترادف سمجھتا ہوں۔" اس نے بڑے اعتماد سے
کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔ تم بے فکر رہنا۔" ملک نے اس کے چہرے پر نظریں
جماتے ہوئے کہا۔

وہ بڑا محتاط ہو گیا تھا۔

اس نے بہت سوچ سمجھ کر ہی اگلا کوئی بھی قدم اٹھانا تھا۔ وہ اپنے منہ سے کوئی ایسی بات
نہیں نکال سکتا تھا جو اشارتاً" بھی اس کے عزائم کی عکاس ہوتی۔ اس مرتبہ وہ کوئی مزید دھوکا

کھائے بغیر میدان مارنا چاہتا تھا۔ اس نے نجمہ بیگم کے منہ سے اگلنے والا سارا زہر اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا اور اب اسے بیک وقت کئی محاذوں پر لڑنا تھا۔

سب سے پہلے تو اسے خود کو ارسلان سے بے نیاز کرنا تھا جس کے لیے اس نے ابھی سے منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔

○ ○ ○

اگلے روز جب اس نے اخبار میں اپنی بیگم صاحبہ کی طرف سے ایک زبردست تردیدی بیان پڑھا تو اس کا موڈ خاصا خوشگوار ہو گیا۔

سلیمی نے خوب خوب حق نمک ادا کیا تھا۔ ملک اندازہ کر سکتا تھا کہ مخالف اخبار کے رپورٹر کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے کیونکہ اس کا مالک کسی بھی نوٹس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اب اسے خود کو آنے والی ملاقات کے لیے تیار کرنا تھا۔ اس کے علم کی حد تک دونوں لاشوں کا علم جو ناقابل شناخت قرار دلا کر اس نے دفن کروا دی تھیں سوائے اس کے اور کسی کو نہیں تھا۔ پھر بھی اس نے اطمینان کے لیے کرائمز برانچ میں اپنے ایک دیرینہ دوست آفیسر کو فون کر کے باتوں باتوں میں مختلف طریقوں سے اس کیس کے متعلق کسی نئی اطلاع سے متعلق جاننا چاہا لیکن کوئی کام کی بات اس کے پلے نہ پڑی۔

دوسری بڑی سرکاری ایجنسی جو اس کیس کو دیکھ رہی تھی' اس کے سٹوڈنٹس معاملات کے انچارج کا تبادلہ ہو چکا تھا اور ابھی تک کسی اور نے باقاعدہ چارج اس ڈیسک کا نہیں سنبھالا تھا۔

ملک سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ آخر کیا گیدڑ سنگھی ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی ہے۔

مقررہ وقت سے کچھ دیر پہلے اس نے ملاقات کے مقام کا تعین بھی کر دیا۔ وہ بڑا محتاط ہو کر گھر سے نکلا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو معمولی سی بھنک بھی اس ملاقات کی پڑے۔

وہ ریسٹ ہاؤس جس میں ملک صاحب اور مرکزی وزیرداخلہ کی ملاقات طے پائی تھی' شہر سے خاصا دور تھا اور ملک کی ہدایت پر ریسٹ ہاؤس خالی کروا لیا گیا تھا۔ اپنی پجارو جیپ میں وہ ایک باڈی گارڈ کے ساتھ آیا تھا۔ ریسٹ ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں وزیرداخلہ اس کا منتظر تھا۔

"ملک صاحب! اصل میں آپ وہاں "مس فٹ" ہیں اور آپ جیسے تجربہ کار راہنماؤں کی جتنی ضرورت ہماری پارٹی کو ہے وہ اور کسی کو نہیں۔ سو ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ کو اپنا لیڈر بنا کر رہیں گے۔" وزیرداخلہ نے حال احوال دریافت کرنے کے بعد اپنا بریف کیس کھولتے

ہوئے ملک صاحب سے کہا۔

ایک مئودب ویٹر ان کے سامنے مشروبات رکھ کر باہر چلا گیا تھا اور اب کمرے میں ملک صاحب اور وزیرداخلہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"لیکن میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ یوں بھی آپ جانتے ہیں کہ چھوٹی کشتیاں اگر کنارے کے نزدیک ہی رہیں تو ہی سلامت رہتی ہیں۔ ہم تو سائیں معمولی سے بندے ہیں۔ یہ سب کھیل کھیلنا ہمارے بس کا روگ نہیں۔" ملک نے بھی مسکراتے ہوئے چائے کا گھونٹ حلق میں انڈیل کر کہا۔

"ملک صاحب! مجھے وزیراعظم کی طرف سے حکم ملا ہے کہ آپ سے بات کروں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مستقبل میں آپ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلیں۔ اس صوبے میں اگر آپ جیسے محترم اور بااثر لوگ ہمارے ساتھ تعاون کریں تو انشاء اللہ ہم مل کر اس ملک کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ہماری طرف سے آپ کو یہ بھی آفر موجود ہے کہ اگر آپ صوبے کی وزارت اعلیٰ چاہیں یا اپنی مرضی سے وزارت بنوانا چاہیں تو ہم حاضر ہیں۔ اگر آپ مرکز میں آنا چاہیں تو بھی آپ کے مطلب کی منسٹری آپ کو مل جائے گی۔ وزیرداخلہ نے ایک ایک کر کے اس کے سامنے پتے پھینکنے شروع کیے۔

"سائیں آپ مجھے معاف ہی رکھیں۔ ابھی میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ دال روٹی جیسے چل رہی ہے۔"

وزیرداخلہ نے اندازہ کر لیا تھا کہ ملک ایسے سنہری جال میں پھنسنے والا نہیں۔ بالآخر اس نے اصل مقصد کا پتہ پھینک ہی دیا۔

"ملک صاحب یہ دو تصاویر آپ کے معائنے کے لیے حاضر ہیں۔" اس نے مقتول نواز اور انتر کی تصاویر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "پولیس رپورٹ کے مطابق یہ دونوں لڑکے کسی لڑکے کے فرار ہو رہے تھے کہ آپس کے مقابلے میں مارے گئے۔ انہوں نے بینک کی جس وین کو لوٹا تھا اس کے تمام سواروں کو بھی مار ڈالا تھا۔ پولیس کا خیال ہے کہ ان کا کوئی تیسرا ساتھی بھی تھا کیونکہ رقم وہاں سے غائب ہے۔ بہرحال یہ پولیس کا مسئلہ ہے۔ وہ ڈیس ایس پی جس نے ہمارے حکم سے ان لاشوں کو ناقابل شناخت قرار دے کر دفنانے کی ہدایت کی تھی اور وہ ہدایت جس نے یہ احکامات جاری کیے تھے' آپ کے خلاف تحریری بیان دے چکے ہیں۔ بیانات کی نقول بھی ملاحظہ فرمائیں۔" اس نے ایک فائل میں لگے فوٹو سٹیٹ کاغذ ان کی طرف بڑھا

○ ○ ○

ملک نے کپکپاتے ہاتھوں سے باری باری ان سب چیزوں کو جائزہ لیا۔ اس کے دل دھڑکن بے قابو ہوتی جا رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب کیا ہے۔

کوئی خواب ہے----!

کوئی واہمہ ہے یا کچھ اور----!

لیکن---!!

یہ بڑی تلخ سچائی تھی جس کا ادراک اب ملک صاحب کو ہونے لگا تھا۔ وہ بری طر پھنس گئے تھے۔ مخالفین نے بڑی محنت سے کیس تیار کیا تھا اور ملک صاحب کے فرار کی کوئی باقی نہیں چھوڑی تھی۔

"گویا آپ مجھے بلیک میل کرنے جا رہے ہیں۔" نجانے ملک کے حلق سے کیسے پھ پھنسی آواز نکلی۔

"نہیں ملک صاحب ہرگز نہیں۔ یہ تو "ڈیل" ہے۔ ہماری آفر ہے پیشکش ہے۔ سیاس میں کوئی کسی کو بلیک میل نہیں کرتا۔ ہر کوئی اپنی ضرورت اور اہمیت کا سودا کرتا ہے۔ ملک صاحب کمال ہے آپ اسے بلیک میلنگ کہہ رہے ہیں۔ یہ تو دو طرفہ معاہدہ ہے۔ ہم آپ کو کچھ دے رہے ہیں۔ بہت کچھ "لوز" کر رہے ہیں۔ اتنا کچھ شاید آپ کی پارٹی آپ کو کبھی دے سکے۔ آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اس مرتبہ بھنڈر بھی خاموش ہم بیٹھے گا---- آپ کے وزیراعلیٰ نے اگر آپ ہی کو خوش رکھا تو وہ لوگ ہمارے ساتھ آ ملے گے۔ آپ یہ تو مانیں گے کہ اس کے بعد اس صوبے میں کم از کم آپ کی پارٹی کی حکومت ہم بنے گی اور جہاں تک ہمارا سوال ہے تو ملک صاحب ہمارے دروازے تو سب کے لیے کھلے ہیں سیاست میں کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا بلکہ نئے راستے تلاش کیے جاتے ہیں۔" وزیرداخلہ گہری سانس لے کر کہا۔

"لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس طرح انقلابی طلباء تنظیم میرے ہاتھ سے نکل جائے گی" ملک نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔

"ہرگز نہیں۔ ہمارے پاس تمام منصوبہ تیار ہے۔ آپ آج رات کو ہی اجلاس طلب لیں۔ طلباء تنظیم میں دو واضح گروپ موجود ہیں۔ نوید گروپ کو آپ نے ابھی تک نظرانداز ہے۔ ان لوگوں کو ہاتھ میں رکھیں اور نجن گروپ کی پرواہ نہ کریں۔ ان لوگوں کی قیمت پانچ لا سے زیادہ تو نہیں ہو گی۔ پیسوں کی آپ فکر نہ کریں---- یہ دوسرا بریف کیس آپ کے

ہے۔ ملک صاحب! جیسے بھی ممکن ہو نجن گروپ کے کچھ لوگوں کو خرید لیجئے۔ اول تو اس کے بعد صوبائی لیگ کے لیے کچھ باقی نہیں بچے گا۔ اگر ایسا ہوا بھی تو بے فکر رہیے۔ ہمارے پاس متبادل منصوبہ بھی موجود ہے۔ وزیرداخلہ نے پائپ کے دھوئیں کے مرغولے بناتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ مجھے اس سے بھی آگاہ کر دیں۔ اس طرح میں زیادہ بہتر پلاننگ کر سکوں گا۔" ملک نے یہ کہتے ہوئے دوسرا بریف کیس اٹھا کر اپنے نزدیک کر لیا۔

یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ اب ملک صاحب ان کی "ڈیل" میں پھنس گئے ہیں۔

"یہ اختر اور جاوید کے قتل کی کہانی بھی تو ابھی منظرعام پر نہیں آئی۔ اس الزام میں دس بارہ سرپھروں کو تو گرفتار کیا ہی جا سکتا ہے۔ ہم اس ڈکیتی کو "باغیوں" کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔ ملک صاحب جب ۳۰۲ کے تحت چالان کی دھمکی ملی تو بڑے بڑے شیر بھی گدھے بن کر آپ کے سامنے دم ہلانے لگیں گے۔ یہ تو آپ کو علم ہو گا ہی کہ پولیس نے ان کے خلاف کتنے کیس رجسٹر میں دبا رکھے ہیں۔"

ملک کی کامیابی کا راز ہی یہی تھا کہ اس نے وقت سے سمجھوتے کے سنہری اصول کو حرزِ جان بنا لیا تھا اور ہمیشہ حالات سے مفاہمت کر کے آگے نکلنے کی کوشش کی تھی۔

ملک صاحب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب انہیں سیاست میں اپنی ترجیحات کو بدلنا ہو گا بصورت دیگر ان کے لیے جیل کا دروازہ کھل جائے گا اور ایک مرتبہ وہ جیل میں پہنچ گیا تو اس کو یقین تھا کہ پھر کبھی باہر نہیں آ سکے گا' کیونکہ صوبائی لیگ کے لوگ بھی اس کی حمایت اس کے "پریشر" کی وجہ سے کرتے تھے اور جیسے ہی اس کا پریشر گروپ ختم ہوتا ہے۔ وہ اس کی جان کو آ جاتے۔ ملک صاحب جانتے تھے کہ صوبائی لیگ میں ان کے دوست کم اور منافق نما دوست اور ہمدرد زیادہ ہیں۔ وہ جانے کب سے کسی ایسے موقعے کے منتظر رہے ہوں گے۔

اس نے دو تین روز میں ہی اپنی نئی سیاسی حکمت عملی کا اعلان کرنا تھا' اور یہ احتیاط بھی ملحوظ خاطر رکھنی تھی کہ وقت سے پہلے کھیل ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

وزیر داخلہ سے اس کی ڈیل طے پا گئی تھی----!

انکشاف

گھر پہنچ کر انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد بیگم کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

"میں نے مرکزی پارٹی جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" اس نے نجمہ بیگم کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیوں؟" نجمہ بیگم کا سوال خلاف توقع نہیں تھا۔

"ایک تو ان لوگوں کی طرف سے "آفر" بہت اچھی ہے۔ دوسری طرف صوبائی لیگ میں میری مخالفت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اگر پارٹی صدر نے میری حمایت جاری بھی رکھی تو بھنڈر اپنے گروپ سمیت مرکزی پارٹی سے جا ملے گا اور صوبائی لیگ کے اس طرح مستقبل میں اس صوبے میں اپنی وزارت بنانے کے چانسز بھی ختم ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے کہ بھنڈر مرکزی پارٹی سے ہاتھ ملائے' میں خود کیوں نہ باعزت پیش کش قبول کر لوں۔"

اس نے نجمہ بیگم کو اپنی اور وزیر داخلہ کی ملاقات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور مجبوری بھی ہے کہ ان لوگوں نے میرے خلاف اختر اور جاوید کے اغوا کا کیس خاصا مضبوط تیار کر لیا ہے۔ تمہیں شاید علم نہ ہو کہ ان دونوں کی لاشیں لاوارث قرار دے کر دفنائی جا چکی ہیں اور مرکزی حکومت کی انٹیلی جنس ایجنسی نے میرے خلاف اندر ہی اندر مجھے پھانسنے کے لیے خاصے ثبوت بھی جمع کر لیے ہیں۔"

اس نے اپنی بات مکمل کی۔

"ملک صاحب! آپ جیسے گھاگ جہاندیدہ کا کوئی سیاسی فیصلہ غلط تو ہونے سے رہا۔ ظاہر ہے آپ نے کچھ سوچ کر ہی فیصلہ کیا ہو گا لیکن اس بات کی ضمانت مرکزی پارٹی سے ضرور حاصل کر لیں کہ وہ اگلی اسمبلی میں خواتین کی مخصوص نشستوں میں سے ایک میرے لیے مختص رکھیں گے اور سوشل ویلفیئر منسٹری بھی---- آپ جانتے ہیں کہ میں ویلفیئر کے کاموں میں دن رات مصروف رہتی ہوں اور اس وزارت پر مجھ سے زیادہ اور کسی کا حق بھی نہیں۔" اس نے

سگریٹ سلگاتے ہوئے ملک صاحب سے کہا۔

نجمہ بیگم جانتی تھی کہ ملک صاحب نے اس سے ضرور کوئی بات چھپا لی ہے۔ اس کے ذہن نے اپنا مستقبل محفوظ کرنے کی راہ اسے سب سے پہلے سجھائی تھی۔

"ارے نجمہ بیگم سائیں! ہم تو سیاست ہی تمہارے لیے کر رہے ہیں۔ تم اپنی "پورٹ فولیو" محفوظ سمجھو۔" اس نے نجمہ کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

اب وہ ارسلان کا منتظر تھا----!

اس نے اپنی ہونہار رفیقہ حیات سے مشاورت شروع کر دی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ انقلابی طلباء تنظیم کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کے لیے اس نے کیا منصوبہ تیار کیا ہے۔ اس سلسلے میں اسے ارسلان کی مدد درکار تھی اور تھوڑی دیر بعد ارسلان وہاں موجود تھا۔

ملک صاحب نے اس کے ساتھ وزیر داخلہ کی ملاقات کا ذکر کیا اور یہ بھی بتا دیا کہ پولیس نے ڈکیتی کے مفرور ملزم کے خلاف بھی مقدمہ درج کر لیا ہے' البتہ آئیف آئی آر فی الوقت سربمہر کر دی گئی ہے اور مناسب وقت پر دوبارہ فائل کھول دی جائے گی۔

○ ○ ○

ارسلان تھوڑی دیر بعد اپنی گاڑی لے کر ہنگامی آپریشن کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی واپسی رات دیر گئے تک ہوئی تھی' لیکن اکیلے نہیں۔ اس کے ساتھ انقلابی طلباء تنظیم کے اہم لیڈر بھی موجود تھے۔ ان لوگوں کا تعلق ارسلان والے گروپ سے تھا جب کہ بھنڈر گروپ کے لوگ دوسری جیپ میں پہنچے تھے۔ آج پہلی مرتبہ طلباء تنظیم کے دس لیڈروں کو ایک ساتھ ملک صاحب نے اپنے اس بنگلے پر اکٹھے کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ملک صاحب ان کو حالات کی اونچ نیچ سے آگاہ کر رہے تھے۔ انہوں نے سٹوڈنٹس لیڈروں کو بتا دیا تھا کہ اختر اور جاوید ڈکیتی کی ایک واردات میں مارے جا چکے ہیں اور پولیس نے ان کی لاشیں لاوارث قرار دے کر دفنا بھی دی ہیں۔

ملک صاحب نے انہیں بتایا تھا کہ پولیس کو ان نوجوانوں کی بھی تلاش ہے جو ان کے ساتھ تھے اور بعد میں رقم لے کر فرار ہو گئے۔ اس کے علاوہ مرکزی حکومت کی طرف سے صوبائی پولیس پر پریشر بہت زیادہ بڑھ گیا ہے اور وہ انقلابی طلباء تنظیم کے تمام سرکردہ ممبران کے خلاف درج شدہ مقدمات کی فائلیں کھول کر انہیں گرفتار کرنا چاہتی ہے۔

یہ لوگ جو یہاں جمع تھے جانتے تھے کہ وہ تمام کے تمام پولیس کو ڈکیتیوں' اغوا' غنڈہ

گردی اور توڑ پھوڑ کے واقعات میں مطلوب ہیں لیکن اختر اور جاوید والی واردات میں ان میں سے کسی نے حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ سب ایک دوسرے پر شک کر رہے تھے۔

یہ بات تو وہ بھی جانتے تھے کہ ان میں سے ہی کسی نے ڈکیتی کی رقم اڑائی ہو گی۔ یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ان میں سے کوئی اس واردات کا ذمہ دار نہیں؟

ملک صاحب نے انہیں ساری اونچ نیچ بتا کر ان کے پاؤں تلے سے پہلے تو زمین سرکائی اور انہیں باور کروایا کہ اب صورت حال ایسی ہو گئی ہے کہ اگر انہوں نے حکومتی پارٹی کی پیش کش قبول نہ کی تو وہ سب جیلوں میں چلے جائیں گے اور صوبائی لیگ ان کی مدد نہیں کر سکے گی کیونکہ ان سب کے خلاف بڑے سنگین نوعیت کے الزامات کے تحت مقدمات درج کیے گئے ہیں۔

○ ○ ○

یہ نوجوان جو یہاں جمع تھے ان کا تعلیم سے کبھی دور کا بھی واسطہ نہیں رہا تھا۔ ان کا تعلق کالجوں اور یونیورسٹیوں سے اگر کچھ تھا تو صرف اتنا کہ یہاں حاضری سے متعلق رجسٹروں میں ان کے ناموں کا اندراج تھا۔ خود تو وہ مہینوں کالج یونیورسٹی کی شکل نہیں دیکھا کرتے تھے۔ ان میں غالب تعداد ان نوجوانوں کی تھی جنہوں نے شہر میں باقاعدہ بدمعاشی کے مراکز قائم کر رکھے تھے۔ یہ لوگ اپنا معاوضہ لے کر مکانات کے قبضے دلایا کرتے تھے۔

لوگوں کی جائیداد پر ناجائز قبضے کیا کرتے تھے۔ ویگن سٹینڈ سے اپنا بھتہ وصول کرتے تھے یا پھر موقع ملنے پر ڈکیتی کی وارداتوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

یہ لوگ سیاستدانوں کی ضرورت تھے اور ان کی ضرورت سیاستدان تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے مل کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کی کمزوری دوسرے کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اس لیے دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوط کرتے رہتے تھے۔

ملک صاحب نے دو تین داؤ ہی ایسے لگائے کہ تمام لوگ منہ کے بل زمین پر آ گرے۔ جب لوہا گرم ہو گیا تو ملک صاحب نے چوٹ بھی لگا دی اور بریف کیس کھول کر اس میں موجود آدھی رقم بڑی ایمانداری سے ان سب میں برابر تقسیم کر دی۔ آدھی رقم انہوں نے اپنے لیے رکھ لی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے "نوجوان دوستوں" کو مطلع کیا کہ وہ ان لوگوں کی بہبود کے لیے اپنا سیاسی کیریئر داؤ پر لگانے جا رہے ہیں۔ انہوں نے حاتم کی قبر پر لات مارتے ہوئے نوجوانوں سے کہا کہ ان کے جیتے جی پولیس کسی کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے' یہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہے اور اب وہ محض اپنے نوجوان دوستوں کے لیے مرکزی پارٹی میں شامل ہو

ہے ہیں۔

جیسے ہی ملک صاحب کے منہ سے یہ بات نکلی۔ ارسلان نے تالیاں بجا دیں۔ باقی کہاں پیچھے رہنے والے تھے۔ وہ بھی اس جشن مسرت میں شامل ہو گئے۔ ان لوگوں نے باری باری ملک صاحب کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور کہا کہ ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ ان کے اشاروں پر کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتے رہیں گے اور انہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی لوکل گروپ اور جن گروپ کے لوگوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بغل گیر ہو کر ملک صاحب کو یقین دہانی کروا دی کہ ان کے درمیان کوئی اختلاف باقی نہیں رہا اور وہ مستقبل میں مل کر اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چلیں گے۔

ملک صاحب نے انہیں یقین دلایا کہ وہ ہمیشہ کی طرح خود کو کبھی اکیلا محسوس نہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے نوجوان دوستوں سے یہ درخواست بھی کر دی کہ وہ کچھ عرصے کے لیے ذرا محتاط ہو جائیں کیونکہ مرکزی پارٹی اور صوبائی لیگ کے درمیان اینٹ کتے کا بیر ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے لیے مشکلات پیدا کرے۔

"ملک صاحب! دیکھیں جناب ہم پر ایسی کوئی پابندی نہ لگائیں۔ گھوڑے بھاگتے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

جن نے بدمعاشوں کے سے لہجے میں بڑھک ماری۔

اس کے ساتھ ہی سب نے مل کر قہقہہ لگایا۔ ملک صاحب نے بھی چھپتڑوں کا پورا زور لگا کر اس میں حصہ لیا تھا۔ یہاں سے وہ لوگ الگ الگ گروپ میں واپس گئے تھے۔ جاتے ہوئے ایک ٹولی نے راستے میں آنے والے ایک پٹرول پمپ پر ہاتھ صاف کر دیا تھا۔

دوسرے روز دوپہر کو ایک فائیو سٹار ہوٹل میں انقلابی طلباء تنظیم کے دونوں گروپوں کی ایک مشترکہ پریس کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس چونکہ لنچ پر بلائی گئی تھی اس لیے خاصی بارونق تھی اور ہر اخبار کا رپورٹر اور فوٹو گرافر یہاں موجود تھا۔ تنظیم کے جنرل سیکرٹری ارسلان نے ایک ٹائپ شدہ بیان رپورٹرز میں تقسیم کر تھا جس میں صوبائی قیادت پر سنگین الزامات لگاتے ہوئے مستقبل میں صوبائی لیگ کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا تھا اور اس عزم کا اعادہ کیا گیا تھا کہ ماضی کی طرح آئندہ بھی انقلابی طلباء تنظیم کے نوجوان کسی سیاسی پارٹی کے آلہ کار نہیں بنیں گے اور طلباء کے حقوق حاصل کرنے کے لیے اپنا جہاد جاری رکھیں گے۔

اس بیان کے بعد اختر اور جاوید کے غائب ہونے کا الزام صوبائی قیادت پر عائد کرتے ہوئے یہ عندیہ ظاہر کیا گیا تھا کہ پولیس نے دونوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں غائب کروا دیں ہیں۔

رپورٹرز میں سے کسی نے بھی کوئی سوال کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ اس کی ایک تو کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو تھی جو ان کے سامنے میزوں پر سجائے جا رہے تھے اور دوسری وجہ ان لفافوں کی امید جو ان میں تھوڑی دیر بعد تقسیم ہونے والے تھے۔

پریس کانفرنس کے خاتمے پر دو تین مرکزی شخصیات نے ملک صاحب کو فون کر کے مبارک باد دی تھی۔

○ ○ ○

صبح کے اخبارات نے اس پریس کانفرنس کو نمایاں کوریج دی تھی۔ گو کہ سیکورٹی ایجنسیوں نے وزیراعلیٰ کو اس کانفرنس کی ساری رپورٹ رات ہی کو پہنچا دی تھی، لیکن ابھی تک صوبائی لیگ کے لوگوں کو شاید "سیاسی سانحے" کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

صوبائی قیادت یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ملک صاحب جیسا ان کا خاص آدمی بھی ایک روز "ہارس ٹریڈنگ" کا شکار ہو جائے گا۔

رات دیر گئے جب صوبائی لیگ کے لوگوں نے ملک صاحب سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو انہیں مطلع کیا گیا کہ ملک صاحب ایک ضروری کام کے سلسلے میں دارالحکومت گئے ہیں۔ وہ رات کو "نائٹ کوچ" سے دارالحکومت روانہ ہو گئے تھے۔ اس بات کی تصدیق بعد میں ایئرلائن کے کاؤنٹر نے بھی کر دی۔

صبح جب وزیراعلیٰ ناشتے کی میز پر تشریف فرما تھے۔ انہیں بھنڈر صاحب کی آمد سے مطلع کیا گیا۔ بھنڈر کے لیے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا تھا۔ وہ ایسا موقعہ کیوں ہاتھ سے جانے دیتا۔ رات ہی اس کے ایک "صحافی ٹاؤٹ" نے اس کو جب نیند سے جگا کر اس پریس کانفرنس کی اطلاع دی تو وہ سناٹے میں آ گیا۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ یہ سچ بھی ہو سکتی ہے، لیکن تو شخص جھوٹ نہیں کہہ رہا تھا۔

بھنڈر کی نیند تو حرام ہوئی ہی تھی۔ اس نے راتوں رات اپنے گروپ کے پانچ چھ سرکردہ ممبر اپنے گھر اکٹھے کر لیے اور آدھی رات تک وہ لوگ اگلا لائحہ عمل طے کرتے رہے۔ بھنڈر نے ایک مرتبہ پھر رات کھا گیا تھا۔

اس نے اندر ہی اندر مرکزی پارٹی میں شامل ہونے کی تیاریاں شروع کر رکھی تھیں، لیکن ایک مرتبہ پھر ملک اس پر بازی لے گیا۔

"پھر کیا ہوا؟"

اس نے اپنے آپ کو تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ کم از کم وہ ملک کو اب اس قابل نہیں چھوڑنا چاہتا تھا کہ وہ دوبارہ کبھی صوبائی لیگ میں واپس آ سکے۔

وزیراعلیٰ نے بھنڈر گروپ کو ناشتے کی میز پر ہی طلب کر لیا۔ وہ بھی اس صورت حال سے خاصے پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ گو کہ اس سے پہلے وہ پارٹی معاملات میں اس کے مقابلے میں ملک کا ساتھ دیا کرتے تھے، لیکن اب اچانک ہی انہیں نئی سیاسی حکمت عملی اختیار کرنی پڑی تھی۔

"بہت بچ حرکت کی ہے ملک صاحب نے۔" اس نے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے کہا۔ "جناب والا! میں تو پہلے روز ہی سے اس شخص کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ افسوس پارٹی نے ہماری آواز پر کبھی کان ہی نہیں دھرے۔ جناب والا! یہ آفر تو میرے پاس گزشتہ تین ماہ سے پڑی تھی۔ مرکزی پارٹی والے مجھے اپنی مرضی کی دو وزارتیں مرکز میں دے رہے تھے اور صوبے کے معاملے میں تو سب کچھ ہم پر چھوڑ دیا تھا لیکن ہم خاندانی لوگ ہیں---- ہم نے کبھی گھٹیا سیاست کا تصور بھی نہیں کیا۔ سوچا تک نہیں کہ ہم کبھی اتنا بھی گر سکتے ہیں۔" یہ بات کہتے ہوئے بھنڈر دل ہی دل میں خود پر لعنت بھی بھیج رہا تھا کہ اس نے اب تک مرکزی پارٹی سے رابطہ کیوں نہ کیا اور ملک کو ایک مرتبہ پھر کیوں نہ لے جانے کا موقع دے دیا۔

"بھنڈر صاحب! اقتدار تو آنی جانی شے ہے۔ سیاست میں بے اصولی کو عوام کبھی پسند نہیں کرتے۔ آپ دیکھیں گے کہ ملک صاحب ایک روز معافی مانگ کر واپس آئیں گے۔ یوں بھی ابھی تک انہوں نے کوئی اعلان نہیں کیا دوسری پارٹی میں شامل ہونے کا۔ ابھی ہم کوئی رائے کیسے قائم کر سکتے ہیں۔" وزیراعلیٰ نے انتہائی منافقت سے کام لیتے ہوئے خود کو اب بھی غیرجانبدار رکھنے کی کوشش کی۔

"جناب والا! اب باقی کیا رہ گیا ہے۔ اعلان بھی وہ آج کل میں کر دے گا۔ وہاں دارالحکومت میں وہ کوئی لڑکے کا چھوہارہ تو ڈالنے نہیں گیا۔" اس نے آج پہلی مرتبہ اس جرأت سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

وزیراعلیٰ نے ایک ثانیے کے لیے اس کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا کہ یہ وہی شخص ہے جو ملک کی موجودگی میں بھیگی بلی بن کر بیٹھا رہتا تھا۔

"بھنڈر صاحب! پارٹیاں اپنے پروگرام کے بل پر چلا کرتی ہیں۔ عوام انہیں لوگوں کو اپنے نمائندے منتخب کریں گے جو ان کے دکھ درد کو جانتے ہوں۔ ان کا مداوا بھی کر سکیں۔ میری آپ ایسے سینئر لوگوں سے یہی درخواست ہے کہ آپ سب لوگ اپنے آپس کے اختلاف ختم کریں اور اس مرتبہ مل کر پوری ہمت سے انتخابی میدان میں اتریں۔ آپ کے ہوتے ہوئے ہم نے ملک

صاحب جیسے لوگوں کی نہ کبھی پہلے پروا کی تھی نہ اب کریں گے۔"

وزیراعلیٰ نے دو تین ایسی ہی باتیں کر کے بھنڈر کو خوش کر دیا۔ ان کے درمیان ناشتے کی میز پر ہی یہ بات طے پا گئی تھی کہ صوبے میں کامیابی کی صورت میں تین اور مرکز میں کامیابی کی صورت میں دو وزارتیں بھنڈر گروپ کی مرضی کے مطابق تقسیم کی جائیں گی۔

ابھی الیکشن کا اعلان نہیں ہوا تھا اور ان سیاسی بندروں نے بندر بانٹ شروع کر دی تھی۔

ان کی موجودگی ہی میں یہ اطلاع بھی مل گئی کہ ملک صاحب نے دارالحکومت میں ایک پریس کانفرنس کے دوران مرکزی پارٹی میں شمولیت کا اعلان کر دیا ہے۔

○ ○ ○

"بڑی مشکل سے قابو آئی کمبخت۔ دس ہزار دے کر بھی جان چھڑانی مشکل تھی۔ آپ جانتی ہیں مسز ملک کو یہ کنجر لوگ اتنی جلدی بے وقوف بننے والے تو نہیں۔" ارسلان نے نجمہ ملک کو دوسرے روز اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کی۔

"پروا نہ کرو۔ معمولی بات کو اتنی اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب تم اسے بھول جاؤ۔ لعنت بھیجو۔ صرف مستقبل پر نظر رکھو ارسلان۔ ماضی کی بات کمزور لوگ کرتے ہیں۔ حال کو اپنا بناؤ اور مستقبل کو اپنے قابو میں رکھنے کی فکر کرو۔ جو کام ہم نے اس طوائف سے لینا تھا وہ لے لیا۔ اب وہ بیکار ہے۔ ملک نے مرکزی پارٹی سے سودا بازی کر لی ہے۔ ہم چاہیں تو صوبائی لیگ سے اتنی بڑی ڈیل کر سکتے ہیں کہ ملک کے لیے سوائے ملک چھوڑ کر بھاگنے کے اور کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا اور یہی میں چاہتی ہوں۔" اس نے آخری فقرہ بڑا چبا چبا کر کہا تھا۔ "میں اس کو بھگا بھگا کر ماروں گی۔"

ارسلان کو اس کی آواز میں چھپے قہر کا اندازہ ہو رہا تھا۔ "وہ تصویر کم از کم دکھا تو دیجیے۔" اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ دیا۔

"فضول۔ بالکل فضول بات ہے یہ۔ تمہیں اس سے کیا لینا دینا۔ ۵۰ ہزار تمہیں اس کا مل گیا۔۔۔۔ حالانکہ جو حربہ میرے کہنے پر تم نے اس طوائف پر اپنایا ہے وہی میں تم پر بھی استعمال کر سکتی تھی۔"

اس کی بات نے ارسلان کو لرزا کر رکھ دیا۔ نجمہ بیگم کے ہونٹوں پر مخصوص مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی اور اس سانولے رنگ کی خوبصورت ڈائن کا یہ روپ ارسلان کی رگ رگ میں

خوف بنکر سرایت کر گیا۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ عورت اس کے تصورات سے بڑھ کر خطرناک ہے۔ واقعی وہ کسی بھی لمحے کچھ بھی کر سکتی تھی۔۔۔۔ ملک کی تصاویر حاصل کر کے اس نے ملک کو زندہ درگور کر دیا تھا اور ارسلان کے ذریعے یہ کارنامہ کروا کر اس نے ارسلان کو اپنے لیے دم ہلانے والا کتا بنا کر رکھ دیا تھا۔

"اف میرے خدایا!" اس نے دل ہی دل میں کہا "میں کسی عذاب میں پھنس گیا ہوں۔۔۔۔!"

"خیر چھوڑو۔ کس چکر میں پڑ گئے۔ میں ذرا باتھ لے لوں۔ تم تیار ہو جاؤ۔ آج مجھے دو اہم قتاریب میں شامل ہونا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ باتھ روم کی طرف چل دی۔

ارسلان بالکل لاشعوری انداز میں چلتا ہوا اس کے کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے دماغ میں ابھی تک نجمہ بیگم کا وہ فقرہ گونج پیدا کر رہا تھا۔ کمرے میں چھوٹی سی میز پر کل کی ڈاک رکھی تھی۔ اس نے معمول کے مطابق ڈاک چیک کرنا شروع کر دی' جب اچانک ہی تصاویر کا ایک لفافہ اس کے ہاتھ لگ گیا۔

لاشعوری طور پر ہی اس نے اپنی چھٹی حس کے کہنے پر لفافہ میں سے تصاویر نکالیں۔ یہ اس کے دورۂ انگلستان کی تصاویر تھیں۔ اچانک ہی ایک تصویر نے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ اسے یاد آ گیا جب وہ فرینکفرٹ میں اپنا بریف کیس سجاول خان کے حوالے کر رہا تھا۔ تب یہ تصویر انٹرپول یا مقامی پولیس کے ہاتھ لگ جاتی تو اس کی ساری زندگی جیل کی سلاخوں کی نذر ہو جاتی۔ کیونکہ اس تصویر میں وہ سجاول خان سے بریف کیس وصول کرتا صاف دکھائی دے رہا تھا اور وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سجاول کے ساتھ جو آدمی نظر آ رہا ہے وہ بھی یقیناً کوئی مین (قانونی) سمگلر ہو گا۔

پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ تصویر کو دیکھ رہا تھا جب اچانک ہی اس کے پیچھے قدموں کی آہٹ ہوئی۔ ارسلان نے کسی میکانکی عمل کے تحت گردن گھمائی۔ مسز ملک اس کے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ تصاویر کا لفافہ اس کے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔

○ ○ ○

"گھبرا گئے کیا؟"

بیگم نجمہ نے کمال بے اعتنائی سے کہا۔

"یہ..... یہ کیا ہے؟" ارسلان نے غصے اور حیرت سے ملی جلی آواز بمشکل حلق سے

نکال۔

"اچھا! اب یہ بھی مجھے ہی بتانا ہو گا۔" سر پر تولیے سے اس نے بالوں کو سکھاتے ہوئے کہا۔

"مسز ملک! آپ نے یہ....." ارسلان کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"میں ابھی نہیں چاہتی تھی کہ تم یہ سب کچھ دیکھو' لیکن اچھا ہوا بروقت آگاہ ہو گئے! یہ بہت ضروری تھا ارسلان۔ دیکھو بھئی! انسانی فطرت بھی بڑی عجیب ہے۔ ایک پل میں جا انسان کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔ کیا کر بیٹھے' اس کی سوچ کیا ہو جائے۔ ماضی کے تلخ تجربات مجھے تو بہت حقیقت پسند اور احتیاط پسند بھی بنا دیا ہے۔ تم بہرحال سیاسی آدمی ہو اور ظاہر میں نے بھی اس میدان میں جھک ماری ہے۔ جانے کل تم کیا کر بیٹھو۔ جیسے میرا کوئی اہم تمہارے پاس محفوظ ہے' اسی طرح تمہاری بھی کوئی کمزوری میرے پاس محفوظ ہونی چاہیے تا مستقبل میں ہم ایک دوسرے کے خطرات پیدا نہ کر سکیں۔ تم نہیں جانتے ارسلان انسان کبھی پر اتر آئے تو کتنا گر جاتا ہے۔ اب مجھے ہی دیکھ لو۔ ملک صاحب نے مجھے کتنی عزت دے رکھی ہے۔ اپنی اولاد تک سے ناطہ توڑ رکھا ہے میرے لیے' لیکن میں نے انہیں بھی بلیک میل کرنے کے لیے "سنٹ" محفوظ کر لیا ہے' حالانکہ وہ میرے مجازی خدا بھی ہیں اور میری مرضی اور کا پورا پورا احترام بھی کرتے ہیں' لیکن اس خوف سے کہ جانے کل کوئی عورت انہیں مجھ سے زیادہ پسند آ جائے اور وہ..... بہرحال اپنا مستقبل محفوظ رکھنے کا---- حق تو سب کو حاصل چاہیے۔ میں سوچتی ہوں ارسلان اگر میرے جیسی پڑھی لکھی عورت بھی اتنی کمینگی کا مظاہرہ کر سکتی ہے تو اور کوئی کیسے نہیں کرے گا-----؟"

ارسلان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ عورت پاگل ہے یا اسے پاگل بنا دینے پر تلی ہوئی ہے۔ اتنی اذیت پسند عورت اس نے زندگی میں اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ وہ یوں اطمینان سے اپنا فلسفہ بگھار رہی تھی جیسے کلاس روم میں کوئی استاد اپنے سٹوڈنٹس کو لیکچر دے رہا ہو۔

"آپ نے بجا فرمایا مسز ملک۔ انسان کمینگی پر اتر آئے تو کتنا گر سکتا ہے۔ ویل ڈن! بہت اچھا کیا آپ نے کہ کھیل کے آغاز ہی میں اس کے اصول بھی بتا دیے۔" ارسلان کا لہجہ خاصا طنزیہ تھا۔

"یہ میرا فرض تھا ارسلان۔ آخر تم دھوکے میں کیوں مارے جاؤ۔ کیوں نہ تمہیں پہلے ہی سے تمام "رولز اینڈ ریگولیشنز" سے آگاہ کر دیا جائے----!" وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

اور----!

ارسلان کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کا ٹینٹوا دبا کر اسے مار ڈالے----!

"مسز ملک کیا آپ ان ذات شریف کا تعارف کروانا پسند فرمائیں گی۔" اس نے اپنے اور جاوید خان کے درمیان کھڑے ایک انگریز کی تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ تصویر اس نے زمین سے اٹھا لی تھی۔

"جیفری---- جیفر ہاؤ۔ خدا جانے اس کا اصل نام ہے یا نہیں لیکن کمبخت نے نام بڑا زبردست اپنایا ہے۔ انٹرپول کے پاس اس کا مکمل ریکارڈ اس تصویر کے ساتھ موجود ہے۔ عام حالات میں یہ اس جیلے میں نہیں رہتا---- صرف تمہارے لیے بیچارہ اتنا خطرہ مول لے کر اس وقت میں تھوڑی دیر کے لیے سامنے آیا تھا---- اصل میں ارسلان یہ بہت ضروری تھا۔ اس لیے بھی پولیس کو یہ یقین نہیں دلایا جا سکتا کہ تصویر نقلی ہے اور تمہیں پھنسانے کے لیے بنائی گئی ہے۔ اور یہ ہے بھی ایمانداری کی بات کہ تصویر بہرحال اصلی ہے۔" آخری فقرے پر اس نے اذیت ناک قہقہہ بھی لگایا تھا۔ "خیر لعنت بھیجو ان تصویروں میں کیا رکھا ہے۔ چلو مجھے شام کو پریس کانفرنس سے خطاب کرنا ہے' تیاری کر لو۔"

یہ کہتے ہوئے ارسلان کو اسی حالت میں چھوڑ کر وہ باہر نکل گئی۔

اس نے ارسلان کو یہ نہیں کہا کہ وہ تصویریں یہیں رکھ دے---- یوں بھی نیگیٹو جانے کہاں محفوظ تھے اور ان کی ہزاروں کاپیاں تیار کی جا سکتی تھیں۔

○ ○ ○

اپنی کار کی طرف جاتے ہوئے اسے آج نجانے کیوں ہما اکبر علی ٹوٹ کر یاد آئی۔ ہما اکبر علی نے اس سے کہا تھا کہ جس دنیا میں داخل ہو گیا ہے اس سے باہر جانے کا راستہ شاید کبھی نہ مل سکے۔ اس نے ارسلان سے کتنی منت سماجت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس دلدل سے باہر نکل آئے کیونکہ جیسے جیسے وہ آگے جائے گا' دلدل اور گہری ہوتی جائے گی۔

تب وہ کتنا معصوم تھا----!

ملک صاحب اور مسز ملک نے اس کی معصومیت کا خون کیا تھا۔ دونوں قاتل تھے۔

ملان عزیز ولد محمد عزیز قوم جٹ سکنہ چک انتر کے قاتل۔

ان لوگوں نے ارسلان سے اس کی شناخت چھین لی تھی۔

اسے درندہ بنانے پر تل گئے تھے۔

اس کا گھر بار' خویش قبیلہ' سنگی' ساتھی' لڑکپن' جوانی' کچھ بھی تو اس کا نہیں رہا تھا۔

یاد آ گیا۔ باپ نے مرنے سے پہلے لکھ دیا تھا۔ اخبارات میں شائع کروا دیا تھا:

"ہر گاہ کہ مسمی ارسلان عزیز جو کہ میرا حقیقی پسر ہے' میرا نافرمان ہو چکا ہے۔ میں اسے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے عاق کرتا ہوں۔ اس کے کسی لین دین کا زمہ دار نہیں ہوں گا۔ میرا یا میرے دیگر خاندان کا اس سے کوئی تعلق نہ ہے۔"

جانے آج اسے رہ رہ کر ساری بھولی بسری باتیں کیوں یاد آ رہی تھیں۔ تب تو اس اشتہار پڑھ کر غصہ آیا تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ اب جیتے جی وہ کبھی اپنے باپ کا منہ نہ دیکھے گا۔

لیکن----!!

اس روز جب اچانک کچھ دیر کے لیے اس کا ضمیر جاگا اور اس نے چاہا کہ باپ سے معافی مانگ لے تو گاؤں کے چھوٹے سے ریلوے سٹیشن پر ہی اسے علم ہو گیا کہ محمد عزیز ریلوے سپرنٹنڈنٹ محکمہ ریلوے کا انتقال ہو چکا ہے۔

اس کے باپ کو مرے ہوئے تو تین ماہ ہو چکے تھے۔

کیسا غیرت مند انسان تھا اس کا باپ

کیسا شاندار عہد نبھایا تھا اس نے!

واقعی جیتے جی اس نے ارسلان کا چہرہ نہ دیکھا۔

"ارسلان تم پر لعنت ہو۔ خدا تمہیں ذلیل و خوار کرے۔ دفع ہو جاؤ۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہیں معافی نہیں مل سکتی۔ میں تمہیں اپنے دودھ کی دھاریں کبھی نہیں بخشوں گی۔ تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ نکل جاؤ' دفع ہو جاؤ۔ لعنتی! تم راندۂ درگاہ ہو۔ تم نے اس شخص کی جان لے لی جس کے وجود سے اس گھر کے اینٹ پتھر سانس لیا کرتے تھے۔ وہ زندہ تھا تو ہم سب بھی زندہ تھے۔ تم ہم سب کے قاتل ہو۔ چلے جاؤ اس سے پہلے کہ میری نسلی غیرت جاگ اٹھے اور میں اپنے مجازی خدا کے قاتل کی جان لے لوں---- چلے جاؤ---- نکل جاؤ----!"

اس کی ماں نے اس کی شکل پر تھوک کر گھر کا دروازہ اس پر بند کر دیا تھا۔ اس پر لعنت بھیج کر اس سے ناطہ توڑ لیا تھا۔

"ماں اتنی ظالم نہیں ہوتی۔" اس روز اسٹیشن کیمٹرف لوٹتے ہوئے ارسلان نے سوچا۔

"شاید یہ میری ماں ہی نہیں۔ شاید مرنے والا میرا باپ ہی نہیں تھا۔ شاید میرا کبھی کوئی وجود ہی نہیں رہا۔ شاید میں ارسلان عزیز جٹ کبھی تھا ہی نہیں۔"

یہ کوڑھ زدہ وجود والا شخص جس کا سایہ میرے ساتھ ساتھ چل رہا ہے' جانے کون ہے یہ؟

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے الوداعی نظر ان کھیتوں اور کچے راستوں پر ڈالی جہاں قدم قدم پر اس کی معصومیت بکھری پڑی تھی۔ جہاں اس کا بچپن سسکیاں لے رہا تھا۔ اس زمین میں اس کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ جانے شہر کے ظالم لوگوں نے اس پر کیا سحر پھونک دیا تھا۔ کہ ارسلان عزیز نے اپنی جڑوں پر خود ہی کلہاڑا چلا لیا۔

اسے سمجھ نہ آ سکی کہ جس مقدس زمین سے اس کا رشتہ جڑا تھا' اس نے ارسلان کے لیئر زدہ وجود کو خود سے کاٹ کر اس لیے پھینک دیا تھا کہ کہیں اس کا زہر ساری زمین میں سرایت نہ کر جائے۔

اس کا سیم تھور زدہ وجود اس مٹی کو بانجھ کر ڈالتا۔

لیکن----!!

اس کے بہادر باپ نے زمین کی آبرو بچا لی۔ اس نے اپنی زمین کی ہریالی کو موت نہیں آنے دی۔ اپنے وجود کے کینسر زدہ حصے کو کاٹ کر پھینک دیا۔

توبہ کے سارے دروازے ایک ایک کر کے بند ہوتے چلے گئے۔ آج اسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ تو حالات کے ہاتھوں میں اپنی بداعمالیوں کے سبب کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا۔

یہ سانولی سی---- کسی کمین گھرانے کی فاحشہ عورت جو اپنی حرام کاری کے ہاتھوں ملک صاحب کی داشتہ سے بیوی بن چکی تھی۔

اب یہ عورت اسے نچائے گی۔

اور وہ بندر کی طرح اس کی ڈگڈگی پر ناچے گا۔

"نہیں مسز ملک! نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تم دو کوڑی کی عورت۔ تم مجھے ارسلان عزیز جٹ کو اپنا بندۂ بے دام بنانے چلی ہو۔ تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ میرا حسب نسب کیا ہے---- میں تمہیں اوقات یاد دلا دوں گا نجمہ بیگم۔ کوئی بات نہیں آج اگر میری لگامیں تقدیر نے تمہارے ہاتھ میں دے دی ہیں تو کیا ہوا۔ میں گدھا گاڑی میں بندھنے والا گدھا نہیں ہوں۔ میں شہ زور' منہ زور گھوڑا ہوں۔ تمہیں کس نے حق دیا ہے میری پیٹھ پر سواری کرنے کا؟"

جانے وہ عالم وحشت میں کیا کیا خواب دیکھتا رہا۔

جانے وہ کب تک وحشت انا میں بھٹکتا رہا۔

کہ اچانک اس کی پشت پر نجمہ ملک کی آواز بلند ہوئی۔

"ارسلان چلو! دیر ہو رہی ہے۔"

"ہاں دیر ہو گئی مسز ملک---- ہمیں چلنا چاہیے۔" اس نے مڑتے ہوئے کہا۔

نجمہ کی زمانہ ساز نظروں نے اس کے اندر دور تک جھانک کر دیکھا لیا تھا کہ گھوڑا بے لگام ہونے جا رہا ہے۔

"بے چارہ!" وہ دل ہی دل میں مسکرائی۔

○ ○ ○

ملک صاحب کی سرکاری لیگ میں شمولیت کوئی معمولی خبر نہیں تھی۔

انقلابی سٹوڈنٹس فیڈریشن دو واضح دھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک دھڑا جس کی قیادت نوید گروپ کر رہا تھا ملک صاحب کے ساتھ تھا جب کہ دوسرا گروپ جس کی قیادت گجر کے ہاتھ تھی ابھی تک صوبائی لیگ سے جڑا تھا۔

ملک کو پہلے ہی سے امید تھے کہ گجر شاید اس کے قابو نہ آ سکے، کیونکہ وہ اپنی قسم کا نوجوان تھا۔ آج تک ملک صاحب کو اس نے کبھی تھانے کچہری کی زحمت نہیں دی تھی۔ یہ تو ملک صاحب پر بہت دیر بعد منکشف ہوا کہ اصل میں گجر کو بھنڈر کی پشت پناہی حاصل تھی۔

اور----!

یہ بھنڈر ہی تھا جس نے کبھی گجر کے نزدیک پولیس کو پھٹکنے ہی نہیں دیا تھا۔ پہلے تو ملک نے یہی چاہا کہ اپنے "باکوں" کی ایک پریس کانفرنس بلا کر گجر پر سنگین الزامات کی فہرست جاری کروائے اور اس کی چھٹی کروا دے۔

لیکن----!

وہ صرف سوچ سکتا تھا۔ یہ کڑوا گھونٹ تو اسے بہرحال بھرنا ہی تھا کیونکہ فیڈریشن کے کھاتے میں وہ صوبائی لیگ سے اچھا خاصا "خرچہ" ہٹو سکتا تھا۔ یہ تو اس کی اپنی لیاقت تھی کہ اس نے ذاتی اثر و رسوخ نوجوانوں میں اتنا پیدا کر لیا تھا کہ اب وہ اور انقلابی فیڈریشن لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے تھے۔ ورنہ تنظیمی طور پر اس کا فیڈریشن سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ صوبائی لیگ کی شروع ہی سے یہی پالیسی رہی تھی کہ فیڈریشن سے براہ راست کوئی تعلق کبھی نہ رکھا جائے۔ لیکن درپردہ اس کی مکمل پشت پناہی کی جائے۔ کیونکہ مروجہ سیاست میں لوگ نوجوانوں کی اہمیت کا بخوبی ادراک رکھتے تھے۔

انہیں علم تھا کہ سیاسی غنڈہ گردی کے بغیر سیاست اور سیاست دانوں کی حیثیت وہی ہے جو کسی بھی محلے میں رہنے والے ایک شریف شہری کی ہوا کرتی ہے۔ جس پر محلے کے بدمعاش سے لے کر علاقے کا تھانیدار تک رعب ڈال سکتا ہے۔

○ ○ ○

بھنڈر کو اب وزیراعلیٰ کی مکمل آشیرواد حاصل ہو چکی تھی۔

اس نے اپنی ماضی کی خدمات کے حوالے دے دے کر سٹوڈنٹس ونگ کا چارج سنبھال لیا تھا اور وزیراعلیٰ کو یقین دلا دیا تھا کہ چند ہفتوں کے اندر ہی اندر وہ ملک صاحب کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دے گا۔

وزیراعلیٰ نے بھی یہ سوچ کر "سانپ کو سانپ لڑے تو زہر کس کو چڑھے" بھنڈر کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ وہ بھی اس بات کو سمجھتے تھے کہ اصل میں بھنڈر کا ٹارگٹ ملک کی ذات ہے۔

اگر بھنڈر ملک کو نیچا دکھانے میں کامیابی حاصل کر لیتا تو یہ صوبائی لیگ کی فتح تھی اور آنے والے انتخابات میں اس کے بہت مثبت نتائج برآمد ہوتے۔ صرف ملک کے سیاسی منظر سے ہٹ جانے کا مطلب تھا ایک شاندار فتح----!!

اور اس شاندار فتح کے تصور میں سرشار صوبائی لیگ کی لیڈر شپ اب بھنڈر کی ڈگڈگی پر بالکل اسی طرح ناچ رہی تھی جس طرح کبھی وہ لوگ ملک کی ڈگڈگی پر ناچا کرتے تھے۔ بھنڈر نے اپنی فنڈ کو "طوائی کی دکان اور نانا جی کی فاتحہ" میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ آئے روز کوئی نہ کوئی ہارروائی ڈال کر فنڈز اپنے قبضے میں کر رہا تھا اور صوبائی لیگ کی قیادت آنے والے انتخابات سے متعلقہ اس کے الٹے سیدھے مطالبات پورے کرتی رہی۔

نہلے پہ دہلا

سنیشن چوک پر ویگن سٹینڈ سے پہلے ارسلان گروپ کے لوگ براہ راست غنڈہ ٹیکس وصول کیا کرتے تھے اور ویگن مالکان ہر مہینے ایک گلی بندھی رقم ان کے ہیڈ آفس میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ ایک دو مرتبہ انہوں نے مقامی بدمعاشوں کی خدمات بھی حاصل کیں کہ کسی طرح ان لونڈوں سے جان چھٹ جائے۔

لیکن ناکام رہے۔۔۔۔!!

اڈے کی حد تک تو مقامی بدمعاشوں نے فائرنگ کر کے انقلابی تنظیم کے "بگلوں" کو بھگا دیا لیکن ویگنوں کے روٹ بہرحال کالجوں کے سامنے سے گزرتے تھے اور کالجوں کی سامنے والی سڑکوں پر جب طلباء نے دو تین ویگنوں کو نقصان پہنچایا تو مالکان نے پھر ان سے صلح کر لی۔ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ اس ضمن میں نہ تو پولیس ان کی مدد کر سکتی ہے نہ کوئی اور۔ جانے کتنی مرتبہ انہوں نے اعلیٰ افسران سے رابطے کیے اور ان کے ناز نخرے اٹھائے تھے لیکن ہنڈیا سرے چڑھتی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

○ ○ ○

جس روز انقلابی طلباء تنظیم دو حصوں میں منقسم ہوئی تو ویگن مالکان کے لیے گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ اس سے پہلے وہ نوید گروپ سے ہی زیادہ ڈیل کیا کرتے تھے۔ انہوں نے پریس کانفرنس کے اگلے ہی دن گجر گروپ سے ملاقات کی اور انہیں مقررہ سے آدھی رقم ماہوار وصول کرنے پر رضامند کر لیا۔ گجر گروپ کی طرف سے انہیں اس بات کی ضمانت دے دی گئی کہ ان کی ویگنیں بہرصورت محفوظ رہیں گی اور نوید گروپ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ویگن مالکان کی یونین کے نمائندوں نے گجر گروپ سے رابطہ بھنڈر صاحب کے ذریعے کیا

تھا اور یقین دہانی کروا دی تھی کہ وہ ہر ماہ ایمانداری سے رقم بھنڈر صاحب کے کسی بھی مقررہ نمائندے کے حوالے کر دیا کریں گے۔

بھنڈر بھی ملک کے دانت دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ بہترین موقعہ تھا اس کے لیے اپنے جانبازوں کی صلاحیتیں آزمانے کا۔

اس نے گجر سے کہہ دیا تھا کہ بھلے وہ لوگ تعداد میں کم ہیں، لیکن صوبے میں ان کی اکثریت ہے اور بادشاہت بھی ایسی کہ چڑیا پر نہیں مار سکتی۔ اس لیے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

"میں نے آئی جی سے کہہ دیا ہے اپنا بندہ ہے۔ بس ذرا بچ بچا کر کام کرنا اور ہاں زیادہ۔۔۔۔۔ منہ مارنے کی ضرورت نہیں۔ ایک دو بڑے کام کر لیا کرو۔ آئندہ مجھے کسی اخبار میں کم از کم دکانداروں کے ساتھ تمہارے لڑکوں کے لڑائی جھگڑے کی خبر نہیں ملنی چاہیے۔ ذرا میری پوزیشن کا بھی خیال رکھا کرو۔۔۔۔!" اس نے گجر سے کہا۔

"بھنڈر صاحب! آپ فکر ہی نہ کریں جناب۔ میں لڑکوں کو سمجھا دوں گا۔" گجر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تین چار روز بعد جب معمول کے مطابق نوید گروپ نے ویگن اڈے کے مالکان سے رابطہ کیا اور ماہانہ کا تقاضا کیا تو ان کی طرف سے آگے سے رقم وصول کرنے کی ہدایت ملی۔

یہ بات خلاف معمول تھی لیکن ارسلان سے مشورے کے بعد انہوں نے دو لڑکوں کو بھیج دیا۔ لیکن اڈے والے جانے کب سے تاؤ کھائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے دونوں "ہرکاروں" کو قابو کر کے اور پہلے تو مار مار کر ان کا بھرکس نکالا۔ پھر پولیس کو ٹیلی فون کر دیا۔

○ ○ ○

پلان کے مطابق انہوں نے کلاشنکوف اور ماؤزر سمیت دونوں کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

ان کے خلاف غنڈہ گردی، فائرنگ اور زبردستی ٹیکس وصول کرنے کے الزامات لگائے گئے تھے۔ ان کا موٹر سائیکل ویگن والوں نے لوہے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا تھا۔

جب پولیس ملزمان کو گرفتار کر کے لے جا رہی تھی، عین ان لمحات میں اخبارات کے فوٹو گرافرز اور رپورٹرز بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ یہ لوگ بھنڈر صاحب کی خصوصی درخواست پر تشریف لائے تھے۔ انہوں نے موقعہ واردات پر ملزموں کی اسلحے سمیت رنگے ہاتھوں گرفتاری کی

تصاویر اور خبریں مقامی ڈرائیور یونین کے نمائندوں کے بیانات کے ساتھ اگلے روز کے اخبارات میں نمایاں کر کے شائع کی تھیں۔

ویگن والوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر پولیس نے ملزموں کے ساتھیوں کو گرفتار نہ کیا بقول ان کے موقعہ واردات سے فرار ہو گئے تھے اور آئندہ اگر کسی ویگن پر حملہ کیا گیا تو وہ جام ہڑتال کر دیں گے اور ان حالات کی ذمہ داری پھر سراسر انتظامیہ پر ہو گی۔

طے شدہ منصوبے کے مطابق گرفتار شدگان کی طرف سے پولیس نے بیان جاری کیا کہ ان کا تعلق طلباء تنظیم کے نوید گروپ سے ہے اور انہیں مرکزی لیگ کے بعض لیڈروں کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ ایس ایس پی صاحب نے پریس کانفرنس میں ان شخصیات کے نام ہم راز میں رکھے تھے جن کی پشت پناہی ان غنڈہ عناصر کو حاصل رہی تھی۔

○ ○ ○

ملک کے سامنے اخبارات پھیلے ہوئے تھے۔۔۔۔!

یوں تو اسے "اپنے بندوں" سے جو اخبارات میں موجود تھے' خبر کی اشاعت سے پہلے اس بات کا علم ہو گیا تھا' لیکن اس نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ ملک جانتا تھا کہ اس وقت وہ اس پوزیشن میں نہیں کہ اخبارات میں خبر کو شائع ہونے سے روک دے۔

ارسلان' نوید اور ان کے گروپ کے کچھ لوگ ملک صاحب کے سامنے بیٹھے تھے۔ ان میں دو تین وہ بھی تھے جن کے گھروں پر پولیس چھاپے مار چکی تھی۔ ملک کو احساس تھا کہ یہ خطرناک کھیل کس نے کھیلا ہے۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ بھنڈر نے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں اور اسے ملک صاحب کو نیچا دکھانے کا موقع ملا تھا۔

"تم دونوں فی الحال ذرا ادھر ادھر ہو جاؤ۔" اس نے دو لڑکوں کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں ہدایت کی۔ "میں ذرا بھنڈر کے دانت دیکھ لوں۔ ہماری بلی اور ہمیں کو میاؤں۔۔۔۔!" غصے سے ملک کے ہونٹ پھڑپھڑائے۔

اس نے فوری طور پر پریس کانفرنس کا بندوبست کیا تھا۔ اس پریس کانفرنس سے نوید اور ارسلان نے خطاب کرنا تھا' لیکن عین وقت پر مسز ملک کی خواہش پر ملک صاحب نے ارسلان کا نام واپس لے لیا۔

"ارسلان کو اب آہستہ آہستہ سٹوڈنٹس پالیٹکس سے نکال لو۔ میرے خیال سے یہی بہتر ہے۔" نجمہ نے اسے کہا۔

ملک صاحب جانتے تھے کہ نجمہ ملک اسے لندن کا ایک چکر لگوا چکی ہے اور اس کے ...ے کی نوعیت سے بھی وہ واقف تھے۔ یوں بھی حالات آج کل ان کے لیے ساز گار نہیں تھے اور وہ اپنی ہزیمت کے تمام بدلے کسی آنے والے وقت پر اٹھا رکھنا چاہتے تھے۔

نجمہ ملک جانتی تھی کہ اب صوبائی لیگ ایک ایک کر کے ملک کی کمزور نبضوں کو دبائے گی اور ایک روز وہ ارسلان کو بھی گرفتار کر لیں گے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارسلان گرفتار ہو۔ اس نے ارسلان کو اس "گندے کھیل" سے نکال کر "بڑے کھیل" کا کھلاڑی بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

نوید اور اس کے ساتھیوں نے پریس کانفرنس میں صوبائی لیگ پر جوابی الزامات عائد کرتے ہوئے کہا کہ صوبائی لیگ نے ان کو رسوا کرنے کے لیے یہ گھٹیا ہتھکنڈہ استعمال کیا ہے اور ان کے ...ساتھیوں کو جو کسی کام سے جا رہے تھے' راستے سے اغوا کر کے ویگن اڈے پر پہنچایا گیا جس ...بعد ان پر جھوٹے الزامات لگا کر انہیں گرفتار کیا گیا ہے۔ انہوں نے پولیس کو وارننگ دی ...کہ اگر چوبیس گھنٹے میں ان کے دونوں ساتھیوں کو رہا نہ کیا گیا تو حالات کی ذمہ داری مقامی ...انتظامیہ پر عائد ہو گی۔

انہوں نے صوبائی لیگ کے لیڈروں سے درخواست کی تھی کہ وہ طلباء کے معاملات میں ...مداخلت بند کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی ہوسٹلوں اور کالجوں کو غیر طلباء عناصر سے پاک کرنے کا ...مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس پریس کانفرنس کے شرکاء نے صوبائی لیگ پر الزام عائد کیا تھا کہ وہ ...شہر کالجوں کا امن و امان تباہ کر کے انہیں سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

پریس کانفرنس کے خاتمے پر نوید اور اس کے ساتھی غائب ہو گئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اب پولیس ان کو گرفتار کرنے کے لیے سرگرم ہو گی اور فی الوقت وہ پولیس کو گرفتاری نہیں دینا چاہتے تھے۔

پریس کانفرنس میں انقلابی طلباء تنظیم کی دھمکیاں اعلیٰ قیادت کو پہنچا دی گئی تھیں جہاں سے پولیس کو ہدایت کی گئی تھی کہ ان دھمکیوں کو بالکل خاطر میں نہ لائے اور بلیک میلنگ کے ...آگے جھکنے سے انکار کر دے۔

بھنڈر والی کانفرنس کی طرح ملک صاحب والی کانفرنس کی خبریں بھی اخبارات نے۔۔۔۔ ...سرخیوں سے شائع کیں لیکن ان کی وارننگ نظر انداز کر دی گئی اور اسی روز آئی جی نے ...اخبار نویسوں کو بتایا کہ پولیس کسی کو امن و امان تباہ کرنے کی اجازت نہیں دے گی اور اگر طلباء ...نے بھی خلاف قانون حرکت کی تو ان کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا اور چار سے زیادہ لوگوں

کے اجتماع کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے اسلحہ لے کر چلنے پر پابندی عائد کر دی۔

علی الصبح پولیس کی لاریوں نے پہلے ہی ان کالجوں کو گھیرے میں لے لیا تھا جہاں گروپ کے لوگوں کی طرف سے شورش کا خطرہ تھا۔

حالات کے پل پل کی خبر ملک صاحب کو مل رہی تھی۔

اس وقت وہ مرکزی لیگ کے ایک وزیر کے گھر میں فروکش تھے جہاں مرکزی لیگ کا اجلاس چل رہا تھا۔ اس اجلاس میں مقامی پارٹی یونٹوں کو فوری طور پر ہنگامی صورت حال نمٹنے کی ہدایات جاری کر دی گئیں۔ راتوں رات نزدیکی شہروں سے پارٹی کارکن اس شہر میں ہونے لگے تھے۔ پارٹی کے جیالوں کو انقلابی طلباء تنظیم کی مدد کرنے کی خصوصی ہدایت جاری دی گئی تھی۔ انہوں ان کے کام سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ میٹنگ برخاست ہو گئی۔

۲۴ گھنٹے گزر گئے۔۔۔۔!

اس دوران پولیس نے دونوں بھرموں کو رہا تو کیا کرنا تھا۔ ان کی "نشاندہی" پر اگلے بارہ اور ساتھی دھر لیے گئے۔ نوید ملک کے بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے' لیکن وہ ملا تھا۔

۲۴ گھنٹے مکمل ہونے پر مرکزی لیگ کی طرف سے ایک ہنگامی پریس کانفرنس کا انعقاد ہوا جس سے مرکزی لیگ کے صوبائی صدر نے خطاب کیا اور صوبائی حکومت سے درخواست کی گئی وہ امن عامہ کو تباہ کرنے سے احتراز برتے۔

ملکی نخدوش حالات اور بین الاقوامی صورت حال کی طرف اشارہ کر کے صوبائی حکومت سے درخواست کی گئی کہ اس مرحلے پر وہ طلباء کو مشتعل نہ کریں اور نہ ہی انہیں اپنے مقاصد کے لیے آلہ کار بنائیں۔ اس پریس کانفرنس میں ایک ٹرانسپورٹ یونین کے صدر صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ جنہوں نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ انہیں طلباء سے کبھی کوئی شکایت نہیں رہی کیونکہ طلباء اس قوم کا مستقبل ہیں اور مستقبل کی حفاظت کرنا ان سب کی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے کہا کہ طلباء کی آڑ میں کچھ غنڈہ عناصر اگر ویگن والوں کو تنگ کرتے ہیں تو اس کے لیے ساری طلباء برادری کو موردالزام ٹھہرانا سراسر زیادتی ہے۔

صدر صاحب نے مقامی ویگن ڈرائیور یونین کو خود ساختہ اور پولیس کے ٹاؤٹ قرار دیتے ہوئے اخبار نویسوں کو یقین دہانی کروائی کہ ٹریفک کا پہیہ جام کرنے والوں کی کوئی حیثیت نہیں اور وہ کبھی ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے مرکزی ٹرانسپورٹ یونین کی طرف سے عوام کو بھی یقین دہانی کروائی کہ ان کے ہوتے ہوئے عوام کو کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ صدر صاحب نے طلباء سے اپیل کی تھی کہ وہ اپنی صفوں میں موجود غیر طلباء اور غنڈہ عناصر کو نکال باہر

کریں اور ان کے ساتھ تعاون کریں۔ انہوں نے پولیس سے طلباء کو رہا کرنے کی اپیل کی تھی۔

ملک صاحب اپنا ایک ایک مہرہ بڑی کامیابی سے آگے بڑھا رہے تھے۔

"شطرنج کے کھیل کا مزہ ہی تب آتا ہے جب مقابل بھی کم از کم اپنے پائے کا کھلاڑی ہو۔"

انہوں نے مرکزی وزیر صاحب کے سامنے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "سائیں! اگر بھنڈر ٹبہ گڑھے ہمیں سیاست پڑھانے لگیں تو ہمارے لیے تو پھر اس ملک میں کوئی جگہ باقی نہ رہی ہاں --- ہمیں تو پھر شاید سیاست ہی کو خیرباد کہنا پڑے گا۔"

○ ○ ○

مرکزی لیگ کے کھل کر سامنے آنے پر صوبائی قیادت نے ایک مرتبہ تو ہتھیار ڈالنے کا خیال کر لیا تھا۔ کیوں کہ اس مرحلے پر طلباء کے ہنگامے جب کہ انہیں مرکزی لیگ کی پشت پناہی بھی حاصل ہوتی' صوبے کے لیے کوئی نیک شگون نہیں تھے۔

لیکن۔۔۔۔!

بھنڈر گروپ اپنا دباؤ برابر بڑھا رہا تھا۔

انہوں نے سیاسی قیادت کو باور کروا دیا تھا کہ اگر انہوں نے پہلے ہی حملے میں ہتھیار ڈال دیئے تو شاید اگلے الیکشن پر انہیں ٹکٹیں بانٹنے کے لیے ڈھنگ کے امیدوار ہی نہ مل سکیں۔

اس نے اس لڑائی کو اپنی اور ملک کی ذاتی جنگ میں بدل دیا تھا اور وہ صوبے کے امن و امان کی تعینات دے کر بھی اس جنگ میں فتح حاصل کرنا چاہتا تھا۔

صوبائی قیادت کو احساس تھا کہ بھنڈر کے ساتھ ایک مضبوط پریشر گروپ موجود ہے اور وہ ایک ایسی شخصیت ہے جو مستقبل میں شاید ملک کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کر سکے۔

بادل نخواستہ انہیں مضبوط سٹینڈ لینا پڑا۔

آئی جی کا پولیس کو حکم جاری ہو گیا کہ ہنگامہ آرائی کی صورت میں پولیس فورس کو استعمال کر کے سختی سے ہنگامہ کچل دیا جائے کیونکہ وزیراعلیٰ صاحب کسی کو بھی قانون اپنے ہاتھوں میں لینے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھے۔۔۔۔!

اندر کی ایک ایک خبر ملک کو "اپنے بندوں" کے ذریعے مل رہی تھی۔ اس نے اپنے "ذریعوں" کو آخری ہدایات جاری کیں اور مرکزی وزیر کے ساتھ "نائٹ کوچ" سے دارالحکومت

روانہ ہو گیا۔

○ ○ ○

اگلے ہی روز ملک صاحب کے گورنیلے حرکت میں آ گئے۔

ہنگاموں کا آغاز مقامی کالج کے سامنے ایک ویگن کو روک کر نذر آتش کرنے سے ہوا۔ طلباء نے ویگن کی سواریوں پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ ڈرائیور اور کلینر جان بچا کر بھاگ گئے اور طلباء نے پولیس کی آنکھوں کے سامنے ویگن کو نذر آتش کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی دوسرے مقامی کالج کے طلباء حرکت میں آئے اور انہوں نے کالج کے سامنے موجود پولیس پر خشت باری شروع کر دی۔ نجانے ان لوگوں نے اتنے اینٹ پتھر کیسے کالج کی چھت پر جمع کر لیے تھے۔ شاید وہ ایک عرصے سے اسی موقعے کے منتظر تھے۔ جب پولیس نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے طلباء پر آنسو گیس پھینکنی شروع کی تو کالج کی چھت سے پولیس پر فائرنگ شروع ہو گئی۔

اس فائرنگ کرنے والے کو کسی نے نہیں دیکھا---- اس نے اپنا کام مکمل کیا۔ پولیس پر تین چار برسٹ مارے اور کالج کی چھت سے اتر کر چپ چاپ غائب ہو گیا۔

پولیس نے اس دوران جوابی فائرنگ شروع کر دی تھی۔

جواب میں نوید گروپ کے طلباء بھی پولیس پر پستولوں سے گولیاں چلانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی مقامی مجسٹریٹ نے پولیس کو کالج میں داخل ہونے کا حکم دے اور ڈنڈا بردار پولیس فائرنگ کی آڑ میں کالج میں داخل ہو گئی۔ پولیس کو کالج پر حملہ آور ہوتے دیکھ کر شرپسند طلباء یوں غائب ہوئے جیسے انہیں زمین نگل گئی ہو۔ خدا جانے انہوں نے فرار کے لیے کون سا راستہ منتخب کر رکھا تھا۔

بے گناہ طلباء جو بے چارے اپنی کلاسوں میں منہ پر گیلے رومال رکھے آنسو گیس کا عذاب بھگت رہے تھے۔ ان لوگوں نے فرار ہوتے ہی اپنی جانیں بچانے کے لیے جیسے ہی کلاسوں سے باہر نکلے' پولیس کے ڈنڈا بردار جیالوں کے قابو میں آ گئے۔

پولیس والے بھی جانے کب سے تاؤ کھائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے چند منٹوں میں ہی انہیں ردی کے گالوں کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔

پندرہ بیس آدھ موئے طلباء کو اپنی لاری میں ٹھونس کر پولیس کا ایک گروپ حوالات کی طرف روانہ ہو گیا۔

○ ○ ○

بعینہ کہانی دوسرے دو مقامات پر دہرائی گئی----!

اس دوران ایک افسوسناک واقعہ بھی ہو گیا۔ جب پولیس کی جوابی فائرنگ سے ایک بے گناہ طالب علم جو اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا' مارا گیا----!!

مرنے والا اپنے والدین کی واحد اولاد نرینہ تھی۔ وہ مقامی بار کونسل کے عہدے دار کا بیٹا تھا جس کے متعلق ہر شخص قسم کھا کر کہہ سکتا تھا کہ اس نے کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔ وہ شاندار تعلیمی کیریئر کا حامل نوجوان تھا اور مستقبل کا ڈاکٹر----!

پولیس کا موقف تھا کہ اسے گولی پولیس نے نہیں ماری بلکہ وہ طلباء کی فائرنگ سے ہی مرا ہے۔

لیکن----!!

وہاں پولیس کی بات کا یقین کون کرتا؟ اخباری فوٹو گرافروں نے پولیس کے اندھا دھند لاٹھی چارج کی تصاویر اتار لی تھیں۔ ایک ڈی ایس پی صاحب نے جب اپنی پولیس افسری کی دھونس میں ایک اخبار کے فوٹو گرافر سے گالی گلوچ کی تو وہ بھی مقابلے پر ڈٹ گیا جس پر پولیس نے اسے بھی ڈنڈوں کی زد پر لے لیا۔ بے چارے کا کیمرہ ٹوٹ گیا۔ اس پر لاٹھیاں برساتے پولیس کے "شیردل جوانوں" کی تصاویر دوسرے اخبار کے فوٹو گرافروں نے اتار لی تھیں۔

ہر فوٹو گرافر سے کیمرہ چھین کر توڑ ڈالنا پولیس کے بس سے باہر تھا۔ اس واقعے نے اخبار نویسوں میں پولیس کے خلاف جذبات مزید بھڑکا دیئے۔

○ ○ ○

شام ڈھلنے تک ہنگامہ قدرے فرو ہو گیا۔

رات گئے مقامی ایس ایس پی صاحب ایک ایک اخبار کے دفتر جا کر ڈی ایس پی کے ٹوک کی معافی مانگتے رہے۔ انہوں نے فوری طور پر ایس ایس پی صاحب کو معطل کر کے لائن حاضر کر دیا تھا۔ ایک دو اخبارات نے ان کی درخواست پر "ہاتھ نرم" رکھا۔

لیکن----!

ملک کے دو تین مقتدر اخبارات نے جن کے تعلقات مرکزی لیگ سے بھی خوشگوار تھے'

واقعات کی صحیح رپورٹنگ اور تصویر کشی کر دی۔ اخبار نویسوں پر پولیس کے لاٹھی چارج اور اخباری برادری کو الگ مشتعل کیا تھا۔ بے گناہ طلباء اور خصوصی مقامی بار کونسل کے عہدے دار کے ہونہار بیٹے کی موت نے عوام میں پولیس کے خلاف خاصا جوش و خروش پیدا کر دیا تھا۔

ہسپتال سے مقتول طالب علم کی لاش وصول کرنے اس کے غمزدہ لواحقین بھی گئے تھے لیکن وہ منہ دیکھتے رہ گئے۔

لاش غیظ و غضب سے بپھرے مرکزی لیگ کے ورکروں نے وصول کی اور ان کے صوبہ صدر کے جوشیلے خطاب کے فوراً بعد لاش کو وہ جلوس کی شکل میں اٹھا کر گورنر ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔

سیکورٹی کے ذمہ دار پل پل کی خبر اعلیٰ حکام کو پہنچا رہے تھے۔

بپھرے ہوئے ہجوم کو گورنر ہاؤس کی طرف بڑھتے دیکھ کر پولیس نے راستے ہی میں ناکہ بندیاں کر لی تھیں۔ دو تین ناکہ بندیاں تو پارٹی کے جیالوں نے روند ڈالیں' لیکن گورنر ہاؤس سے کچھ فاصلے پر پولیس چوکس تھی۔ پولیس افسران نے بپھرے ہوئے ہجوم سے لوٹ جانے کی درخواست کی اور انہیں یقین دلایا کہ ان کے مطالبات پر عمل ہو گا اور ذمہ داروں کے خلاف کارروائی ہو گی۔

لیکن----!

ہجوم لاش کو گورنر ہاؤس تک لے جانے پر بضد رہا۔ وہ لوگ گورنر ہاؤس سے براہ راست بات کر کے اپنے جذبات پہنچانے اور یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد ہی وہاں سے واپس جانے کو تیار تھے۔ ان کی اس پرخلوص خواہش کی تکمیل پولیس کے اختیار میں نہیں تھی۔

بالآخر ایس پی صاحب نے ہجوم کو اس بات پر بھی رضامند کرنا چاہا کہ ان کے ذمہ دار دو چار لواحقین گورنر صاحب کو خود جا کر اپنے جذبات سے آگاہ کر دیں۔

لیکن----!

یہاں کوئی ان کی سننے کو تیار ہی کب تھا۔ اس دوران ہجوم میں موجود کچھ لوگ اپنی غلط حرکات سے پولیس کو مسلسل اشتعال دلاتے رہے لیکن پولیس والے صبر و سکون سے کھڑے رہے--- اس سے پہلے کہ مقتول کے لواحقین جو خاصے شریف اور صلح پسند لوگ تھے' پولیس کی بات مان لیں۔ ہجوم نے نعرے بلند کیے اور پولیس پر ڈنڈوں سے حملہ کر دیا۔

پولیس کا بادل نخواستہ جوابی حملہ کرنا پڑا۔ جیسے ہی جوابی حملے کا آغاز ہوا' جیالے دم دبا کر بھاگ اٹھے۔ انہوں نے جنازہ وہیں سڑک پر رکھ دیا تھا۔ اب ایک اور ستم ظریفی ہوئی جب جلوس نے شہر کا رخ کیا۔ وہ تو ادھر ادھر بکھر کر پولیس پر خشت باری کرنے لگے جب کہ غمزدہ اور

سال مقتول کے لواحقین اپنے بچے کی لاش اٹھانے کو آگے بڑھے اور پولیس نے ان پر ڈنڈا برسانی شروع کر دی۔

اخبار نویسوں کے قلم اور کیمرے حرکت میں آئے اور "بے گناہ مقتول طالب علم کے لواحقین پر پولیس کے وحشیانہ لاٹھی چارج" کی تصاویر بننے لگیں---!

پولیس اور ہجوم کی آنکھ مچولی دو تین گھنٹے جاری رہی۔ جس کے بعد مرحوم کو پولیس کی نگرانی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

○ ○ ○

اگلے روز کے اخبارات مقتول کے لواحقین پر پولیس کے لاٹھی چارج کی تصاویر کے ساتھ وزیراعلیٰ کے سامنے رکھے تھے اور بھنڈر کے ساتھ منہ لٹکائے میٹنگ میں بیٹھے تھے۔ اچانک وزیراعلیٰ کے خصوصی فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف چیف سیکرٹری ان سے مخاطب تھا:

"جناب والا! آئی جی صاحب کو اسٹیبلشمنٹ ڈویژن نے واپس بلوا لیا ہے۔ ان کی خدمات ایک مرتبہ پھر مرکزی حکومت نے حاصل کر لی ہیں اور ان کی جگہ ....."

نوجوان وزیراعلیٰ نے فون رکھ کر تازہ اطلاع وہاں موجود پارٹی لیڈروں تک منتقل کر دی۔

"مرکز براہ راست اس ٹرالی میں کود پڑا----!" بھنڈر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔

"ہاں بھنڈر صاحب اور آپ کی مہربانی سے مرکز کو فی الوقت عوام کی ہمدردیاں بھی حاصل ہو گئی ہیں--- کیا خیال ہے آپ کا؟"

وزیراعلیٰ کا لہجہ خاصا طنزیہ تھا۔

"میرے خیال سے جناب والا ہمیں فی الوقت کوئی اہم فیصلہ کرنا ہے۔ ہم صوبے کے عوام کی ہمدردیاں کھو کر شاید صوبائی وزارت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔" جنرل سیکرٹری نے اپنی رائے پیش کی۔

اس کے بعد مختلف لوگ اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے۔ آخر میں انہوں نے وزیر داخلہ کی طرف دیکھا جنہوں نے حتمی فیصلہ کرنا تھا۔

تمام گرفتار طلباء کو رہا کر دیا جائے--- اخبار نویسوں اور عوام پر لاٹھی چارج کا حکم دینے والے افسران کو فی الوقت لائن حاضر کیا جائے--- سٹوڈنٹ لیڈر شپ کے ساتھ فوری طور پر میٹنگ ارینج کی جائے۔" وزیراعلیٰ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لیکن جناب! ٹرانسپورٹر.....؟" بھنڈر کے منہ سے نکلا۔

وزیراعلیٰ نے ایک مرتبہ پھر کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا' پھر منہ موڑ کر اپنے سیکرٹری سے مخاطب ہوئے----- "ٹرانسپورٹروں کے بھی ایک دو ڈھنگ کے نمائندے بلا لیجئے---- بھنڈر صاحب آخر اپنی برادری کو تو نظرانداز نہیں کریں گے----!" وزیراعلیٰ نے آخری فقرہ کہہ کر اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ چپکا لی۔

"آیئے حضرات! کھانا تیار ہے۔" وزیراعلیٰ کے اشارے پر کسی نے کہا اور وزیراعلیٰ خود کھانے کی میز کی طرف بڑھے۔

وہ نہیں چاہتے تھے کہ اب فیصلے پر----- اپنے لوگوں کو رائے زنی کا موقعہ دیں نہ ہی وہ اس مرحلے پر کسی اپنے یا پرائے کی ناراضی مول لے سکتے تھے۔

مستقبل پر نظر رکھنے والے ٹھنڈے مزاج کے نوجوان وزیراعلیٰ نے لنچ کی میز پر کسی کو موقعہ نہیں دیا تھا کہ وہ اس مسئلے پر بات کرے۔ انہوں نے گفتگو کا رخ موڑ دیا تھا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر ہنگامی میٹنگ طلب کر لی گئی تھی۔ اس میں تمام طلباء تنظیموں کے نمائندے شامل تھے۔ اعلیٰ صوبائی افسران کی اس میٹنگ کی سربراہی ایک مقامی وزیر صاحب کر رہے تھے۔ نوید اور گجر بھی دوسرے طلباء لیڈروں کی طرح یہاں موجود تھے----- فضا خاصی خوشگوار تھی۔

قریباً سب ہی لوگ چہروں پر منافقانہ مسکراہٹ سجائے ایک دوسرے کے الزامات سن رہے تھے۔ بالآخر باہمی افہام و تفہیم کے ساتھ ان کے ساتھ معاہدہ طے پا گیا۔

ذمہ دار پولیس افسران لائن حاضر ہو گئے----!

گرفتار طلباء رہا کر دیئے گئے۔

اس کے ساتھ ہی وزیراعلیٰ صاحب نے مرکز سے صوبائی معاملات کو خراب نہ کرنے کی اپیل کی تھی۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ مرکزی لیگ کے شرپسند عناصر لاشوں پر سیاست کی عمارت کھڑی کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے ڈی آئی جی صاحب کو ہدایت کی تھی کہ بدقماش اور مشتبہ عناصر پر نظر رکھی جائے اور مجرم کو جرم کرنے سے پہلے ہی کیفرکردار تک پہنچا دیا جائے----!

○ ○ ○

"واہ ملک صاحب! واقعی سیاست آپ کا میدان ہے----!" جیسے ہی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی "سب اچھا" رپورٹ مرکز میں موصول ہوئی' وزیرداخلہ نے ملک صاحب کی

شاندار تعریف کرتے ہوئے کہا۔

اس بات پر کوئی شک بھی نہیں تھا کہ اگر ملک صاحب کی جگہ کوئی معمولی اعصاب کا آدمی ہوتا تو پانسہ ان کی طرف پلٹ جاتا۔ ملک نے کمال سیاست سے اپنے مہرے ایک ایک کر کے آگے بڑھائے تھے لیکن وزیراعلیٰ نے جس دانشمندی سے معاملات کو سنبھالا تھا' اس پر مرکزی لیگ کو ضرور تشویش لاحق ہو گئی تھی اور وہ سمجھنے لگے تھے کہ مستقبل میں وزیراعلیٰ ان کے لیے خطرات پیدا کر سکتا ہے۔

"سائیں! دیکھتے جاؤ۔ ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔" ملک صاحب نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

وہ اسی روز شام کی فلائٹ سے واپس اپنے شہر آ گئے۔ جب ہوائی اڈے کے لاؤنج میں ایک رپورٹر نے ان سے صوبے میں ہونے والے حالیہ واقعات پر تبصرہ کرنے کو کہا تو ملک صاحب نے فرمایا کہ وہ چونکہ دارالحکومت میں موجود تھے اس لیے مقامی حالات پر تبصرہ نہیں کر سکتے' البتہ ان کا "محتاط ترین تبصرہ" یہی تھا کہ کسی کو قانون ہاتھوں میں لینے کی اجازت نہیں دینی چاہیے اور تعلیمی درسگاہوں میں سیاسی جماعتوں کی مداخلت بند ہونی چاہیے۔ انہوں نے مرکزی لیگ کی طرف سے آئندہ انتخابی حکمت عملی سے متعلق سوالات کے جوابات دینے سے انکار کر دیا۔

ملک جانتا تھا کہ صوبائی لیگ نے فی الحال اس کی طرف سے آنکھیں بند کی ہیں' لیکن یہ اب مستقبل میں اسے نظرانداز نہیں کریں گے اور اب اس کو بہت سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھانا پڑے گا۔

اور یہ تھی بھی حقیقت! صوبائی قیادت نے اس کے خطرے کو نظرانداز نہیں کیا تھا' اس کے لیے پیش بندی شروع کر دی تھی۔

آتش فشاں

ارسلان کے لیے نجمہ ملک ایک مستقل ذہنی عذاب بنی ہوئی تھی۔ اس کا ضمیر رہ رہ کر اس کی مردانگی پر کچوکے لگا رہا تھا کہ وہ ایک عورت کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہا ہے۔ خود وہ بہت کچھ کر گزرنا چاہتا تھا لیکن ابھی وہ بے بس تھا۔ بھارتی سفیر کا تبادلہ اچانک ہی کسی دوسرے ملک میں کر دیا گیا تھا۔ کانتا نے روانگی سے پہلے اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ اس نے ارسلان سے کہا تھا کہ وہ جلد ہی اس سے رابطہ قائم کرے گی۔

انٹیلی جنس کے لیے اس میں اگر کوئی دلچسپی تھی تو اسی حوالے سے تھی۔ جب یہ حوالہ چھٹ گیا تو وہ لوگ بھی پیچھے ہٹ گئے۔ رضوی صاحب اس سے کبھی کبھار مل لیا کرتے تھے۔ اپنی حب الوطنی اور وطن دوستی کے حوالے سے یہ شخص ارسلان کو پسند کرتا تھا۔ رضوی صاحب نے بھی اسے ایک دوست کے ناطے سے یہی مشورہ دیا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو' وہ طلباء سیاست سے کنارہ کشی کر لے۔

ایک دو مرتبہ اس کا جی چاہا کہ کسی روز اعتماد میں لے کر وہ رضوی صاحب کو نجمہ ملک کے کرتوت اور خود پر بیتنے والی قیامت سے آگاہ کر دے لیکن وہ کبھی خود میں اتنا حوصلہ نہ پا سکا۔ پھر اس نے ان لوگوں کے قریب سے دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ اپنی سطح پر یہ سب لوگ بے بس ہیں اور صرف احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ انہیں اپنی رائے دینے کا حق حاصل نہیں---- ایسا بھی ایک انسپکٹر بے چارہ اس کے لیے کیا کر سکتا تھا؟

اس کے لیے فی الوقت خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑے رکھنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ "میرے خیال میں تم سٹوڈنٹس پالیٹکس سے علیحدگی کا اعلان کر دو' کیونکہ معاملات بہت بگڑ چکے ہیں۔ یوں بھی اب تمہیں اپنی لائن تبدیل کر لینی چاہیے----!" نجمہ ملک نے گہری سوچ کے بعد ہی اسے رائے دی۔

"لیکن ملک صاحب کو اس طرح اچانک چھوڑ دینا....." اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔ تم مجھے یا ملک صاحب کو نہیں صرف طلباء سیاست کو خیرباد کہہ رہے ہو۔ میں نے اور ملک صاحب نے مل کر تمہارے مستقبل کی بہتری کے لیے ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔" نجمہ ملک نے اس کی بات کاٹ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"آج کل آپ میری بہتری کی کچھ زیادہ ہی فکر کرنے لگی ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے نکل گیا۔

"تم ہمارے اپنے جو ہو----!" نجمہ ملک نے مسکرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

وہ ارسلان کو بچوں کی طرح بہلا رہی تھی----!

شاید اسے ارسلان کی صورت میں کوئی کھلونا ہاتھ لگ گیا تھا۔ کتنی اذیت پسند تھی وہ----!

"یہاں کی آب و ہوا بھی کچھ سازگار نظر نہیں آ رہی تھی۔ میرا مشورہ تو یہی ہے کہ ایک آدھ چکر لندن کا اور لگا لو---- کچھ تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔

گو کہ اس "چکر" کا مطلب ارسلان اچھی طرح سمجھتا تھا لیکن وہ کم از کم کچھ عرصے کے لیے اس سے دور تو رہ سکتا تھا۔ یوں بھی اب اس نے لاشعوری طور پر شاید اس ملک کو چھوڑ دینے کا فیصلہ ہی کر لیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شاید دنیا کے کسی دوسرے ملک میں اپنے حالات سے لڑ کر وہ ایک الگ اور مطمئن زندگی کا آغاز کر سکے گا----!

"ٹھیک ہے----!" اس نے کہا۔

"کل تم پریس کانفرنس میں طلباء سیاست سے علیحدگی کا اعلان کر دو۔" نجمہ ملک نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

○ ○ ○

اگلے روز ایک ہوٹل میں ارسلان کی طرف سے کچھ اخباری نمائندوں کے سامنے طلباء سیاست سے علیحدگی کا اعلان ہو گیا۔ اس نے کہا کہ کالجوں میں سیاسی جماعتوں اور غیر طلباء عناصر کی مسلسل مداخلت کے خلاف ایک عرصہ تک جنگ جاری رکھنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اس---- گندی سیاست کو خیرباد کہہ دے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی توجہ سیاست سے ہٹا کر صرف تعلیم پر مرکوز کر دیں اور اپنے والدین کا سہارا بنیں جو

نجانے کیا کیا ستم جھیل کر اپنے مستقبل کا سہارا بناتے ہیں۔ ارسلان نے اپنے مستقبل کے عزائم سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ اب اس کی زندگی کا مقصد معاشرے کے پسماندہ طبقات کی خدمت ہے اور اس نے اپنی باقی زندگی اصلاح معاشرے اور خدمت خلق کے لیے وقف کر دی ہے۔۔۔۔ اس ضمن میں اس نے نجمہ ملک صاحبہ کی "فلاحی فاؤنڈیشن" سے منسلک ہونے کا اعلان کیا تھا۔

ارسلان نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ فلاحی فاؤنڈیشن عنقریب غریب اور نادار مریضوں کے لیے ایک فری جنرل ہسپتال قائم کر رہی ہے جس کے لیے زمین حاصل کر لی گئی ہے۔ اس فاؤنڈیشن کے تحت پہلے ہی سے غریب اور بیوہ عورتوں کے لیے ایک سلائی کڑھائی سکھانے کا مرکز قائم ہے۔ اس کے علاوہ یتیم بچوں کے لیے وہ لوگ ایک گوشہ عافیت بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔

پریس کانفرنس کے خاتمے پر وہ جب گھر کی طرف آ رہا تھا تو ایک ٹریفک سگنل پر اسے روک لیا گیا۔

وہ اندازہ نہ کر سکا کہ پریس کانفرنس کے فوراً بعد ہی جب وہ گھر کی طرف روانہ ہوا تو ایک جیپ اس کا تعاقب کرتی اس کے ساتھ ہی یہاں تک آئی تھی۔ شاید اس جیپ کے وائرلیس سیٹ سے ہی اگلے چوک میں پولیس کو ہدایت ملی تھی کہ وہ اس کی کار کو روک لے۔

"لائسنس دکھایئے جناب۔۔۔۔!" ایک سارجنٹ نے اس کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیوں۔۔۔؟" ارسلان کو غصہ آ گیا۔

"میں بتاتا ہوں۔۔۔۔ آپ ذرا گاڑی سے باہر تشریف تو لائیں۔" اس کے تعاقب میں آنے والی جیپ سے ایک شخص نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

جیپ انہوں نے اس طرح اچانک اس کی گاڑی کے ساتھ لگا کر کھڑی کی تھی کہ وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کون ہو تم لوگ؟"

خطرے کا احساس ہوتے ہی اس نے کار کے ڈیش بورڈ میں اپنے پستول کو پکڑنا چاہا۔

جیسے ہی اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی، جیپ سے اترنے والے نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر اسے جھٹکا مارا اور کار کا دروازہ دوسرے ہاتھ سے کھول کر اسے باہر نکال لیا۔

ارسلان کی مدافعت سے پہلے ہی باقی جیپ سوار اس کے سر پر پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے بڑی پھرتی سے پستول نکال کر اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔

"خبردار! زیادہ ہوشیاری نہ دکھانا۔" اس نے للکارتے ہوئے کہا۔

پولیس والے اس دوران بڑے اطمینان سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ارسلان کو غصے کے

ساتھ حیرانی بھی ہو رہی تھی کہ یہ لوگ اس کی مدد کیوں نہیں کرتے۔

اس نے دو تین مرتبہ پولیس والوں کو گالی دے کر اپنا تعارف بھی کروایا تھا، لیکن کسی نے اس کی طرف منہ موڑ کر دیکھا بھی نہیں تھا۔

"الو کے پٹھے۔ ہم بھی پولیس والے ہیں اور تمہیں گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں۔" سادہ پوشوں نے اسے دھکے دے کر جیپ کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔ انہوں نے اسے قریباً اٹھا کر جیپ میں پھینکا تھا۔ تین آدمی اس کو سنبھال کر بیٹھ گئے۔ چوتھے نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور جیپ چل پڑی۔

ارسلان پاگلوں کی طرح کبھی انہیں گھورتا، کبھی ان سے پوچھنے لگتا کہ آخر وہ اسے کیوں پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ اس نے اب تک نجانے کتنی مرتبہ انہیں دھمکیاں دی تھیں کہ وہ ان کی وردیاں اتروا دے گا۔

لیکن وہ لوگ تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر رہے تھے۔

جب اس کی زبان کسی طرح بند ہی نہ ہوئی تو ان میں سے ایک نے اس کی کنپٹی پر ایسا زوردار تھپڑ رسید کیا کہ ارسلان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"سالا چپ ہی نہیں کرتا۔۔۔۔!" دوسرے نے زوردار گھونسہ اس کے منہ پر جڑ دیا۔

اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔

غصے اور تکلیف سے پیچ و تاب کھاتے ارسلان نے جب مزاحمت کرنا چاہی تو تینوں اس پر پل پڑے اور چند منٹ ہی میں اسے آٹے دال کا بھاؤ بتا دیا۔

○ ○ ○

جہاں وہ لوگ اسے لائے تھے وہ شاید ان کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہ سفر اس نے شدید تکلیف میں کاٹا تھا۔ وہ قریباً نیم بے ہوش تھا۔ جیپ ایک قلعہ نما کوٹھی کے لان میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے دروازے پر ایک مسلح سپاہی موجود تھا۔ اس نے گیٹ کھولا تھا۔

گیٹ سے اندر داخل ہو کر انہوں نے گیٹ کے ساتھ بنی ایک چیک پوسٹ کے رجسٹر میں کچھ اندراج کیا اور جیپ آگے بڑھ گئی۔ تھوڑی دور جا کر جیپ پھر ایک جگہ رک گئی۔ انہوں نے قصائی کے بکرے کی طرح اسے گریبان سے پکڑ کر نیچے کھینچا اور زمین پر گرتے ہی اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش شروع کر دی۔

خدا جانے یہ کون سی جگہ تھی۔ یہاں انسان بستے تھے یا درندے۔۔۔۔ ارسلان نے دیکھا

کہ اسے مار پڑتے دیکھ کر سائے کی بیرک سے دو اور سفید پوش ڈنڈے تھامے بھاگتے ہوئے وہاں آ گئے۔ وہ ارسلان پر اس طرح لاٹھیاں برسا رہے تھے جیسے وہ گوشت پوست کا انسان نہیں' کوئی آہنی قلعہ ہے جسے وہ سر کرنے جا رہے ہوں۔

اسے اپنے بدن کی ساری ہڈیاں چٹخی محسوس ہو رہی تھیں۔

خوف زدہ بچوں کی طرح وہ گڑگڑا رہا تھا۔ ان سے معافیاں مانگ رہا تھا۔ اس کا سارا طنطنہ دم توڑ چکا تھا لیکن یہ لوگ اس کی منت سماجت پر دھیان دیئے بغیر اسے جانوروں کی طرح پیٹ رہے تھے۔ مارتے مارتے وہ اسے گھسیٹتے ہوئے بیرک کے سامنے بنے سیلوں کی طرف لے جا رہے تھے۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے آخری منظر یہی دیکھا۔ ان سیلوں سے خوف زدہ چہروں والے کچھ لوگ جن کی شکلیں بظاہر تو انسانوں جیسی تھیں' لیکن اپنی حالت سے وہ جانور دکھائی دے رہے تھے' اسے جھانک رہے تھے۔

اس کے ہمراہیوں نے انہیں بھی گالیاں دے کر اپنے منہ دوسری طرف کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے بٹن کے ساتھ چلنے والی مشینوں کی طرح اپنے منہ دیواروں کی طرف پھیر لیے۔

ارسلان اب چیخنے چیخنے بے ہوش ہو چکا تھا----!

انہوں نے ارسلان کے نیم مردہ جسم کو گھسیٹا اور اسے ایک سیل میں ردی کے ڈھیر کی طرح پھینک کر اسے باہر سے تالا لگا دیا۔

○ ○ ○

تھوڑی دیر بعد جب اسے ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا جیسے اس کے بدن کی ساری ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ اسے اپنا بدن گوشت کا بے جان لوتھڑا محسوس ہو رہا تھا۔ منہ میں خون تھا۔ ذائقہ ابھی تک محفوظ تھا اور جہاں تک وہ اپنی گردن گھما کر دیکھ سکتا تھا' اسے اپنے بدن پر نیل ہی نیل دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے حلق میں جیسے کسی نے کانٹے دار جھاڑیاں اگا دی تھیں۔ اس کے لیے تھوک نگلنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

اس بات کا اندازہ تو اسے ہو گیا کہ یہ بھی سیکورٹی کے لوگ ہیں' لیکن اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر وہ اسے یہاں کیوں لائے ہیں؟

وہ تو ان کے لیے کام کرتا آیا ہے اور یہ لوگ اسے مارنے کے لیے یہاں لائے ہیں؟

"اوے اٹھ اوے۔ ہاتھ باہر نکال۔" اچانک ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ ایک شخص پانی کا ڈول لیے سیل کے باہر کھڑا تھا۔ ارسلان سہمے ہوئے چوزے کی طرح سیل کی سلاخوں کے

نزدیک آ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ باہر نکال دیئے تھے۔ آواز دینے والے نے اسے منہ کھولنے کی ہدایت کی---- اور---- ارسلان نے اس کے حکم پر جانوروں کی طرح منہ کھول دیا۔

اس شخص نے وحشیانہ قہقہہ لگایا اور پانی کا ڈول اس کے منہ پر پھینک دیا۔ کچھ پانی اس کے حلق میں چلا گیا اور زیادہ اس کے کپڑوں پر۔

گھبرا کر اس نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے۔

لیکن---- جواب میں دو چار گالیاں کھا کر وہ دوبارہ اسی ایکشن میں واپس آ گیا۔ ایک مرتبہ پھر اس پر پانی پھینکا گیا۔ تیسری مرتبہ اس شخص نے باہر سے پانی انڈیلا اور اس کے حلق میں ڈال دیا۔

"کیوں بھئی! ہوش آ گیا؟" یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

ارسلان کا حلق تو تر ہو گیا لیکن گیلے کپڑے اب تک اس کے زخموں سے چمٹ رہے تھے۔ ابھی بمشکل تین چار منٹ ہی گزرے تھے جب وہاں تین بٹے کٹے ملازم آن دھمکے۔ ان کے تعاقب میں وہی شخص آ رہا تھا جس نے جیپ میں اس کی ٹھکائی کی تھی۔

ارسلان سہم گیا----!!

"باہر نکالو اوئے اس لیڈر کی اولاد کو۔ اس کی کمبل پریڈ کراؤ ذرا۔" اس نے تینوں کو حکم دیا۔

ان میں سے ایک نے اس کے سیل کو کھولا اور باقی دونوں نے اسے جانوروں کی طرح باہر نکال لیا۔

ارسلان چیختا چلاتا ہی رہ گیا---- وہ اسے گھسیٹتے ہوئے ایک کمرے کی طرف لے گئے۔ تیسرا جس نے اس کے سیل کا تالا کھولا تھا۔ اب اپنے ہاتھوں میں ایک کمبل پکڑے وہاں کھڑا تھا۔ ان لوگوں نے کونے میں رکھے بڑے بڑے ڈنڈے تھام لیے۔

اچانک ہی تیسرے نے دھکا دے کر اسے زمین پر گرا دیا۔ چیختے چلاتے ارسلان کو یوں لگا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہے۔ اس نے چاہا کہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر کمبل سے نجات حاصل کر لے کہ اچانک اس کے بدن پر عذاب نازل ہونے لگا۔ تینوں نے اس کو ڈنڈوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔

ارسلان کی چیخیں بھی گھٹ کر رہ گئی تھیں۔

اسے یوں لگا جیسے وہ مر رہا ہے----!

آہستہ آہستہ اس کے بدن سے جان نکل رہی ہو----!

لیکن وہ زندہ رہا۔

○ ○ ○

انہوں نے اسے مرنے نہ دیا---- بے ہوش ہونے پر اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے پھینک کر وہ اسے ہوش میں لے آتے۔

جب تینوں تھک گئے تو اسے ہوش میں لا کر خود اپنے انچارج کے اشارے پر باہر چلے گئے۔

اب دونوں اندر اکیلے ہی بیٹھے تھے۔ یہ وہی شخص تھا جو اسے اغوا کر کے لایا تھا۔

"کیوں بے دماغ ٹھکانے آ گیا یا نہیں---- اگر لیڈری کا بھوت دماغ سے نہیں نکلا تو ایک آدھ کورس اور کرا دوں؟"

"نہیں جناب---- خدا کے لیے نہیں----" وہ بذیانی انداز میں چیخنے لگا۔

"اب کان کھول کر سن لو۔ جو سوال کروں اس کا صحیح جواب دینا۔ اگر ذرا سی بھی ہوشیاری دکھائی تو دونوں بازو اور ٹانگیں توڑ کر جیل میں پھینکوا دوں گا اور ساری زندگی اپاہجوں کی طرح رینگتے رینگتے مرجاؤ گے۔"

ارسلان کو احساس ہو رہا تھا جیسے یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے' وہ کرنے پر قادر بھی ہے۔

"مم---- میں بتاؤں گا----!" وہ گھگھیایا۔

"تم انڈیا کے لیے کب سے جاسوسی کر رہے ہو۔" پہلے سوال نے اس کی جان نکالدی تھی۔

"ک ک کیا مطلب؟ کیا مطلب؟" جیسے اس کے کانوں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو۔

اس کا مطلب ہے کہ ابھی تمہارا دماغ ٹھکانے پر نہیں آیا۔ ابھی تھوڑی کسر باقی ہے۔" انچارج افسر نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"دیکھیے جناب۔ میں اس وقت آپ کے اختیار میں ہوں۔ جو چاہے آپ میرے ساتھ کر سکتے ہیں' لیکن ایسا گھناؤنا الزام مجھ پر نہ لگائیے---- مجھے گولی مار دیں لیکن آپ مجھ سے ایسے جرم کا اقبال نہیں کروا سکتے جو مجھ سے سرزد ہی نہیں ہوا۔"

انچارج حیران تھا۔

کہ جیسے اچانک ہی اس کا واسطہ بدلے ہوئے ارسلان سے پڑا ہو۔ اس الزام نے جیسے

اچانک ہی ارسلان کو ہیرو بنا دیا ہو۔ ورنہ کچھ دیر پہلے تک تو وہ سہمے ہوئے چوزے کی طرح اس کے قدموں میں بیٹھا تھا۔ ایک دو لمحے کے لیے وہ بے یقینی کے سے عالم میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ شاید وہ کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتا تھا۔

"اچھا گویا تم اس طرح نہیں مانو گے----؟" یہ کہہ کر اس نے کمرے کے ایک کونے میں گھنٹی کا بٹن دبایا۔

"دو ملازم ایک ساتھ اندر آئے----!

"اسے لاؤ اوئے ذرا---- موہن لال کو----!"

اس نے دونوں کو حکم دیا۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے بیٹا----!" انچارج نے ارسلان پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

تھوڑی دیر بعد ہی ایک آدھ موا آدمی آ گیا۔ جس کو وہ موہن لال کہہ کے مخاطب کرتے تھے۔

"اسے جانتے ہو-----؟" اس نے ہاتھ باندھے موہن لال کو مخاطب کیا۔

"ہاں جناب! اس کا نام ارسلان ہے۔ میں ان سے ہی ملنے جا رہا تھا۔" موہن لال نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

ارسلان ہکا بکا ہی رہ گیا----!

اس کا سر چکرانے لگا۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دن میں تارے ناچتے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے زندگی میں کبھی اس شخص کی جھلک نہیں دیکھی تھی جس نے ارسلان کی حیثیت سے نہ صرف شناخت کیا بلکہ اس کے سارے ٹھکانے' فون نمبر' ماضی کے خاصے واقعات بھی بیان کر دیئے۔

ارسلان کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟ کدھر جائے؟ یہ شخص کون تھا؟ اسے اس نے اس کے متعلق اتنا کچھ بتا کر یہاں بھیجا تھا؟" لے جاؤ اسے!" انچارج نے حکم دیا اور وہ دونوں موہن لال کو واپس لے گئے۔

"دیکھو بچو! یہاں تو گونگے بھی بولنے لگتے ہیں۔ تمہاری تو پھر بھی زبان ہے۔"

اچانک ہی ارسلان کے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا۔

"کہیں کالنا نے تو اس شخص کو نہیں بھیجا؟" اس نے رضوی صاحب کے کہنے پر کالنا کو ایسا تاثر تو دیا تھا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ملنے کے لیے تیار ہے۔"

"آفیسر تم غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہو---- پہلے میری پوری بات سن لو۔ اس کے بعد جو مرضی چاہے کر لینا۔"

"بکو!" انچارج نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

ارسلان نے اسے کانتا کے ساتھ ملاقات کی ساری کہانی سنا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ رضوی صاحب کا آدمی ہے۔ انچارج اس کی تمام باتوں کے نوٹس لے رہا تھا۔ اس نے رضوی صاحب کا نمبر نوٹ کیا اور اسے کچھ سوچتے ہوئے واپس سیل میں بھیج دیا۔

اس مرتبہ وہ لوگ اسے آرام سے لائے تھے۔ سیل میں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد اسے کاغذ قلم مہیا کیا گیا اور ہدایات کی گئی کہ تمام واقعات بلا کم و کاست لکھ دے۔

کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے کہانی لکھنی شروع کر دی۔

رات تک اس نے ساری کہانی لکھ دی----!

رات کا کھانا اسے ایک سیل میں دیا گیا----!

آدھی رات کو پھر وہ لوگ اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ اس مرتبہ اس کے سامنے تین آدمی بیٹھے تھے۔ دوبارہ اسے سارے واقعات سنانے کے لیے کہا گیا تھا۔ تینوں اس سے باری باری سوالات کرتے رہے---- تقریباً دو اڑھائی گھنٹے بعد انہوں نے اسے کافی پلائی۔ اب ان کا رویہ خاصا "مہربانہ" ہو گیا تھا۔ کافی پینے کے بعد ارسلان کو ہوش نہ رہا----!

○ ○ ○

جب ہوش آیا تو وہ شہر کے ایک پارک میں ایک بنچ پر لیٹا تھا۔ کسی نے اسے جھنجھوڑ کر بیدار کیا تھا۔ شاید یہ اس باغ کا کوئی مالی تھا۔

دھوپ میں اس کا بدن جلنے لگا تھا---- سارا جسم پسینے سے شرابور اور دکھتا ہوا پھوڑا بن رہا تھا۔

"باؤ جی! کوئی لمبا ہی کش لگایا ہے---- دوپہر ہو گئی ہے اور آپ دھوپ میں سو رہے ہیں۔ شاید نشہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا----!" مالی نے طنز سے کہا۔ "شکر کرو باؤ جی۔ کسی پولیس والے نے نہیں دیکھا' ورنہ....." اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

ارسلان نے جان لیا کہ انکوائری پر اس کا بیان سچ ثابت ہوا تھا اور وہ لوگ اسے یہاں پھینک کر چلے گئے۔ شاید اس کا اندازہ صحیح تھا اور کانتا کے حوالے سے بھارتی انٹیلی جنس نے کسی جاسوس کو اس کے پاس بھیج دیا تھا۔

اور شاید اس کے ملک کی کاؤنٹر انٹیلی جنس نے تفتیش کے لیے یہی طریقہ مناسب سمجھا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہاں لوگوں کے متعلق کیا رائے قائم کرے۔

بڑبڑاتے ہوئے اس نے بے شمار گالیاں دیں اور ایک رکشہ کے ذریعے گھر پہنچا۔ رکشے والے کو بھی اس نے دھمکی دے کر جانے پر رضامند کیا تھا۔ ورنہ اس کی حالت دیکھ کر تو کوئی اسے بٹھانے کے لیے بھی رضامند نہ ہوتا۔ گھر پر نجمہ بیگم بے چینی سے اس کی منتظر تھی----! اسے اس حالت میں دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

دوسرا روپ

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" اس نے ایک ہی سانس میں بہت کچھ پوچھ لیا۔

"ٹھیک ہے کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی۔" ارسلان نے صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"کیسی غلط فہمی۔ تمہاری یہ حالت کیسے؟ کل سے تم کہاں غائب ہو؟" مسز ملک کی بیقراری بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

"چائے کے لیے کہہ دیجئے۔ بتاتا ہوں۔" اس نے پہلو بدل کر کہا تو منہ سے کراہ نکل گئی۔

مسز ملک اب اس کے نزدیک پہنچ کر گہری اور تشویشناک نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے ارسلان کے کندھوں پر دباؤ ڈال کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

ارسلان اس کی طرف دیکھ کر صرف مسکرا کر رہ گیا۔

وہ جانتا تھا مسز نجمہ ملک کو یہی فکر دامن گیر ہو گئی ہو گی کہ کہیں ان کا گھوڑا زخمی ہی نہ ہو گیا ہو۔"

بیرے کو طلب کر کے اس نے چائے وہیں لانے کو کہا تھا۔ ارسلان نے اس سے درد کی گولیاں بھی منگوائی تھیں۔ ابھی تک اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ایک دو منٹ وہ چھت کو اور مسز ملک کو گھورتا رہا۔ پھر باتھ روم کی طرف چل دیا۔

اس نے چپ چاپ چائے کے ساتھ دو گولیاں نگلیں۔ پھر نجمہ ملک کی طرف متوجہ ہوا۔

"مجھے علم نہیں وہ لوگ کون تھے۔ انہوں نے مجھے کار روک کر اغوا کر لیا اور اپنے آفس میں لے گئے۔ اس کے بعد میری یہ حالت بنائی اور رات ہی کسی وقت باغ میں پھینک کر چلے گئے۔" اس نے مختصر بات کرنا چاہی۔

"مخالف تنظیم کے لوگ تھے کیا؟" نجمہ ملک کو الجھن سی ہونے لگی۔

"نہیں، سرکاری لوگ تھے۔"

"کیسے کہہ سکتے ہو تم؟"

"میں بقائمی ہوش و حواس میں ہوں مسز ملک۔" اسے نجانے کیوں غصہ آ رہا تھا، لیکن وہ سنبھل گیا۔

نجمہ ملک صرف مسکرا کر رہ گئی۔

آخر کوئی الزام تو ہو گا تم پر؟ کچھ تو وہ کہتے ہوں گے؟" نجمہ ملک نے اس کے نزدیک بیٹھ کر بڑی اپنائیت سے دریافت کیا۔

"ہاں۔" ارسلان نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر کہا۔ "شاید آپ سننا پسند نہ کریں۔" اس نے اندھیرے میں تیر چلا دیا۔

"تم کہو ارسلان۔ میں ہر وقت ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتی ہوں۔" اس نے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

"ان کا کہنا تھا کہ میں نے لندن کا چکر آپ کے کام سے لگایا ہے۔" ارسلان کو اچانک ہی نجانے کیا سوجھی۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔

"کس کام سے؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

ارسلان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کا اندھیرے میں چھوڑا تیر نشانے پر لگا ہے۔ مسز ملک کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے بدلا تھا، لیکن فوراً ہی اس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا۔

"کس کام سے! یہی تو وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ یہی تو وہ مجھ سے اگلوانا چاہتے تھے۔"

"پھر؟"

"پھر کیا۔ میں نے سرے سے اس بات کو تسلیم ہی نہیں کیا کہ مجھے آپ نے بھیجا ہے۔ میں نے یہی اصرار کیا کہ میں اپنی مرضی سے گیا ہوں۔ میں نے ان کے سامنے ایک ہی رٹ لگائے رکھی کہ وہ مجھے اعلیٰ حکام کے حکم پر تشدد کا نشانہ بنا رہے ہیں اور مجھے سیاسی اختلافات کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟" مسز ملک کی بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی اور ارسلان خاصی تسکین محسوس کر رہا تھا۔

"پھر کیا! وہ مجھے گھما پھرا کر اس طرف لاتے تھے کہ میں نے ضرور کوئی غلط کام کیا ہے اور آپ سے نزدیک ہونے کا کچھ اور ہی مطلب لے رہے تھے۔"

"گدھے--- الو کے پٹھے---!" نجمہ ملک نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"گھبرائیے نہیں مسز ملک۔ میں زبان کا مرد ضرور ہوں۔ میں نے آپ پر آنچ نہیں آنے دی۔ اگر وہ مجھ سے کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو جاتے تو مجھے یوں پھینک کر نہ چلے جاتے۔ میں نے سارا عذاب اپنی جان پر جھیلا ہے۔" اس نے دل ہی دل میں نجمہ ملک کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"کوئی اور چکر تو نہیں تھا؟" اچانک ہی نجمہ ملک نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"ابھی تو نہیں' مستقبل کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں۔ معلوم نہیں گاڑی کہاں ہے؟ یہ واقع کمیٹی چوک میں پیش آیا۔ شاید گاڑی وہیں موجود ہو یا پھر پولیس کے پاس ہو گی۔"

"تم گاڑی کی فکر نہ کرو۔ جہنم میں گئی گاڑی۔ یہ سارا سیاسی چکر ہے۔ وہ لوگ ملک پر ہاتھ ڈالنے کے لیے کوئی نہ کوئی قربانی کا بکرا ضرور تیار کریں گے۔ آخر حکومت یہ سب کچھ نمٹنڈے پٹھوں تو برداشت کرنے سے رہی۔" ارسلان جانتا تھا کہ آخری فقرہ اس نے ارسلان سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دینے کے لیے کہا تھا۔

"اب انہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ میں بہرحال قربانی کا بکرا نہیں۔" اس نے چلتے چلتے اچانک ہی مڑ کر نجمہ ملک کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

نجمہ ملک نے اس کے لہجے کی کاٹ محسوس کر لی تھی' لیکن خلاف معمول وہ مسکرائی نہیں۔

ارسلان خوش ہو رہا تھا کہ اس نے کم از کم نجمہ ملک کو کچھ عرصہ کے لیے تو ذہنی اذیت سے دوچار کیا۔

وہ نہیں جانتا تھا اچانک ہی اس کے ذہن میں عود کر آنے والے اس خیال نے نجمہ ملک کے دل میں ہمیشہ کے لیے تشکیک کا زہر بھر دیا ہے۔ یہ خبر کہ حکومت کی انٹیلی جنس ایجنسیاں اس پر کسی دوسرے سلسلے میں بھی شک کر سکتی ہیں یا اس کا "غیر ملکی برنس" حکومت کے علم میں ہے' اس کو پریشان کر دینے کے لیے کافی تھا۔

○ ○ ○

نجمہ ملک کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سجاول خان سے اس کے روابط کی خبر سرکار دربار تک بھی پہنچ گئی ہے۔

جب ارسلان اپنے کمرے میں کپڑے تبدیل کر کے بستر پر لیٹا خاصا سکون محسوس کر رہا

تھا۔

عین ان ہی لمحات میں مسز ملک اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر باغ میں سرو کے پودوں پر نظریں جمائے سگریٹ کے مرغولے فضا میں بکھیر رہی تھی۔ وہ بڑے مضبوط اعصاب کی عورت تھی۔

اگر عام قسم کی عورت ہوتی تو حوادث کے جن طوفانی تھپیڑوں سے اس کا ماضی میں واسطہ رہا تھا' ان کی زد میں کبھی کی ٹوٹ کر بکھر چکی ہوتی۔

لیکن۔۔۔۔!

آج وہ پریشان تھی۔۔۔۔!

ارسلان کی اس اطلاع نے کہ اس سے سیکورٹی والے نجمہ ملک کی "دوسری حیثیت" کے "حقائق پوچھ گچھ کرتے رہے تھے' اسے پریشان کر دیا تھا۔

وہ بہت ہوشیار عورت تھی۔ اس نے کوئی ایسا کلو اپنے پیچھے نہیں چھوڑا تھا کہ کوئی اس شک کر سکے۔ سجاول خان سے اس کے تعلقات کی نوعیت کا صحیح علم تو ملک صاحب کو بھی نہیں تھا۔ ملک کو صرف اتنا علم تھا کہ وہ خاصی اونچی اڑ رہی ہے۔

یورپ اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ملک نے اس کا سبب جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ خوش تھا کہ نجمہ بیگم خوش ہے۔ اس کا علم تو اسے بعد میں ہوا کہ دراصل اس نے نجمہ کو نہیں پھنسا تھا' خود وہ اس کے جال میں پھنسا تھا۔۔۔ اور ایسا پھنسا تھا کہ پھر پھنستا ہی چلا گیا۔۔۔۔!!

نجمہ بیگم نے جب پہلا پھیرا لگایا تو ملک کو بڑے فخر سے اپنے اس "کارنامے" سے آگاہ کیا تھا اور ملک نے بھی اسے "بیگم صاحبہ کی ادا" سمجھ کر قبول کر لیا۔ وہ جانتا تھا سوسائٹی کی جن خواتین میں نجمہ کا اٹھنا بیٹھنا ہے' ان میں کچھ ایسی بھی ہیں جو کبھی کبھی بطور شغل یا پھر محض چینج کے لیے اس طرح کا ایک آدھ پھیرا لگا لیا کرتی ہیں۔

درجنوں معزز گھرانوں کی بیگمات کو وہ جانتا تھا جو یورپ کی مختلف جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہی تھیں۔ ان میں سے کچھ تو ایسی نوجوان لڑکیاں بھی تھیں جو عمال حکومت کی نزدیکی رشتہ دار تھیں۔

ملک کی اطلاع کی حد تک نجمہ بیگم نے ایک دو پھیرے خود ہی لگائے تھے' جس کے بعد سے ارسلان اس کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ عین ممکن ہے اس نے ارسلان سے پہلے بھی کسی کو ان "خدمات" پر مامور کیا ہو۔

لیکن ملک صاحب کو اس کا علم نہیں تھا کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا جو گروہ اس کے

گرد اکٹھا رہتا ہے' ان میں سے کتنے لوگ نجمہ بیگم کے قریب اور کتنے "زیادہ قریب" ہیں۔

بہت ہوشیار اور سیاسی جوڑ توڑ کے ماہر ملک صاحب کو تو اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ اس کی لاڈلی بیگم صاحبہ نے اس شہر کے دو معزز گھرانوں کی لڑکیوں کو یورپ کی جیلوں میں پہنچا دیا ہے۔

ایک پہلے ہی چکر میں اور دوسری بدقسمت لڑکی تیسرے چکر میں پکڑی گئی تھی۔

دونوں نے عدالت میں چونکہ رضاکارانہ طور پر اپنے جرم کا اقرار کر لیا تھا' شاید اسی لیے انہیں دس دس سال قید کی سزا کا حکم ملا تھا----!

○ ○ ○

ارسلان تو اس کا تیسرا شکار تھا۔

یہ اس کا کمال فن تھا کہ جہاں ایک طرف اس نے ملک ایسے گھاگ سیاستدان کو گھیرا تھا' وہاں اس نے سجاول خان ایسے بین الاقوامی شہرت یافتہ سمگلر کو بھی اپنی زلفوں کا اسیر بنا رکھا تھا----!

اس کے تعلقات کی نوعیت کچھ بھی ہو' حیرانگی کی بات یہ تھی کہ سجاول خان اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔

وہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والا پاپی جانے اس گھاٹ پر پلٹ پلٹ کر کیوں آتا تھا۔

یہ سانولے بدن والی نجمہ----!

پنجاب کے ایک پسماندہ دیہات کی رہنے والی بی۔ اے پاس استانی۔ جس نے ایک "سیاسی دعوت" میں سجاول خان کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی محبوبہ اور اب "بزنس پارٹنر" بننے لگی تھی۔

ایک داؤ اگر سجاول خان اسے بتاتا تو دس داؤ وہ سجاول خان کو سکھا دیتی تھی۔

اس کے اعتماد اور بے خوفی کو دیکھ کر کبھی کبھی تو سجاول خان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ یہ عورت اس میدان کی کوئی پرانی کھلاڑی ہے---- اس نے نوواردوں کی طرح کبھی ڈگمگانا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔

لیکن----!

آج زندگی میں شاید پہلی مرتبہ وہ گھبرائی تھی۔

اس کا اعتماد پہلی مرتبہ ڈگمگایا تھا۔

اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ آج تک اس نے جرائم کی دنیا کا سفر بڑے اعتماد سے کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر طے کیا تھا۔

پیسہ' سفارش' ناز و ادا' رعب داب وہ ہر ہتھیار کا بہترین استعمال جانتی تھی۔ اپنے راستے میں آنے والی ہر دیوار کو اس نے پائے حقارت سے ٹھوکر مار کر گرایا تھا۔

لیکن----!

آج جب اس علم ہوا کہ ارسلان کو انٹیلی جنس والے اغوا کر کے لے گئے تھے اور انہوں نے اس پر تشدد کر کے نجمہ بیگم سے متعلق کوئی بات اگلوانے کی کوشش کی ہے تو زندگی میں پہلی بار اس نے سنجیدگی سے حالات کی سنگینی کا ادراک کیا تھا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ اسے احساس ہوا تھا کہ اس ملک میں "ان فیئر مینز" ہر مرحلے پر کامیابی نہیں دلاتے۔ کبھی شکست بھی مقدر بن جاتی ہے---- کبھی کبھی تمام ذرائع رکھنے کے باوجود' بہترین اثر و رسوخ کے مالک بھی قابو آ جاتے ہیں۔ شاید یہی مکافاتِ عمل ہے----!

کیا وہ مکافاتِ عمل کا شکار تو نہیں ہونے جا رہی؟

اس نے سوچا اور لرز کر رہ گئی۔

اچانک ہی کچھ سوچ کر اس نے سجاول خان کو فون کیا تھا۔ یہ سجاول خان کا خصوصی نمبر تھا جس کا علم شاید نجمہ کے علاوہ بہت کم لوگوں کو رہا ہو گا۔

"کیا بات ہے کچھ پریشان لگ رہی ہو؟" سجاول خان نے فون پر ہی اس کے تیور پہچاننے کا دعویٰ کر دیا۔

"ایک ضروری بات تھی----!"

"شام کو "شالون" میں ملتے ہیں۔" سجاول خان محتاط آدمی تھا۔

"میں چھ بجے آؤں گی۔"

"او۔ کے!!" سلسلہ منقطع ہو گیا۔

○ ○ ○

ارسلان گہری نیند سو رہا تھا جب وہ گھر سے روانہ ہوئی۔ کار وہ خود ہی چلاتی ہوئی شالون ہوٹل آئی تھی۔ اس فائیو سٹار ہوٹل میں سجاول خان کے لیے ایک کمرہ مستقل بک رہتا تھا۔ کمرے میں سجاول خان پہلے ہی سے اس کا منتظر تھا۔

نجمہ بیگم کی سیاسی اور معاشرتی حیثیت کے پیش نظر یہ احتیاط لازم تھی ورنہ سجاول خان

نے خود سے متعلق کسی سکینڈل کی کبھی پروا نہیں کی تھی' لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ نجمہ بیگم کے ساتھ کسی سکینڈل کی خبر اخبارات تک پہنچے۔

ایسی کوئی بھی خبر اس کے بزنس اور خود اس کے لیے نقصان کا باعث ہو سکتی تھی۔ وہ عورت ملک کے ممتاز سیاستدان کی بیوی تھی جس کی آڑ میں اس نے ابھی لمبا شکار کھیلنا تھا۔

سجاول خان نے اس کی ساری بات بہت دھیان سے سنی۔ دو چار سوالات اس سے دریافت کیے پھر اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ نجمہ ہونٹوں سے کافی کی پیالی لگائے اس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اچانک ہی چلتے چلتے وہ رک گیا--- یہ اس کا خاص انداز تھا۔ جب اس نے کوئی اہم بات کہنی ہوتی تو اسی طرح چونکا دینے والے انداز میں کہا کرتا تھا۔

"تم نے اس کی بات سے یہ کیسے اندازہ کر لیا کہ تفتیش کرنے والوں کا اشارہ اسی طرف تھا؟ اگر ایسی بات تھی تو وہ براہ راست بھی یہ سوال کر سکتے تھے؟ اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ مخالف تنظیم کے ہی لوگ ہوں جنہوں نے بظاہر سیکورٹی والوں کا لبادہ اوڑھ کر اسے اغوا کیا ہو؟"

سجاول خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا۔

ایک لمحے کے لیے تو نجمہ بیگم چکرا کر ہی رہ گئی۔

یہ بھی تو ممکن تھا کہ ارسلان نے اسی کا داؤ اسی پر کھیلا ہو۔ اس انکشاف کے بعد کہ وہ اسے بلیک میل کرنے کی پوزیشن میں آ گئی ہے' ارسلان کی حالت یقیناً پنجرے میں بند اس شیر جیسی ہو گئی تھی جسے تازہ تازہ افریقہ کے کسی جنگل سے پابند سلاسل کر کے یہاں لایا گیا ہو۔

نجمہ بیگم کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ وقت سے پہلے "ہنٹر والی" بن گئی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ملک صاحب کے زیر سایہ ارسلان ایسے درجنوں نوجوانوں کی انانیت کب کی دم توڑ چکی تھی اور وہ اپنے منصب سے گر کر ملک صاحب کے بندۂ بے دام بن کر رہ گئے تھے لیکن شاید ابھی ارسلان میں غیرت کی رمق باقی تھی۔ اس نے نجمہ بیگم کی غلامی کو معمولی قبول نہیں کیا تھا' لیکن وہ بھی اب اپنے داؤ پر تھا---!

سجاول خان نے اسے کہا تھا کہ وہ ایک دو دن کے اندر اندر کس ایجنسی نے اغوا کیا ہو کیوں؟ کا جواب ڈھونڈ لے گا۔

"اور--- نجمہ ملک سمجھتی تھی کہ جو کچھ سجاول خان نے کہا ہے' وہ کچھ کرنے پر کافی قادر ہے۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے اور رسائی بہت دور تک تھی۔

لیکن--- اس بات کا اندازہ تب مسز ملک کو بھی نہ ہو سکا کہ اس مرتبہ معاملات اس کی رسائی سے بھی باہر ہیں۔

گھر آ کر اس نے اپنے چہرے سے کوئی غیر معمولی بات ظاہر نہیں ہونے دی۔ وہ گاڑی

ارسلان کے زیر استعمال رہتی تھی' گیراج میں کھڑی تھی۔ ارسلان کے ذریعے اسے معلوم ہوا کہ کاڑی مقامی تھانے میں موجود تھی۔ کاغذات چونکہ مسز نجمہ کے نام تھے اس لیے پولیس نے اس سے ہی رابطہ قائم کیا تھا اور کار سے قیمتی آلات نکالنے کے بعد یہ کہہ کر انہیں لوٹا دی کہ یہ کار نامعلوم مقام پر چھوڑ کر کوئی بھاگ گیا ہے۔

○ ○ ○

نجمہ بیگم کے بعد اب دوسری مسلسل چوٹ نے اسے تلملا کر رکھ دیا تھا۔

ایک لاوا سا انتقام کی طرح اس کے اندر دہکنے لگا تھا---!

اس نے آج پہلی مرتبہ سنجیدگی سے اپنے ماضی کا جائزہ لیا تھا اور اب ایک پچھتاوا اس کی جان کو آ گیا تھا۔

اس کا سب کچھ تو چھن گیا تھا--- اس کو تو اب تسلی دینے والا بھی کوئی نہیں رہا تھا۔

"میں انتقام لوں گا۔ نجمہ بیگم تم سے اور..... اور....."

نجانے وہ حالتِ جنون میں کیا کیا سوچتا رہا۔ جب نوکرانی نے اسے رات کا کھانا تیار ہونے کی اطلاع بہم پہنچائی۔

کھانے کی میز پر نجمہ بیگم اس کی منتظر تھی---!

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ ملک صاحب بہت پریشان ہو رہے تھے۔ انہوں نے تمہیں بتانا مناسب نہیں سمجھا۔" اس نے اپنی اور ملک صاحب کی تشویش ظاہر کی۔

"شکریہ!" ارسلان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

ایک طنزیہ سی مسکراہٹ خود بخود اس کے ہونٹوں پر آ گئی تھی۔

میں نے ڈاکٹر کو بلایا ہے۔ تھوڑی دیر میں آتا ہی ہو گا۔" اس نے بڑی ہمدردی کا مظاہرہ کیا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" ارسلان نے پلیٹ میں سالن انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اپنے اطمینان کے لیے میں نے ضروری سمجھا۔ خدانخواستہ کوئی گہری چوٹ نہ لگی ہو۔"

"بہت خیال رکھتی ہیں آپ میرا!" اس کے طنز کی کاٹ گہری تھی لیکن نجمہ مسکرا کر رہ گئی۔

"یہ میرا فرض ہے۔ تم اس کا جو بھی مطلب لو۔" اس نے مسکرا کر ارسلان کی طرف دیکھا۔

○ ○ ○

دونوں خاموشی سے کھانے میں مصروف رہے۔ اس دوران ماحول کی یکسانیت سے اکتا کر نجمہ بیگم نے اس کے ساتھ دوسرے موضوع پر بات شروع کر دی تھی۔ کھانا ختم ہو چکا تھا جب گھریلو ملازمہ نے ڈاکٹر کی آمد سے مطلع کیا۔ ارسلان کے نہ نہ کرنے کے باوجود مسز ملک نے ڈاکٹر کو اندر بلا لیا تھا۔ اس نے ارسلان کے جسم کا معائنہ کیا اور دو تین دوائیاں لکھ کر آرام کرنے کا مشورہ دے کر چلا گیا۔

"میرے خیال سے تم کچھ دن ملک سے باہر گزار آؤ' اس طرح اس حادثے کو بھلانے میں بھی مدد ملے گی۔ میرا مطلب ہے اس ڈپریشن سے تو نکلو---- اور ہاں مطمئن رہنا جن لوگوں نے بھی یہ زیادتی کی ہے۔ میں انہیں زمین کی ساتویں تہہ سے بھی نکال لوں گی۔ تم سے زیادتی کر کے کوئی اس ملک میں بچ نہیں سکتا---- ملک صاحب دارالحکومت گئے ہیں۔ آج دوپہر کی فلائٹ سے' کل رات کو ان کی واپسی ہو گی۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے اس معاملے کو۔"

ارسلان نے ایک مرتبہ نظریں اٹھا کر اس کے سپاٹ چہرے پر نظر ڈالی اور گردن جھکا لی۔

ایک بات کا اندازہ تو اسے ہو گیا تھا کہ اس نے نجمہ بیگم کو کچھ دیر ہی کے لیے سہی پریشان ضرور کیا تھا۔ شاید وہ اس سے زیادہ اپنے مستقبل کی فکر میں غلطاں تھی اور اب اسے کچھ دنوں کے لیے منظر سے ہٹانے کا سوچ رہی تھی۔

"یہ مدت طویل بھی تو ہو سکتی ہے مسٹر ارسلان۔" اس کی چھٹی حس نے ارسلان کے کان میں سرگوشی کی۔

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ دیکھ لوں گا۔ اب بھاگے ہیں تو دونوں کے ساتھ میدان ایک جیسا ہی ہو گا۔" اس نے اپنی مردانگی کو خود ہی للکارا۔

"آپ میرے متعلق یقیناً بہتر فیصلہ ہی فرمائیں گے۔" اس نے کہا۔

"تم لندن چلے جاؤ۔ ایک آدھ مہینہ گزار کر آ جانا۔" نجمہ ملک نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں دو تین روز گزار لوں۔ ابھی جسمانی حالت بھی کچھ زیادہ بہتر نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی میں تمہیں کوئی بھاگ جانے کا مشورہ تو نہیں دے رہی۔ جب دل چاہے چلے جانا۔ میں تو صرف چینج کی بات کر رہی ہوں۔" اس نے ارسلان کی گردن میں بازو حائل کر کے بچوں کی طرح اس کا گال تھپتھپایا۔

"شکریہ----!! میں ذرا باہر چکر لگا آؤں۔ تازہ ہوا بھی میری صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔"

اس کی اس بات پر نجمہ بیگم قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

○ ○ ○

پیدل چلتا ہوا وہ گھر سے باہر مارکیٹ تک آیا تھا۔

اس دوران اس نے دل ہی دل میں عزم کر لیا تھا کہ اگر وہ گناہ کی اس دلدل میں پھنس ہی گیا ہے تو اسے خود کو اتنا مضبوط اور طاقتور بنانا ہے کہ وہ بھی سہرائے اور اثر و رسوخ کے بل بوتے پر ان مگرمچھوں سے ٹکرا سکے۔ میں "پاندی" ہی کیوں بنوں؟ اگر پھیرا لگانا ہی ہے تو ملازم بن کر کیوں مالک بن کر کیوں نہ لگاؤں۔ خطرہ تو دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہی ہو گا۔ گرفتاری کی صورت میں اسے یہ کہنے پر کہ وہ اپنا نہیں کسی اور کا "مال" لے کر جا رہا ہے' کم سزا تو نہیں ملے گی۔ قانون کی نظروں میں تو وہ مجرم ہی ہو گا۔ خواہ مال اس کا ہو یا نجمہ بیگم کا----!

لیکن----!

نجمہ بیگم کا کیوں اس کا اپنا ہی کیوں نہیں----- وہ خود سجاول خان کیوں نہ بنے۔ سب اپنے قدموں میں کیوں نہ جھکائے۔ اگر بے ایمانی کا پیسہ ہی کسی کے اعلیٰ نسب' بڑے اور معزز ہونے کا معیار ہے تو وہ خود سب سے بڑا بے ایمان کیوں نہ بن جائے۔ واہ ملک ارسلان! واہ ارسلان جٹ! ونڈر فل---- شاباش۔ اب آئے نہ بچو سیدھی راہ پر۔" اس نے دل ہی دل میں اس شاندار فیصلے پر خود کو داد دی۔

اب اسے اپنے لیے فی الوقت کچھ مصنوعی سہارے درکار تھے۔ ان بیساکھیوں کے بل بوتے پر ہی وہ اپنے مستقبل کی مضبوط بنیادیں استوار کرنے چلا تھا۔

○ ○ ○

مارکیٹ سے ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ سیدھا مختاراں بائی کے کوٹھے پر پہنچا تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں جو منصوبہ تیار کیا تھا اس میں مختاراں اور اس کی بیٹی کی ضرورت قدم قدم پر پیش آتی۔ تو کہ اس کے ذریعے مختاراں نے گہری چوٹ کھائی تھی لیکن وہ کنجروں کی نفسیات سمجھنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ پیسے کے لوگ ہیں اور اب اس نے پیسہ لگا کر کمانا شروع کر دیا تھا۔

اتنے عرصے بعد اسے اچانک یہاں دیکھ کر مختاراں بائی کا چونکنا فطری بات تھی۔ "سلام ارسلان! آج کیسے ادھر کا راستہ بھول گئے۔" اس کے لہجے میں طنز اور شکوہ عیاں تھا۔

"بی بی! ہم کچی یاری نہیں لگاتے۔ تمہارے نقصان کی فکر میں دبلا ہو رہا ہوں اور پتا لینا اگر ایک کے دس کر کے واپس نہ لوٹائے تو۔۔۔۔!" وہ سیدھا خاص کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

مختاراں بائی شاید عام حالات میں اس کا وجود برداشت نہ کرتی' لیکن آج کل جس مخمصے کا شکار وہ ہو رہی تھی اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتی تھی۔ اس بازار کا بھی عجیب دستور تھا' ہر ایک مرتبہ جس کی شہرت خراب ہو جاتی' اس کا بھاؤ گرتا ہی چلا جاتا۔

اور اسی بھیانک روایت کا شکار ہوئی تھی مختاراں بائی اور اس کی بیٹی۔ شریفاں کا اٹھایا ہوا طوفان کہنے کو تو گزر گیا تھا' لیکن اس کی تباہ کاریاں اپنے مکمل وجود کے ساتھ یہاں موجود تھیں۔ اس بازار کے مستقل آنے والے تھے ہی کتنے۔ جب سے بخی شروع ہوئی تھی فصلی بٹیرے تو تھے ہی اڑ گئے تھے اور اب تو کوئی بڑے دل گردے کا مالک تماش بین ہی ادھر کا رخ کرتا تھا یا پھر اٹھائی گیرے جو کبھی لمبا ہاتھ لگنے پر اس طرف آ جاتے تھے۔ پہلی قسم کے لوگ تو مختاراں بائی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ شریفاں اور اس کی لڑکیوں نے پولیس سے اپنی درگت تو بنوا لی تھی لیکن مختاراں کے لیے ایسے کانٹے بچ دیئے تھے کہ اب وہ نازنین کے ذریعے کبھی ڈھنگ کی فصل نہیں کاٹ سکتی تھی۔

اب تو ڈیرے کے نوکروں نے بھی ایک ایک کر کے منہ موڑنا شروع کر دیا تھا۔ ان حالات میں ارسلان کی دوبارہ آمد ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح تھی۔۔

"یہ پانچ ہزار رکھ لو۔ بھتی لیے بانٹنے کا جرمانہ بھی تو دینا ہی پڑتا ہے ناں۔۔۔۔ نازنین کہاں گئی؟" ارسلان کی آواز مختاراں کے کانوں میں رس گھول گئی۔ عین ان لمحات میں اپنے مختاراں بائی "نہ نہ" کرتے ہوئے نوٹ تھام رہی تھی' نازنین کمرے میں داخل ہوئی۔

بازار ہی میں وہ کسی تقریب پر گئی ہوئی تھی۔ ارسلان کو۔۔۔۔ وہاں دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ اپنی ماں کو اس کے ساتھ شیر و شکر ہوتے دیکھ کر اس نے ارسلان کے تئیں اپنا رویہ بدل لیا اور حسب سابق بڑے ناز و ادا سے اس کا استقبال کیا۔

ارسلان کی آمد کی خوشی میں مختاراں نے استادوں کو انعام دے کر رخصت کر دیا تھا۔ یوں بھی آج سارے دن کی مصروفیت نے نازنین کو تھکا دیا تھا۔

رات دیر گئے تک تینوں باتیں کرتے رہے۔ پھر مختاراں بائی ارسلان اور نازنین کو تنہا کھیلتے چھوڑ کر چلی گئی۔

علی الصبح نازنین کی تھکن خاصی اتر گئی تو ارسلان اسے شیشے میں اتار کر اگلے ایک دو روز میں آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

○ ○ ○

صبح وہ ناشتے کی میز پر نجمہ بیگم سے پہلے موجود تھا۔ اس نے اپنا موڈ خاصا خوشگوار بنا لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وقت سے پہلے نجمہ بیگم کو ہوشیار ہونے کا موقعہ دے۔ ہر قدم اس نے پھونک پھونک کر اٹھانا تھا۔ اس نے ناشتے پر دوران گفتگو یہی ظاہر کیا تھا جیسے وہ ملک سے باہر جانے کے فیصلے پر بہت خوش ہے۔

"لیکن میری درخواست ہو گی اس مرتبہ مجھے باخبر رکھا جائے۔ میں دھوکے کا شکار نہیں ہونا چاہتا۔" اس نے نجمہ بیگم سے کہا۔

"نہیں! اس مرتبہ تم صرف انجوائے کرنے جا رہے ہو۔ صرف سیر کرنے۔" اس نے محبت عاوت بچوں کی طرح اس کا گال تھپتھپایا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا مسز ملک۔ میں خوفزدہ نہیں ہوں لیکن میں باخبر رہنا چاہتا ہوں اور دوسری بات کہ اس مرتبہ میں خود خواہش رکھتا ہوں کہ خالی ہاتھ نہ جاؤں۔ مسز ملک میں نے سنجیدگی سے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے اکاؤنٹس میں اضافہ کروں۔ زندگی بہت مہنگی ہو گئی ہے اور مزید مستقبل میں مجھے آپ ایسے محبت کرنے والوں کا تعاون بھی حاصل نہ رہے۔"

"آل رائیٹ! اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو اس کا احترام ہو گا مسٹر ارسلان۔" اس نے تمہارے سنجیدگی سے کہا۔

اب اسے حوصلے اور جرأت سے آگے بڑھنا تھا۔ مسز ملک نے اس کے ساتھ ہی دو تین ممالک کے ناموں پر بات کی اور اسے فی الحال آرام کرنے کا مشورہ دے کر چلی گئی۔

اس کی روانگی سے کچھ دیر بعد ہی ارسلان نے رضوی صاحب کو فون کیا۔

لیکن وہ حیران ہی رہ گیا جب اسے جواب ملا کہ اس نمبر پر کوئی مسٹر رضوی نہیں رہتے اور یہ تو کسی پرائیویٹ کمپنی کا نمبر ہے۔ اب اسے اس بات کی سمجھ بھی آ گئی تھی کہ اسے اغوا کرنے کے تشدد کا نشانہ کیوں بنایا گیا؟ شاید رضوی صاحب نے اس کے سر سے "دست شفقت" اٹھا لیا تھا یا پھر وہ اس کے کیس آفیسر نہیں رہے تھے اور ان کے تبادلے کے بعد نئے آنے والے نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

معاملہ کچھ بھی رہا ہو' ایک بات تو صاف ظاہر تھی کہ اب اس کے اور ایجنسی کے

درمیان رابطہ فی الوقت تو ختم ہو چکا ہے۔ یہ لوگ اسی طرح اچانک ہی تعلق قائم کرتے اور اچانک ہی غائب ہو جاتے تھے۔

عجیب انداز تھا کام کرنے کا۔

شاید اب ان لوگوں کو ارسلان کی ضرورت رہی بھی نہیں تھی یا پھر اس کی سیاسی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے اس سے پہلو تہی ہی مناسب جانی تھی۔

○ ○ ○

نتھو گجر نے اسے پہلی نظر ہی میں پہچان لیا تھا۔

"ہم جسے ایک مرتبہ مل لیں' اسے بھلاتے نہیں ہاؤ جی!" اس نے اپنی مونچھوں پر الٹا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت میں تمہارے پاس کسی حوالے سے نہیں آیا۔ صرف اپنے کام سے آیا ہوں۔ نتھو! یہ میری اور تمہاری "بزنس ڈیل" ہے۔ میری خواہش ہے کوئی تیسرا ہمارے درمیان نہ آئے۔ تم بیسیوں سے غرض رکھو اور میں مال سے۔ یوں بھی تم مال فروخت ہی کرتے ہو۔ یہی گارنٹی چاہیے ناں کہ گاہک اعتماد والا ہے یا نہیں۔ اس ضمن میں تم جیسے چاہو اپنی تسلی کر سکتے ہو۔"

ارسلان نے لگی لپٹی رکھے بغیر مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔ وہ نتھو گجر کو سال ڈیڑھ سال پہلے ملا تھا جب ایک مرتبہ ملک صاحب نے کسی جلسے میں ہنگامہ آرائی کے لیے اس کی خدمات حاصل کی تھیں اور ارسلان کو اس کے پاس بھیجا تھا۔ نتھو ہیروئن کا مقامی بے تاج بادشاہ کہلاتا تھا۔ ایک جہان جانتا تھا کہ وہ ہیروئن کا دھندا کرتا ہے' لیکن پولیس نہیں مانتی تھی کیونکہ پولیس کو اس کے خلاف "ثبوت" نہیں مل سکا تھا اور ہونہار اور قانون کا احترام کرنے والی پولیس کبھی کسی کے خلاف ثبوت حاصل کیے بغیر کارروائی نہیں کرتی تھی۔

ارسلان کو یہ علم تو نہیں تھا کہ اس کے بعد بھی ملک صاحب نے کبھی نتھو کی خدمات حاصل کی ہوں' لیکن وہ کم از کم اس سے دوبارہ نہیں ملا تھا۔ آج جب اچانک وہ گاہک کے روپ میں نتھو کے سامنے آیا تو چند لمحے کے لیے نتھو بھی سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اپنی انگارہ سی آنکھوں سے اس کے سراپا کا جائزہ لیا اور اسے دوسرے کمرے میں آنے کی ہدایت کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

جہاں ارسلان اس سے بات کر رہا تھا' وہ کلاشنکوف بردار اس کے دائیں بائیں موجود

تھے جنہوں نے مسلسل ارسلان پر نظر رکھی تھی۔ نتھو کے بغلی کمرے میں جاتے ہی انہوں نے ارسلان کے لیے راستہ چھوڑ دیا جو اس کے تعاقب میں اندر داخل ہو گیا۔

"کیا چکر ہے؟ کوئی باہر کی پارٹی ہاتھ لگ گئی کیا؟" نتھو نے دوسرے کمرے میں جسے بہترین فرنیچر سے آراستہ کیا گیا تھا' ایک صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے اسے دوسرے صوفے پر سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"چکر تو ایسا ہے۔ پارٹی وہاں جا کر ڈھونڈوں گا۔" ارسلان نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"مشکل کام ہے بیٹا! وہاں کوئی ملک تمہاری پشت پر موجود نہیں ہو گا۔ نہ ہی ان ملکوں میں رشوت سے کام چلتا ہے۔ میرا مشورہ تو یہی ہے کہ اس چکر میں نہ ہی پڑو تو بہتر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ساری کے چکر میں آدھی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو۔" اس نے ارسلان کو ٹٹولنا چاہا۔

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کروں گا۔ مجھے صرف مال چاہیے۔"

"میں خطرات کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا برخوردار۔ اگر تم بضد ہو تو ٹھیک ہے بات کرو کتنا لو گے؟"

اور---!

دونوں میں معاملہ طے پا گیا۔ ارسلان نے رقم وہیں ادا کر دی اور "مال" اسے دوسرے ٹھکانے سے حاصل کرنے کی ہدایت مل گئی۔ دوپہر تک وہ مال سمیت گھر واپس پہنچ گیا تھا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اگلے دو تین روز اس نے مسز ملک کے ساتھ معمول کے مطابق گزارے۔ اس درمیان ملک صاحب واپس آ چکے تھے۔ انہوں نے ارسلان کے اغوا کو صوبائی حکومت کے کھاتے میں ڈال کر اسے محتاط رہنے کی تلقین کی تھی۔ اس کے اغوا کو مرکزی حکومت کے ہر قابل ذکر عہدے دار کے سامنے اپنے نمبر بنانے کے لیے اس ظلم کی کہانی بھی سنا دی تھی اور یہ باور کروا دیا تھا کہ وہ مرکزی لیگ کے ساتھ اپنی دوستی کی بھاری قیمت ادا کر رہے ہیں۔

ایک چھوٹے سے بیگ میں اپنا مال پیک کروانے کی خدمات بھی اسے اسی شہر میں میسر آ گئی تھیں۔ پیکنگ کرنے والے نے پیسے تو اچھے خاصے وصول کیے تھے اور ایک خصوصی بیگ تیار کر کے اس کے ہاتھ میں تھما دیا' لیکن ارسلان کے علم میں یہ بات لائی گئی تھی کہ اس استاد کے ہاتھوں کا تیار کردہ "تھیلا" آج تک نہیں پکڑا جا سکا۔ اس کے پاس یورپی کسٹمز کے ہر جوڑ کا توڑ پہلے سے موجود تھا۔ "حساس کیمروں" سے لے کر "کتوں" تک کی دست برد سے تھیلوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اس استاد کو جرم کی دنیا میں سیاستدان کی حیثیت سے مانا جاتا تھا۔

○ ○ ○

یہ بیگ بھی بڑی خاموشی سے اس نے اپنے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ اب اسے نجمہ بیگم کے بیگ کا انتظار تھا اور تیسرے روز ہی یہ انتظار بھی ختم ہو گیا۔

"تیاری کر لو۔ تم پرسوں رات کی فلائٹ سے جا رہے ہو۔ پہلے والے ایڈریس ہی پر جانا ہے۔"

"بائی دی وے۔ مسز ملک مجھے اس ٹرپ پر کتنا معاوضہ ملے گا؟"

اس کے اچانک سوال نے ایک مرتبہ تو مسز ملک کو بوکھلا ہی دیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ چونکی۔

"میں نے بڑی سلیس اردو میں بات کی ہے مسز ملک۔ اس میں سمجھ نہ آنے والی تو کوئی بات نہیں۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"اوہو! خاصے ہوشیار ہو گئے ہو ایک ہی چکر میں۔" اس نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر دیکھا۔ "خیریوں اچھی خبر ہے معاوضہ پہلے جتنا دو لاکھ۔"

"اور مال؟"

"وہ بھی پہلے جتنا۔"

"اس مرتبہ میں پانچ لاکھ لوں گا مسز ملک۔"

"ک کیا مطلب ہے تمہارا؟" دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" اس مرتبہ اس نے چلا کر بات کی تھی۔

"بالکل نہیں بلکہ میرا دماغ ٹھیک ہو گیا ہے۔ مسز ملک یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جس کاروبار میں آپ میری جان خطرے میں ڈال کر ایک کروڑ کا منافع ہو رہا ہو' اس سے مجھے صرف دو لاکھ ملیں۔ میں اب اتنا گدھا بھی نہیں ہوں۔"

"تم نشے میں ہو یا مذاق کر رہے ہو؟" نجمہ بیگم اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی اور وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں سیریس ہوں۔ یہ زندگی موت کا کھیل ہے۔ ممکن ہے آپ اسے مذاق سے زیادہ اہمیت نہ دیتی ہوں لیکن میرے لیے....."

"ارسلان اپنی اوقات میں رہو۔ زیادہ اونچا اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ تم نہیں جانتے کہ....." اس نے ارسلان کی بات کاٹ کر ہونٹ چباتے ہوئے کہا' لیکن اس کی بات مکمل

ہونے سے پہلے ارسلان نے کاٹ دی۔

"یہی مشورہ میں آپ کو دوں گا مسز ملک۔ اوقات تو میری بہرحال آپ سے زیادہ ہے۔ اگر آپ کا اشارہ خاندان کی طرف ہے تو!" اس نے چباڑ کھانے والے انداز سے جواب دیا۔

"مسز ملک بڑی گھاگ عورت تھی۔ بڑی زمانہ ساز عورت۔ وقت کے تیور پہچاننے والی۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ ارسلان اب گدھا بننے کو تیار نہیں ہو گا۔ اس کی تمام تر دھمکیوں اور خوف کے باوجود ارسلان اس کے سامنے ڈٹ گیا تھا اور ایسے بدکے ہوئے گھوڑے کو ایک مشاق سائیس کی طرح قابو کرنا تھا اسے----- یہاں سختی سے نہیں نرمی سے بات بنتی تھی۔ اگر اس نے ارسلان کو کوئی سزا بھی دینی تھی تو اس کا ابھی وقت نہیں تھا۔ مسز ملک نے فی الوقت جھک جانا ہی مناسب سمجھا' وہ ٹوٹنا نہیں چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن اتنے زیادہ نہیں تین لاکھ ہی مل سکتے ہیں۔"

"پانچ لاکھ سے کم نہیں مسز ملک" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"ضد نہ کرو ارسلان۔ میرا تمہارا تعلق مالک نوکر کا نہیں' ہم دوست بھی ہیں۔"

"بزنس اپنی جگہ مسز ملک اور دوستی اپنی جگہ۔" اس نے لوفروں کی طرح آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

تین چار منٹ کی سرکھپائی کے بعد نجمہ بیگم نے اندازہ لگایا کہ ارسلان اپنی بات پر اڑ گیا ہے اور اب پیچھے نہیں ہٹے گا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ اس نے پریشانی کے عالم میں یہ تیسرا مسلسل سگریٹ سلگایا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم بزنس مین بننے پر تل ہی گئے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہے۔" اس نے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔

"مسز ملک! میں آدھی پے منٹ ایڈوانس چاہوں گا۔ روانگی سے کم از کم چوبیس گھنٹے پہلے۔" اگلا حملہ پہلے سے بھی زیادہ زور دار تھا۔

"تم جانتے ہو اگر میں چاہوں تو ساری زندگی تمہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھجوا سکتی ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی نجمہ بیگم نے کہہ دیا۔ ضبط کا یارا نہیں رہا تھا۔

"جی ہاں' لیکن آپ نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ اگر آپ جیل میں نہ گئیں تو خدا کے فضل سے آپ کو اتنی نیک نامی ضرور مل جائے گی کہ پھر شاید گاؤں میں واپس ضرور جانا پڑے جہاں سے آپ نے اپنی اس ہنگامہ خیز زندگی کا آغاز کیا تھا۔ مسز ملک ڈوبتا ہوا آدمی بسا اوقات بڑے ماہر پیراک کو بھی اپنے ساتھ لے مرتا ہے۔ آپ مجھے انڈر ایسٹی میٹ کر رہی ہیں۔ ۔میں نے سٹوڈنٹس سیاست میں جھک نہیں ماری۔ جیسے ہی مجھ پر برا وقت آیا'

آپ کی تباہی کا آغاز ہو جائے گا۔ آپ کی کہانی مکمل تفصیلات کے ملک کے ہر قابل ذکر اخبار اور رسالے میں شائع ہو جائے گی اور میں مرتا مرتا بھی آپ کو مجرم ثابت کر دوں گا۔ نجمہ بیگم تم مت بھولیے کہ آپ نے ملک صاحب کو بھی بلیک میل کیا ہے۔ اس کھیل میں ایک طوائف کے رول کو نظرانداز نہ کیجئے۔ ایک ایسی طوائف جس کو آپ نے دھوکا دیا۔ خدا کا شکر کیجئے کہ میں نے معاملہ دبا رکھا ہے اور اس گھناؤنے کھیل میں آپ کے کردار کا اسے علم نہیں ورنہ وہ خاندانی طوائف ہے۔ آپ سے کہیں زیادہ داؤ پیچ جانتی ہے وہ' اور اسے اپنی عزت بے عزتی کا بھی کوئی خوف نہیں۔ آپ نے میرے ساتھ دو دو ہاتھ کیے ہیں۔ میری اور اپنی محبت کو جنگ میں آپ نے بدلا ہے اور مسز ملک آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی عرض کر دوں کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔"

ارسلان کی زبان سے نکلا ایک ایک لفظ سیسے کی طرح نجمہ بیگم کے کانوں سے دماغ میں اتر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے تم چیک لے لو۔" اس نے بڈھال ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں کیش۔ مجھے آج شام تک یا کل صبح تک کیش دیجئے۔"

○ ○ ○

مسز ملک کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب تک وہ پاگل کیوں نہیں ہوئی۔

اگلے روز ناشتے کی میز پر اس نے کیش ڈھائی لاکھ روپے ارسلان کو دے دیئے۔ اس کی نگاہ غلط انداز بریف کیس میں سجائے نوٹوں پر ڈالی اور شکریہ کہہ کر بریف کیس بند کر لیا۔

"گن لو' کہیں....."

"نہیں مسز ملک۔ اپنے دھندے میں بے ایمانی نہیں چلتی۔ اس کا نقصان فریقین کو ہوتا ہے فریق کو نہیں' یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔" اس نے نجمہ بیگم کی بات مکمل ہی نہ ہونے دی اور کیش اٹھا کر باہر آ گیا۔

کار میں وہ اپنے بینک کی طرف جا رہا تھا۔ بینک میں موجود خطیر رقم کا بڑا حصہ اس نے نکلوا لیا اور اب اس کا رخ ایک پراپرٹی ڈیلر کی دکان کی طرف تھا۔

"شیخ صاحب! آپ نے کل جس کوٹھی کی بات کی تھی' میں وہ خریدنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے اگلے روز اپنے اور شیخ صاحب کے درمیان ہونے والی گفتگو کے حوالے سے کہا۔

دو گھنٹے کے اندر کارروائی مکمل ہو چکی تھی اور چھ لاکھ کیش کی صورت شیخ صاحب کی تجوری میں منتقل ہو گئے تھے۔ کوٹھی کی چابی ارسلان کے پاس تھی۔ اس نے اپنے اس وکیل دوست کو جس کے ذریعے کاغذات مکمل ہوئے تھے' کچھ رقم اس ہدایت پر دی کہ اس کی لندن سے واپسی تک کوٹھی میں ضروریات زندگی کا سارا سامان سجا دے۔

خالی گھر کی حفاظت کے لیے چوکیدار اسے پراپرٹی ڈیلر کے توسط سے میسر آ گیا تھا۔ اب وہ اپنے منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل کرنے جا رہا تھا۔ وقت کم تھا اور کام زیادہ۔ ابھی تک سب کچھ اس کی پلاننگ کے مطابق چل رہا تھا۔ اپنے وکیل دوست کے ذریعے اس نے اپنی موت کی صورت میں جائیداد اپنی بہن اور ماں کے منتقل کرنے کی وصیت بھی تیار کر کے اسے تھما دی تھی۔

○ ○ ○

اس مرتبہ وہ غیرملکی ایئرلائن سے سفر کر رہا تھا۔

حسب سابق مسز ملک اسے ہوائی اڈے پر رخصت کرنے آئی تھی۔ اس مرتبہ بھی کسی نے اس کے سامان کو کھولنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ اس کا سامان تھا ہی کتنا۔ دو بیگ جن میں ضرورت کے کپڑے اور رسالے اخبارات کے علاوہ مٹھائی موجود تھی جو وہ لندن میں موجود اپنے دوستوں کے لیے لے جا رہا تھا۔

وہ بڑا پراعتماد سفر کر رہا تھا۔ مسز ملک سے انتقام کی دھن نے اس کے ذہن سے سارا خوف نکال کر باہر پھینک دیا تھا اور وہ اطمینان سے آنے والے وقت کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

اس مرتبہ اس نے گرین چینل کے بجائے "ریڈ چینل" اختیار کیا تھا۔ تلاشی کے کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے اپنا بیگ کھولا اور مٹھائی کا بڑا ڈبہ نکال کر نوجوان کسٹم آفیسر خاتون کے سامنے رکھ دیا۔

"محترم خاتون! میں دوسری دفعہ لندن آیا ہوں' لیکن مجھے علم نہیں کہ یہاں کھانے کی اشیاء لانے کی اجازت ہے یا نہیں۔ میں بزنس مین ہوں۔ مقامی دوست بضد تھے کہ ان کے لیے اپنے شہر کی مٹھائی ضرور لاؤں۔ میں نے سنا ہے کہ اکثر لوگ مٹھائی لے آتے ہیں' لیکن اپنے اطمینان کے لیے اسے ڈکلیئر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

کسٹم آفیسر خاتون جو شاید حال ہی میں اس سروس میں آئی تھی۔ اس کا پاسپورٹ کھول کر اندراج چیک کیے۔ مٹھائی کا ڈبہ کھول کر دیکھا۔ اسے ایک مشین سے گزار کر اسے واپس کر دیا۔

"اور تو کچھ نہیں ڈکلیئر "کرنے والا؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"تھینک یو فار دس کمپلیمنٹ۔" ارسلان نے کہا اور مضائی دوبارہ بیگ میں ڈال کر ہائی کہہ کر اپنا راستہ ناپا۔

لاؤنج میں اس مرتبہ کیرن کی بجائے ایک سیاہ فام اس کے نام کی تختی تھامے کھڑا تھا۔

"خیریت رہی جناب؟ آپ نے دیر لگا دی!" مائیکل نے تعارف ہونے کے بعد کار کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ سیاہ فام نے اپنا تعارف مائیکل کے نام سے کروایا تھا۔

"میں ذرا سو گیا تھا۔" ارسلان نے کہہ کر قہقہہ لگایا۔

سیاہ فام کا قہقہہ اس سے بلند تھا۔

خلاف توقع یہ شخص بڑا دلچسپ ثابت ہوا۔ دونوں خاصی بے تکلفی سے باتیں کرتے آ رہے تھے۔ لیوٹن پہنچنے تک مائیکل اس کا گہرا دوست بن چکا تھا۔ اس کی عمر ارسلان سے کم نہیں تو زیادہ بھی نہیں تھی۔ اس نے ارسلان کی خواہش پر اپنا رابطہ نمبر بھی اسے دے دیا تھا' لیکن اس درخواست کے ساتھ کہ اس کا علم مسٹر مارٹن کو نہ ہونے پائے۔

کیرن ایک مرتبہ پھر اس کے استقبال کو کھڑی تھی۔ اس نے حسب سابق ارسلان کا استقبال بڑی گرمجوشی سے کیا اور اس نے گرمجوشی کا مظاہرہ اس وقت تک جاری رکھا جب تک وہ نڈھال ہو کر پلنگ پر ڈھیر نہیں ہو گیا۔ اس نے ہینگرو نہ جانے پر معذرت کی تھی کیونکہ وہ ضرور کام کے سلسلے میں کہیں اور گئی تھی۔

مارٹن کی آمد رات دیر گئے ہوئی۔ دونوں ایک انڈین ریسٹورینٹ سے کھانا کھا کر واپس آئے تھے جب مارٹن وہاں پہنچا۔

تینوں باتیں ہی کر رہے تھے جب اچانک ارسلان کو یاد آ گیا۔ ان سے معذرت کرتے ہوئے اس نے اپنے شہر میں نجمہ ملک کا نمبر ملایا تو مسز ملک کی بوجھل آواز سنائی دی۔ شاید وہ ابھی سو کر اٹھی تھی کیونکہ اس وقت وہاں صبح کے چھ سات بجے تھے اور ارسلان جانتا تھا کہ مسز ملک کو دیگر بیگمات کے برعکس صبح جلدی اٹھنے کی عادت ہے۔

اس کی ایک یہی پرانی عادت تھی جو اس نے نہیں چھوڑی ورنہ تو اس نے اپنے ماضی کے سارے حوالے ختم کر دیئے تھے۔

"ہیلو!" اس نے گلا کھنگارتے ہوئے کہا۔

"مسز ملک آپ کا مال پہنچ گیا ہے۔ مجھے باقی پے منٹ یہاں چاہیے۔" اس نے چھٹتے ہی کہا۔

"تمہیں کس نے باقی پے منٹ دینے سے انکار کیا ہے۔ سلیم صاحب کل تمہیں ملیں گے'

وہ باقی ادائیگی کر دیں گے۔ ایسی بے ہودہ بات کے لیے ہی کیا تو نے فون کیا تھا؟" مسز ملک نے غیب سے لہجے میں کہا۔

"نہیں نجمہ بیگم صاحبہ۔ میں تو آپ کو ایک زبردست "سرپرائز" دینے جا رہا ہوں۔ آپ ہی نے کہا تھا کہ انسان گرنے پر آئے تو پھر گرتا ہی چلا جاتا ہے۔ مسز ملک جنگ کا آغاز تم نے کیا ہے' اسے انجام تک میں پہنچاؤں گا۔" جانے اس کے اندر نفرت کا لاوا کب سے پک رہا تھا۔

○ ○ ○

مارٹن نے ابھی تک اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ صرف یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ سلیم صاحب کل اس سے کسی بھی وقت ملیں گے۔ وہ گھر پر ہی موجود رہے۔ رات اس بنگلے میں کیرن اور ارسلان نے اکیلے گزاری تھی۔ ساری رات وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ اس نے بہت بڑا جوا کھیلنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا جوا بھی ہو سکتا تھا' لیکن اب وہ اس کھیل کو ختم کرنے پر تل گیا تھا۔

جانے کس برے وقت نجمہ بیگم نے اس کی انانیت پر اتنا گہرا گھاؤ لگا دیا تھا۔ صبح ناشتے کے بعد کیرن شاپنگ کرنے بازار چلی گئی اور وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔

اس نے سجاول خان اور نجمہ بیگم کو ایک دوسرے سے ٹکرا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کھیل میں اس کی جان بھی جا سکتی تھی' لیکن اب اسے اپنی جان کی پروا تھی ہی کب!

دوپہر کے بعد سلیم خان بھی آ گیا۔

سجاول کی سلیم کے روپ میں یہ دوسری ملاقات تھی۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے ارسلان سے مصافحہ کیا اور اسے ایک اور کامیاب پھیرا لگانے پر مبارک باد دی۔

ارسلان دل ہی دل میں اس کی بیداری سے بہت متاثر تھا۔ اتنا رسوائے زمانہ شخص جس کی تلاش دنیا بھر کی پولیس کو تھی' یہاں کتنے اطمینان سے بھرپور بدلے بیٹھا تھا۔

"کیا بات ہے بھئی مسز ملک کو آپ سے شکایت کیوں رہنے لگی ہے؟ کیا معاملہ ہے شاید ہم کوئی مدد کر سکیں۔" اس نے اچانک ہی ارسلان کو مخاطب کیا۔

اس کا مطلب تھا کہ مسز ملک نے اس سے بات کر دی ہے۔ اس نے سوچا اور پھر تیار ہو کر بیٹھ گیا۔

"ان کی ناراضی بالکل بیجا ہے سلیم صاحب۔ اصل میں یہ اصول کی بات ہے اور اصولوں پر اختلاف ہو جایا کرتے ہیں۔ میں خود چاہتا تھا کہ آپ سے بات کروں' لیکن اس سے

پہلے آپ نے چونکہ خود ہی اس طرف اشارہ فرما دیا تو مجھے حوصلہ ہوا ورنہ آپ جیسے بڑے آدمی سے تو بات کرنے کی ہمت مجھ میں پیدا نہیں ہو رہی تھی۔"

سجاول خان ٹکٹکی باندھے بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ شاید وہاں کچھ تلاش کر رہا تھا' لیکن ارسلان بھی کمال کا اداکار تھا۔ کیا مجال جو اس کی آنکھوں یا چہرے کے تاثرات سے سجاول خان کو کچھ بھی انداز ہو سکتا۔

بڑے ڈرامائی انداز میں اچانک ارسلان اپنی جگہ سے اٹھا اور ملحقہ کمرے سے دوسرا بیگ اٹھا لایا۔ اس نے بیگ سجاول خان کے سامنے رکھ دیا۔

"کیا ہے یہ؟" سجاول خان کو الجھن سی ہونے لگی۔

"میرے اور مسز ملک کے درمیان نارمانگی کا سب سے بڑا سبب۔ سلیم صاحب میں آپ کو جانتا ہوں اور مجھے نجمہ کی حیثیت کا بھی علم ہے۔ ایسی جانے کتنی عورتیں آپ کے تلوے چاٹتی ہوں گی۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ اتنی خطیر رقم آپ کے سبب دیکھی تھی۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ جب آپ ایمانداری سے مجھے میرا حق دے رہے ہیں تو میں آپ کے ساتھ بے ایمانی کیوں کروں۔ جب مسز ملک نے مجھے یہ بیگ دیا تو میری چھٹی حس نے کہا جیسے وہ مجھے آپ کو بے خبر رکھ کر استعمال کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اپنے اس عندیے کا اظہار اس کے سامنے کیا تو اس نے صاف بتا دیا کہ واقعی یہ اس کا مال ہے اور اس ڈیل سے آپ کا تعلق نہیں۔ اس نے مجھے کہا۔ ارسلان! میں سجاول کی پارٹنر ہوں' کوئی غلام نہیں۔ وہ دراصل مجھے قربانی کا بکرا بنا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتی ہے۔ اس نے مجھے یہ بیگ دے کر کہا کہ اس مال کی فروخت کے لیے میں گاہک خود تلاش کروں اور سجاول خان سے ہمدم، کہ ہم اپنا کام شروع کر دیں گے۔ جب میں نے انکار کیا تو اس نے میری فرینکفرٹ پر کھینچی تصاویر دکھا کر مجھے بلیک میل کرنے کی دھمکی دی اور کہا کہ اگر میں نے اس کا حکم نہ مانا تو ساری زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزاروں گا۔

سلیم صاحب! میری جان تو عذاب میں پھنس گئی۔ دولت کس کو بری لگتی ہے' لیکن میں جانتا ہوں کہ آخر آپ جیسے شخص کو یہ عورت کب تک دھوکہ دے سکتی ہے۔ جب بھی بات آپ کے علم میں آئی' وہ درمیان سے آرام سے نکل جاتی اور میں غریب خواہ مخواہ مارا جاتا۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ کو بہرحال یہ بات بتا دوں گا۔ آج رات جب میں نے مسز ملک کو فون کیا تو اس نے مجھے تنبیہہ کی کہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں ہونا چاہیے' جس پر میں نے بھی سخت بات کہہ دی۔ اب خدا جانے میرا یہ عمل صحیح ہے یا غلط۔ میرے لیے تو بہرحال دونوں صورتوں میں موت ہی ہے' لیکن میں اتنا بے وقوف نہیں کہ آپ کو دھوکا دینے کا تصور بھی کر سکوں۔ شاید میرے سچ بتا دینے سے آپ میرے متعلق بہتر رائے قائم کریں۔"

ارسلان نے بالآخر اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلا کر تقدیر پر چھوڑ دیا۔ سجاول خان نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے سگریٹ سلگایا اور اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں مبتلا تھا۔ شاید کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ نجمہ ملک سے اس کی جذباتی اور جسمانی وابستگی تھی لیکن اسے اپنا بزنس سب سے بڑھ کر عزیز تھا' جس کے بل بوتے پر وہ اپنے ملک کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا تھا۔ یہ عورت تو اس کی توقع سے بھی بڑھ کر مکار اور ہوشیار ثابت ہوئی تھی۔ اس نے تو اسمگلنگ کو بھی سیاست ہی سمجھ لیا تھا۔

اپنے خیالوں کے مطابق اچانک ہی وہ چلتے چلتے رک گیا اور گردن گھما کر ارسلان سے مخاطب ہوا۔

"چند روز پہلے تمہیں کس نے اغوا کیا تھا؟ کیوں اغوا کیا تھا؟"

ایک کوندا سا اس کے ذہن میں لپکا اور اس نے ایک لمحہ تردد کیے بغیر کہا۔

"خان صاحب یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ میں نے پچھلے چار پانچ سال میں سوائے اپنے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے اور ڈھنگ کا کوئی کام کیا نہیں۔ جانے مخالف طلباء تنظیم کے لوگ کب سے اس موقعے کے منتظر تھے۔ اس روز مجھے اکیلے پا کر انہوں نے قابو کر لیا اور میرے ساتھ وہی کیا جو ایک دشمن اپنے دشمن کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اپنی دانست میں تو انہوں نے مجھے مار ہی ڈالا تھا۔ رات کو شاید کچرہ باغ میں پھینک گئے تھے جہاں سے اٹھ کر میں پھر گھر چلا آیا' لیکن آپ یہ بات کیوں پوچھ رہے ہیں؟ میں نے اس حادثے کی خبر اخبارات کو نہیں دی۔ میں تو سٹوڈنٹس پالیٹکس سے علیحدگی اختیار کر چکا ہوں۔ آپ جانتے ہیں جناب اس میں سوائے ذلالت کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ مجھے ملک صاحب کا آلہ کار بن کر جینا بھی پسند نہیں۔ جب خطرات کو سینے سے لگایا ہے تو پھر میں اپنی مرضی کی زندگی کیوں نہ جیوں۔"

اس نے اپنی چرب زبانی کا زبردست مظاہرہ کر کے سجاول خان جیسے بڑے بین الاقوامی سمگلر کو بھی گڑبڑا کر رکھ دیا تھا اور وہ بھی چکرا کر رہ گیا تھا۔

سجاول خان سوچ رہا تھا کہ نجمہ نے اس کے ساتھ کتنا دھوکہ کیا۔ پہلے اسے بے وقوف بنانے کے لیے ارسلان کے سیکورٹی کے ہاتھوں اغوا کی کہانی گھڑ دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ سیکورٹی والے اس سے مار مار کر نجمہ بیگم کے دوسرے بزنس کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس نے اپنے ذرائع سے ہر ممکن طریقے سے پتہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ ارسلان کو کس نے اغوا کیا اور اس کے ذرائع نے اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ اسے کسی سرکاری ایجنسی نے اغوا نہیں کیا اور اگر وہ ارسلان کو اغوا کرتے بھی تو ایک رات ہی اپنے پاس رکھ کر واپس کر دیتے؟

اس کے ایک دو دوستوں نے اشارتاً" اسے کہا تھا کہ اس عورت سے بچ کر رہے کیونکہ یہ اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے کہ اپنے راستے میں آنے والی کسی بھی دیوار کو گرا دے گی۔ لیکن اس نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ سانولے بدن والی یہ عورت جو بلا کی سگریٹ نوش تھی' ایک دن اس پر بھی اپنا داؤ لگانے کی فکر کرے گی۔ اس نے زندگی میں کسی کو آدھے حصے کا پارٹنر نہیں بنایا تھا۔ وہ خود میدان کا شیر تھا اور ساری زندگی اس نے اکیلے ہی شکار کیا تھا۔ یہی اس کی کامیابی کا راز بھی تھا۔

○ ○ ○

جیسے جیسے سجاول خان ٹہل رہا تھا' ارسلان کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے حلق میں کانٹے اترنے لگے تھے جب اچانک سجاول خان نے رک کر دوسرے کمرے سے مارٹن کو آواز دی۔ اس نے میز پر رکھے بیگ کی طرف دیکھ کر مارٹن کو مخصوص اشارہ کیا اور اس نے گردن ہلا کر بیگ کو کھولنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نے پانچ تھیلیاں نکال کر میز پر رکھ دی تھیں اور اب ایک تھیلی کھول کر اس نے انگلی سے اس میں مواد کو چکھا۔ پھر باری باری پانچوں تھیلیوں کے مواد کو چکھ کر اثبات میں گردن ہلا دی۔

"فائن" کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"جاؤ!" اس نے مارٹن سے کہا اور وہ وفادار کتے کی طرح دم ہلا کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

سجاول نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سامان کی قیمت کا اندازہ لگایا اور اس کی طرف مخاطب ہوا۔

"اس نے کیا اندازہ لگایا تھا اس کی قیمت کا؟"

"مجھے صرف یہ کہا گیا تھا کہ گاہک بناؤ اور فی الوقت جو بھی قیمت ملے' وہ لے لوں۔" ارسلان نے سوچے بغیر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آج سے میری تمہاری دوستی پکی۔ بہادر اور ایماندار لوگوں کو اس وقت تک پسند کرتا ہوں جب تک وہ بے ایمان نہ بن جائیں۔ تم نے اگر خوفزدہ ہو کر بھی سچ بولا ہے تو بھی تمہارے سچ کی قدر کرتا ہوں۔ فی الوقت تم اسے کسی بات کی ہوا نہ لگنے دینا۔ اسے یہی ادا کروانا کہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہوا ہے۔ اس بات کا پتہ لگانا تمہارا کام ہے کہ وہ اپنے ملک میں وہ مال کس سے لیتی ہے۔ اسے قابو رکھو۔ جیسے وہ کہے کرتے رہنا۔ اس سے

فرینکفرٹ میں تصاویر بھی مجھے لاعلم رکھ کر اتروائیں ہیں۔ میں اتنا گھٹیا انسان نہیں کہ اپنے جاں نثاروں کی بلیک میلنگ شروع کر دوں۔ میرے لیے کوئی خطرے کا باعث نہیں بن سکتا کیونکہ میں نے کبھی کسی کو بزنس پارٹنر نہیں بنایا۔ تمہیں تمہاری توقع سے بڑھ کر ادائیگی ہو گی۔ اس دنیا میں ہر کسی کو ترقی کرنے کا' آگے بڑھنے کا حق ہے' لیکن مجھے کچل کر میرا ہی کوئی کارندہ آگے بڑھے' یہ میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ میں خود تمہارا یہ مال سیل کروا رہا ہوں۔ تمہیں باقاعدہ اور الگ پارٹی کی حیثیت سے ملواؤں گا۔ گو کہ وہ میرے ہی لوگ ہیں' لیکن تم مجھ کو یہی باور کرانا کہ تم نے اس کے لیے الگ سے گاہک بنایا ہے۔"

"شکریہ جناب! آپ نے مجھے اس قابل جانا۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں بھی زندگی کو اپنی مرضی سے بسر کرنا چاہتا ہوں' لیکن آپ کو دھوکہ دے کر نہیں۔ ممکن ہے مجھ یکم کی اس اوچھی حرکت نے کہ وہ مجھے بلیک میل کر کے اپنا بندہ بے دام بنانا چاہتی ہے' مجھے جذباتی کر دیا ہو اور اس سچ کے پیچھے میرے انتقام کا جذبہ بھی کار فرما رہا ہو' لیکن یہ بات نہ بھی ہوتی تو بھی میں آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا خطرہ کبھی مول نہ لیتا۔" اس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔

"انجوائے یور سیلف----! پھر ملاقات ہو گی۔ رقم یہاں یا وہاں جہاں بھی چاہو' وصول کر لینا۔ گڈ لک---- گڈ ڈے۔" کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

اس کی روانگی کے بمشکل تین چار منٹ بعد ہی مارٹن اندر آیا۔ اس نے میز پر بکھری تھیلیاں سلیقے سے بند کیں اور انہیں ایک بڑی تھیلی میں ڈال کر اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لیسٹر جا رہے تھے۔ لیسٹر کے ایک پرتکلف ہوٹل میں اس کی ملاقات ایک ایشیائی سے کروائی گئی جس نے اپنا نام بھٹی بتایا تھا' یہی ان کا نیا گاہک تھا۔ ساٹھ لاکھ میں اس نے مال اٹھا لیا تھا اور ادائیگی ارسلان نے اپنے ملک سے یعنی تھی۔ اس کو کسی غیر ملکی کرنسی کے نوٹ کا ایک ٹکڑا دے دیا گیا۔ یہ ٹکڑا اس کو اپنے ملک میں ایک شخص کو دکھا کر اس سے رقم وصول کرنی تھی۔ بھٹی نے اسے اپنا رابطہ نمبر اور آئندہ کے لیے کھلا مال خریدنے کی پیش کش کر دی تھی۔

ارسلان کے دل میں خوشی سے لڈو پھوٹ رہے تھے۔ فی الوقت تو معاملات اس کی مرضی کے مطابق ہی طے پا رہے تھے اور اسے امید تھی کہ آئندہ بھی وہ اسی طرح تیزی سے بھاگتا چلا جائے گا۔

ہوٹل سے باہر آ کر اس نے فون کارڈ حاصل کیا اور انٹرنیشنل بوتھ سے مسز ملک کو فون

کیا۔ "مجھے بے حد افسوس ہے مسز ملک کہ آپ نے میرے معمولی مذاق کا اتنا برا منایا۔ میں نے جس "سرپرائز" کا ذکر کیا تھا اس کی تفصیلات جان کر آپ میرا منہ چوم لیں گی' لیکن میں فون پر کچھ نہیں بتاؤں گا۔ باقی بات آنے پر ہی ہو گی۔ اس وقت تو میں نے آپ کی ناراضگی ختم کرنے کے لیے فون کیا تھا۔"

اس سے پہلے کہ مسز ملک کچھ کہے' اس نے اپنی صفائی پیش کر کے اسے مطمئن کر دیا۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی تمہیں آج کل ہو کیا گیا ہے۔ خیر کوئی جلدی نہیں جب دل بھر جائے تب اطمینان سے آنا۔"

"شکریہ! امید ہے کہ آپ ناراض نہیں ہوں گی۔ خدا حافظ۔"

آٹھ دس روز تک اس نے دیار فرنگ کے مزے لوٹے۔ پھر وطن لوٹ آیا۔ مسز ملک خلاف توقع اسے خود لینے ایئرپورٹ پر آئی تھی۔ وہ ارسلان کے منہ سے اس "سرپرائز" کی تفصیلات سننے کے لیے بے چین تھی جو وہ اسے دینے جا رہا تھا۔

○ ○ ○

گھر پہنچ کر اس نے چائے پی اور ڈرائنگ روم میں صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ مسز ملک کی بے چینی کا اظہار اس کی مسلسل سگریٹ نوشی سے ہو رہا تھا۔

"میں آپ کو زیادہ انتظار نہیں کراؤں گا مسز ملک! دراصل گزشتہ تین چار ماہ میں' میں نے زندگی کے اتنے سارے اور بھیانک روپ دیکھے ہیں کہ شاید ساری زندگی دوبارہ نہ دیکھ پاؤں۔ یہ تو آپ بھی تسلیم کریں گی بیگم نجمہ کہ انسان تجربے سے سیکھتا ہے۔ میں نے بھی سیکھا کہ اس ملک میں عزت' بڑائی اور منصب کا واحد معیار دولت ہے۔ جس کے پاس جتنی زیادہ دولت ہے' وہ اتنا ہی بڑا آدمی ہے۔ اپنی جان پر کھیل کر میں جو کام کر رہا ہوں' گو کہ اس کا معاوضہ مجھے اتنا زیادہ ملتا ہے جس کی توقع بھی میں نے زندگی میں کبھی نہیں کی تھی' لیکن میں سوچتا ہوں کہ جب بازار میں بیٹھ ہی گئے تو پھر گھونگھٹ کیسا------ مسز ملک! میں نے تو پچھلے پھیرے پر ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اگلی مرتبہ اپنے اور آپ کے لیے کوئی کارنامہ ضرور انجام دوں گا---- مسز ملک جب میں سجاول خان کا مال لے کر جاتا ہوں تو ہم دونوں اپنا سائیڈ بزنس آخر کیوں نہیں کر سکتے۔ اس کی آڑ میں ہی سہی اور اس پر اصولاً اسے کوئی اعتراض بھی نہیں ہو گا۔ حالانکہ یہ معاملہ کبھی اس کے علم میں نہیں آئے گا----! ٹھہریئے' ٹھہریئے۔"

اس نے نجمہ بیگم کو بے چینی سے کروٹ بدلتے دیکھ کر کہا۔

"میری پوری بات سننے کے بعد ہی آپ کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گی۔ مسز ملک! میں اپنے ساتھ ہیروئن کی تھوڑی سی مقدار الگ سے بھی لے گیا تھا---- اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ میں نے سجاول خان اور اس کے کارندوں کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی اور ایک پارٹی الگ سے نکری کر لی۔ مسز ملک دس ہزار روپے کے دس لاکھ---- آدھے آپ کے' آدھے میرے۔ یوں کہ میں آپ سے پارٹنرشپ کے بغیر کوئی کام نہیں کروں گا۔ آپ کو غصہ تو آیا ہو گا جب اس مرتبہ میں نے آپ سے زندگی میں پہلی مرتبہ اس طرح پیسوں کی بات کی' دراصل وہ پیسے اب میری ضرورت تھے۔ آج میں ڈیل کر کے منافع کے ساتھ لوٹا ہوں۔"

اس نے ایک ہی سانس میں ساری باتیں کہہ کر نجمہ بیگم کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی تھی۔ ہوس کی ماری نجمہ بیگم کی آنکھوں پر ایسی پٹی بندھی تھی کہ اسے پھر ساون کے اندھے کی طرح ہر طرف ہرا ہی ہرا دکھائی دینے لگا۔

"لیکن ارسلان---- خطرہ بہت ہے۔ اگر کبھی سجاول کو علم ہو گیا تو وہ بڑا ظالم آدمی ہے۔" اس نے اتمام حجت کے لیے کہہ دیا۔

"چھوڑیئے نجمہ صاحبہ! اولاً" تو آپ کی زلفوں کے کسی اسیر کی جرأت ہی نہیں کہ آپ کی طرف آنکھ بھر کر بھی دیکھے۔ پھر اسے علم ہو گا ہی کیوں اور اگر ہوا بھی تو بے فکر رہیے۔ میں مرتا مر جاؤں گا' آپ کا نام کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔" اپنی بات کے خاتمے پر اس نے خاصی بے تکلفی کا مظاہرہ کر دیا تھا۔

"گدھے کہیں کے۔ یہ یورپ نہیں۔ خیال رکھا کرو۔" نجمہ بیگم نے آہستگی سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

چڑیا اس کی سکیم کے عین مطابق اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔

"اب میں دیکھوں گا کہ مسز ملک کہ کون کسے بلیک میل کرتا ہے۔" وہ دل ہی دل میں اترا دیا۔

○ ○ ○

صبح اس نے نجمہ ملک سے تفصیلاً" ساری بات کی تھی اور اسے بتایا تھا کہ اگر ایک دو کامیاب چکر بھی لگ گئے تو وہ دونوں ہی کروڑ پتی بن جائیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی۔ اس نے نجمہ بیگم کو باور کروانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اگر چاہے تو سجاول خان سے بڑا اپنا بزنس قائم کر سکتی ہے اور اپنے ملک ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں اپنے دفتر بھی کھول سکتی

ہے۔

نجمہ بیگم نے یوں تو ہر بات پر اثبات میں سر ہلایا تھا' لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتی رہی تھی کہ سجاول خان سے بچ کر رہنا۔

"سنر ملک ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کرنے جا رہے۔ کیا وہ بھی پہلے دن ہی ایسا تھا؟ اس نے بھی اپنا اسٹارٹ "پانڈی" کی حیثیت سے کیا تھا اور آج درجنوں لوگ اس کے لیے کام کر رہے ہیں۔

یہاں سے اٹھ کر وہ سیدھا مختاراں بائی کے ڈیرے پر آیا تھا۔ اس کے وکیل دوست نے کوٹھی کے فرنیچر اور ضروریات زندگی کے بیچ جانے کی اطلاع اسے پہنچا دی تھی۔ مختاراں کی آنکھیں باچھیں اسے دیکھتے ہی کھل گئیں۔ ماں بیٹی کے لیے وہ لندن سے جو تحائف لایا تھا' وہ ایک ایک کر کے اس نے دونوں کے سامنے رکھ دیئے۔ ماں بیٹی اس کی ہر ہر ادا پر قربان ہوئی جا رہی تھیں۔

"بی بی! ابھی اصلی چیز تو تم نے دیکھی ہی نہیں۔ آؤ میرے ساتھ----!" اس نے ماں بیٹی کو اشارہ کیا۔

"کہاں؟"

"ابھی بتاؤں گا نہیں۔ بس دیکھو گی تو یقین نہیں آئے گا۔"

حیران ماں بیٹی کو اس نے گاڑی میں بٹھایا اور سیدھا اپنی کوٹھی پر لے آیا۔ چوکیدار نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی دروازہ کھول دیا۔ مختاراں کی تو آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"ہائے ارسلان! یہ ہمیں کہاں لے آئے ہو؟" اس نے شاندار اور سامان نفیس سے سجائے ڈرائنگ روم کے قیمتی صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ بی بی ذرا صبر کرو۔ سارے دھوکے دھو دوں گا۔ بی بی! یہ میرا گھر ہے بلکہ میرا نہیں تمہارا---- ہاں یہ اب تمہارا گھر ہے----!"

مختاراں حیرت سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اس نے فلموں میں تو ایسا کچھ ہوتے دیکھا تھا' عملی زندگی میں بھی ایسا ممکن ہے؟ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"تم ذرا کچن میں جا کر چائے بناؤ۔ میں بی بی سے ضروری بات کر لوں۔" اس نے نازنین کو اشارہ کیا۔

اس کے ساتھ ہی مختاراں نے آنکھ دبا کر نازنین کو اٹھ جانے کی تلقین کی۔

"دیکھو بی بی! میں تم سے بہت دنوں سے بات کرنے کی سوچ رہا تھا۔" نازنین کے جانے

ہی اس نے مختاراں سے کہا۔ "لیکن میں ہوا میں باتیں کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ یوں بھی آدمی تجربے سے ہی سیکھتا ہے اور تم جانتی ہو کہ میرے ساتھ تصویروں والے معاملے میں کیا دھوکہ ہوا۔ خیر! اس کا ازالہ تو ہو جائے گا۔ فی الوقت میں نے تم سے یہی کہنا تھا کہ اب تم اپنا کوٹھا چھوڑ دو اور یہاں منتقل ہو جاؤ۔ دس ہزار روپے مہینے کا خرچ بندھا ملتا رہے گا۔ وہاں بازار میں مکان کرائے پر چڑھا دو----- مختاراں بائی! میرا پروگرام نازنین کو بہت اونچا لے جانے کا ہے۔ یوں بھی اب بازار میں تمہاری شہرت کچھ اچھی نہیں رہی اور حکومت نے اس کام پر جو سختی شروع کی ہے تو دیکھ لینا کہ اب کوئی ہمت والی ہی کوٹھا سجائے گی۔ میں نے نازنین کو اس گندگی سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کوٹھی اس کے نام لگا دوں گا اور ساری زندگی عیش کرے گی۔ آگے تمہاری مرضی۔ زبردستی کوئی نہیں' سوچ سمجھ لو۔ ایک طرف وہی بازار کی ذلالت اور دوسری طرف باعزت زندگی۔ یہاں دو تین نوکر رکھ لو اور عزت سے زندگی بسر کرو اور اس میں دھوکے والی بات بھی کوئی نہیں۔ بازار والا گھر تمہارے قبضے ہی میں رہے گا۔ کون سا بھاگا جا رہا ہے۔"

اس نے پوری تیاری اور ہوشیاری کے ساتھ سنہری جال اس بوڑھی مچھلی پر پھینک دیا اور مختاراں اس جال میں پھنس گئی۔ حالات نے ارسلان کو بڑا ماہر نفسیات بنا دیا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہاں مختاراں کا بزنس نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔ یوں بھی اب بازار صرف نام کا ہی بازار حسن رہ گیا تھا۔ رات بھر میں بمشکل دو گھنٹے بازار کھلتا تھا۔ اس درمیان پولیس کی اتنی نفری وہاں ہوتی تھی کہ عام آدمی تو وہاں جاتے ہوئے بھی خوف زدہ رہتا تھا۔ جیلوں بھانوں سے پولیس ہر طرح اس طرف آنے والوں کی حوصلہ شکنی کرتی تھی۔

یوں تو کسی قسمت والی بائی کے کوٹھے پر ہی اس دو گھنٹے کے وقفے میں کوئی گاہک آتا تھا۔ اگر کوئی آ ہی جاتا تو پولیس والے بھی اس کے تعاقب میں دھڑ دھڑ کرتے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے آتے۔ نئے ایس پی نے تو ان لوگوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ کوئی ایسا کوٹھا نہیں تھا جس پر شراب نوشی یا جسم فروشی کا مقدمہ نہ بنا ہو۔ کنجروں نے ہڑتال کر کے دیکھ لی تھی۔ رشوت اور اثر و رسوخ آزما لیا تھا۔ اپنے تمام ذرائع استعمال کر کے دیکھ لیے تھے---- سمجھدار بائیاں اپنے کوٹھے کرائے پر چڑھا کر شہر کی نئی آبادیوں میں رہن بسیرا کر رہی تھیں۔ اگر کوئی چوری چھپے جسم فروشی کا دھندہ کر رہی تھی تو اس کا گزارہ تو ممکن تھا' لیکن خاندانی طوائفوں پر برا وقت آیا تھا اور صرف ناچ گانے سے اب زندگی کی گاڑی کھینچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

یہ سارے حالات مختاراں بائی جیسی گھاگ اور زمانہ ساز طوائف کی نظروں سے اوجھل نہیں تھے اور نئے حالات میں اب وہ خاندانی تماش بین بھی کم ہی نظر آتے تھے جو اس کی

صاحبزادی کے گانے سے ہی دل بہلانے چلے آتے تھے۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ بازار کی سیانی بائیاں جیسے ہی کوئی کام کا گاہک ملتا' ماہوار پر اپنی بچیوں کو ان کے ہاں بٹھا رہی تھیں۔

ارسلان کی پیش کش شاندار تھی۔

اگر کوئی وسوسہ اس کے دل میں تھا تو وہ ماضی کے حوالے سے---- لیکن وہ بھی ارسلان نے ثابت کر دیا تھا اس نے جان بوجھ کر دھوکا نہیں دیا بلکہ وہ خود دھوکے میں مارا گیا۔ اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد ارسلان کی پیش کش قبول کر لی اور پانچ چھ روز میں اپنا بوریا بستر سمیٹ کر دونوں ماں بیٹی یہاں منتقل ہو گئیں۔ دو نوکر ان کی خدمت کے لیے موجود تھے۔ کوٹھا اچھے کرائے پر اٹھ گیا تھا۔ بازار والوں کو اس نے اپنے نئے ایڈریس سے ابھی آگاہ نہیں کیا تھا۔

اب ارسلان کے تھیلی کا دوسرا سین شروع ہونے والا تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت اب اپنے گھر ہی میں بسر کرتا تھا۔ ملازموں کے نزدیک ان کی حیثیت ایک خاندان کی سی تھی۔ یوں بھی یہ کوئی بہت زیادہ سمجھدار ملازم نہیں تھے کہ ان کی تحقیق کرتے پھرتے' وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔

○ ○ ○

لندن میں بھٹی کے پاس جو مال اس نے فروخت کیا تھا' وہ رقم اسے یہاں وصول ہو گئی تھی۔ جسے اس نے کمال ہوشیاری سے مختلف کمپنیوں میں سرمایہ کاری کی نذر کیا تھا۔ اب وہ بجا طور پر خود کو کروڑ پتی کہلا سکتا تھا۔

اس روز جب اس نے مسز ملک سے اگلے چکر کی بات کی تو جیسے بلی کے بھاگوں چھیکا ٹوٹا۔ مسز ملک کو ابھی تک مجاول خان کی طرف سے کوئی ایسا تاثر نہیں ملا تھا' جس سے وہ اندازہ کر سکتی کہ مجاول خان اس کے تئیں بدظن ہو گیا ہے۔

اس مرتبہ اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ ارسلان سے کہو تھوڑا انتظار کرے' لیکن اس اطلاع نے کہ وہ کسی دوسرے پاسپورٹ پر سفر کر رہا ہے' اسے مطمئن کر دیا تھا۔

"اور اپنے مال کی فکر بھی ابھی سے کیجئے۔" اس نے مسز ملک سے کہا۔

"ہاں۔ تم آج "شوکے" سے مل لو۔ سارا بندوبست وہ کر دے گا۔" مسز ملک نے جواب دیا۔

"اس مرتبہ دو بیگ تیار ہوں نجمہ صاحبہ!"

!"کیوں؟"

"ابھی آپ یہ بات نہ پوچھیں۔ صرف میرا کام دیکھیں۔ میں زیادہ عرصہ اس دھندے میں رہنا نہیں چاہتا۔ میں نہیں چاہتا کہ اس حوالے سے شہرت کماؤں' دولت کی البتہ الگ بات ہے۔"

"ارسلان ذرا سنبھل کر چلنا۔" مسز ملک نے اس سے مزید پوچھ گچھ مناسب نہ جانی۔

اگلے روز وہ شہر کے دوسرے بڑے اور بدنام ہیروئن فروش شوکے کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ دونوں بیگ اسکی مرضی کے مطابق تیار ہو گئے تھے اور وہ بڑی سرعت سے دوسرے انتظامات مکمل کر رہا تھا۔ ابھی تک شومئی تقدیر سے اس کا ہرپتہ سیدھا پڑ رہا تھا۔

○ ○ ○

اس اطلاع پر کہ وہ مختاراں اور نازنین کو اپنے ساتھ لندن لے جا رہا ہے' دونوں ماں بیٹی خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ مختاراں تو یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ نازنین سے شادی کے لیے مختاراں کی خوشنودی حاصل کر رہا ہے اور اس چکر میں اسے لندن کی سیر کی رشوت پیش کر رہا ہے۔

"وہاں اپنا گھر ہے' دفتر بھی ہے----!" اس نے مختاراں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

مختاراں یہ سمجھ رہی تھی کہ واقعی اس کا ہونہار ہونے والا داماد کوئی بڑا [illegible] کا کاروبار دنیا کے کونے کونے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ تو وہ بھی سمجھتی تھی کہ یہ ساری حرام کی کمائی ہے' لیکن جو کچھ وہ ان ماں بیٹی کے ساتھ---- کرنے جا رہا تھا' یہ تو ان دونوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

دونوں کو تیار شدہ بیگ تھما دیئے گئے۔ ایک اٹیچی کیس الگ سے تیار تھا۔ ان دونوں کو لندن سے سپانسر شپ منگوا کر بھیجا جا رہا تھا۔ دونوں بظاہر اپنے عزیز کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے جا رہی تھیں۔ ارسلان نے انھیں سمجھایا تھا کہ یہاں ہیرا پھیری سے ہی جانا پڑتا ہے ورنہ یہ لوگ ویزہ ہی نہیں دیتے۔

تینوں ایک ہی جہاز میں روانہ ہوئے تھے۔ عین آخری لمحات میں جب اس نے مسز ملک کو اپنی تازہ صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ عش عش کر اٹھی۔ ارسلان تو اس کی توقع سے بڑھ کر کام کا بندہ ثابت ہوا تھا۔ جو کچھ وہ سوچ نہیں سکتی تھی' وہ کچھ وہ کرنے جا رہا تھا۔ یہ تو اس کے لیے چونکا دینے والی اور حیرت انگیز خبر تھی۔ احتیاطاً" اس نے خود ایئرپورٹ پر نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

لیکن----!

تینوں جہاز پر بغیر کسی روک ٹوک کے پہنچ گئے تھے۔

ارسلان نے جدید فیشن کے مطابق داڑھی بڑھائی تھی۔ چہرے پر خوبصورت فریم کی عینک لگائی تھی اور وہ اس روپ میں ایک اور پاسپورٹ پر تصویر بدل کر سفر کر رہا تھا۔ کیا مجال جو اس کی بدلی ہوئی حالت کی طرف ایک لمحے کے لیے بھی مختاراں کا خیال گیا ہو۔

ایمسٹرڈم تک انہوں نے اپنی آمنے سامنے کی سیٹ پر بیٹھی فیملی سے اچھی خاصی دوستی گانٹھ لی تھی۔ لوگوں کو لبھانے کے انداز تو ماں بیٹی کو خوب آتے تھے۔ ایمسٹرڈم پر ٹرانزٹ میں پہنچ کر اس نے دونوں کو دکھانے کے لیے ایک جعلی فون کیا' پھر منہ لٹکائے واپس آ گیا۔

"بی بی! تم آدھ گھنٹے میں لندن پہنچو۔ میں شام تک آؤں گا۔ بے فکر رہنا' گھبرانا نہیں۔ وہاں تمہیں لینے کے لیے میزبان آئے ہوں گے۔ اچھا اب چلو' وہاں تمہارے نام کی تختی لیے کوئی کھڑا ہو گا۔ گھبرانا نہیں----- ہاں-----!"

اس سے پہلے کہ انہیں کچھ سمجھ آتی' جہاز کی روانگی کا اعلان ہونے لگا۔

"بھائی صاحب! مجھے ایک ایمرجنسی کی وجہ سے یہاں دو گھنٹے رکنا پڑے گا۔ آپ براہ مہربانی میری مسز اور ان کی مدد کو ہیتھرو پر گائڈ کرتے رہیں۔"

اس نے مختاراں کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اپنے ہم سفر سے کہا۔

"آپ گھبرائیں نہیں آنٹی! ہم ہیں ناں۔ ہمارے ساتھ ہی چلیں---- بلکہ آپ ہمارے مہمان رہیں پلیز۔ ہمیں بہت خوشی ہو گی۔ ہم سفر نوجوان خاصا ہمدرد دکھائی دے رہا تھا۔

"اچھا بیٹا! لیکن جلدی آ جانا۔ نازنین کا دل بہت گھبرائے گا۔"

مختاراں نے گھبراہٹ میں ہتھیار ڈال دیئے کیونکہ ہم سفر نوجوان نے اسے چلنے کے لیے کہنا شروع کر دیا تھا۔

"خدا حافظ۔" اس نے نازنین کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

خدا حافظ۔" نازنین نے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

دونوں ماں بیٹی جہاز کی طرف جا رہی تھیں اور ارسلان امیگریشن کی طرف۔ انہیں اس بات کی سمجھ ہی نہ آ سکی کہ اس کی بکنگ ہی ایمسٹرڈم تک تھی' یہاں سے اس نے دوسرا راستہ اختیار کرنا تھا۔

سازش اور ٹکراؤ

ہیتھرو ایرپورٹ پر نازنین اور اس کی ماں کی راہنمائی ان کے ہم سفر میزبانوں نے ان کی توقع سے بڑھ کر کی تھی۔ یہ مقامی لوگ تھے جو اپنے رشتے داروں کو ملنے پاکستان گئے تھے اور اب واپس آئے تھے۔ امیگریشن سے کسٹم تک وہ ماں بیٹی سے چپکے رہے۔ انہوں نے کسی مرحلے پر انہیں ارسلان کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ ان لوگوں نے دونوں کا سامان خود ریوالونگ بیلٹ سے اٹھا کر ٹرالی پر رکھا اور اپنے ساتھ ہی باہر بھی لے آئے تھے۔

گرین چینل سے گزرتے ہوئے اس گروپ کے صرف ایک آدمی کو روک کر کسٹم والوں نے اس کا برٹش پاسپورٹ دیکھا پھر باقیوں سے باز پرس نہیں کی----!

یہ ان کی خوش قسمتی کی انتہا تھی کہ دونوں ماں بیٹی محفوظ رہیں۔ ان کے ہم سفر تو ابھی تک ان سے چپٹے ہوئے تھے اور اسی نوجوان نے جس نے اپنا نام اظہر بتایا تھا نازنین کو دو تین مرتبہ الگ الگ کاغذ کے ٹکڑوں پر اپنا فون نمبر لکھ کر دیا تھا۔

لیکن----!

ان سب کی بدقسمتی کہ نازنین کے میزبان یہاں پہلے ہی سے ماں بیٹی کے منتظر تھے----!

ایک نوجوان لڑکی نے نازنین اور اس کی والدہ صاحبہ کے نام کے الفاظ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ان کی سہولت کے لیے لکھے ہوئے تھے۔ اگر صرف انگریزی میں بھی لکھے جاتے تو نازنین کم از کم اپنا نام ضرور پڑھ لیتی۔

جس بے اعتنائی سے وہ اپنے ہم سفروں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر ٹرالی کھینچتی ہوئی اس لڑکی کی طرف بڑھی' اس "حسن سلوک" نے اس کے ہم سفروں کو ایک مرتبہ تو بوکھلا کر رکھ دیا۔

کسمپرسی نے کسی سے سلام لینا تک گوارا نہیں کیا۔ البتہ مختاراں نے بیٹا جی' بھائی جی کہہ کر دو تین کو خدا حافظ اور شکریہ کے الفاظ کہتے ہوئے اپنی دانست میں عاتم کی قبر پر لات ضرور

مار دی تھی۔

○ ○ ○

نازنین کے ہم سفر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

دونوں ماں بیٹی اپنی ٹرالی سمیت میزبان لڑکی کے سامنے پہنچ گئے جس نے انہیں پہچانتے ہی "آصفہ" کہہ کر اپنا ہاتھ باری باری دونوں سے ملایا۔ بڑی گرمجوشی سے ان کی خیریت دریافت کرنے لگی۔

ٹرالی اس نے خود تھام لی تھی اور ماں بیٹی ان کے تعاقب میں لفٹ کی طرف جا رہی تھیں۔ بیشتر ایئرپورٹ کی رونقوں نے انہیں گنگ کر دیا تھا۔ لاؤنج ہی میں موجود "سروس" سے اس نے دونوں کو جوس پلایا اور وہیں سے فون کر کے کسی کو اپنی آمد سے مطلع کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لفٹ کے ذریعے اوپر کی منزل میں موجود پارکنگ پر کار میں بیٹھ رہے تھے۔ سامان آصفہ نے خود ڈگی میں رکھا تھا۔ ایک مرتبہ تو سروی نے دونوں کے دانت بجا دیے لیکن کار کے ہیٹروں نے دوبارہ انہیں نارمل کر دیا۔

شیشے کے کمروں میں بند بندروں کی طرح دونوں ماں بیٹی حیرت اور استعجاب کے عالم میں راستوں کی رونقوں سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔

کار انہیں "ہیسٹن" کی "ہائیڈلین" پر واقع ایک شاندار بنگلے تک لے آئی تھی۔ راستے میں آصفہ نے دو تین مرتبہ ان سے معذرت کی تھی کہ ارسلان صاحب کو ایمسٹرڈم پر ایک ہنگامی ضرورت کے لیے رکنا پڑا---- اس نے ماں بیٹی کو یہی تاثر دیا تھا کہ جیسے ارسلان کوئی بہت معزز اور کاروباری آدمی ہے۔ بنگلے پر ایک انگریز لڑکی ان کی منتظر تھی جس نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں انہیں خوش آمدید کہا اور آصفہ بھی وہیں رک گئیں۔

○ ○ ○

ان کا سامان اندر رکھ دیا گیا۔ کھانا شاید پہلے ہی سے تیار تھا۔ ابھی وہ کھانے کی تیاری ہی کر رہی تھیں جب انہیں ارسلان کا فون موصول ہوا۔ آصفہ نے فون اٹھایا تھا' پھر مختاراں کی طرف بڑھا دیا۔

"بی بی! گھبرانا نہیں۔ اس ملک کا ماحول ہی ایسا ہے۔ میں صبح تک پہنچ جاؤں گا۔ کوئی

تکلیف تو نہیں ہوئی----؟" اس نے مختاراں کی دل جوئی شروع کر دی۔

مختاراں کو اب تک اس کے میزبانوں نے اتنا خوش کر دیا تھا کہ اب اس کے لیے گھبرانے کی کوئی بات ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے دو چار باتیں کر کے فون اپنی بیٹی کو تھما دیا اور خود دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

نازنین نے فون پر بھی ناز و ادا دکھانے شروع کر دیئے تھے۔ اس نے بڑے رومانٹک لہجے میں باؤ ارسلان کی غیرموجودگی کا شکوہ کیا۔ ارسلان نے اسے مختاراں سے زیادہ مطمئن کیا تھا اور کہا تھا یہ دونوں لڑکیاں ان کی نوکرانیاں ہیں اور وہ جس طرح بھی چاہیں گے یہ ان کی خدمت کریں گی۔ اس نے نازنین سے کہا تھا کہ جس چیز کو اس کا دل چاہے بلا جھجک انہیں بتا دے۔ پھر اگلے روز پہنچنے کا وعدہ کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

دونوں ماں بیٹی کی آنکھ بمشکل چند منٹ کے لیے لگی' پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ان کے فرشتوں کو بھی اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ ان کے دونوں بیگوں سے سارا سامان بالکل اسی طرح یہاں پہلے سے موجود دو بیگوں میں منتقل ہو چکا ہے۔ اس تبدیلی کا اندازہ وہ کر بھی کیسے سکتی تھیں۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں رہی ہو گی۔

دونوں نے کپڑے تبدیل کیے اور ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئیں۔

لندن وہ پہنچے تو یہاں صبح ہو رہی تھی اور گھر پہنچنے تک دوپہر ڈھل گئی تھی---- یہاں کا موسم ابھی تک ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ سہ پہر کے بعد آصفہ نے انہیں لندن دکھانے کے لیے اپنے ساتھ کار میں بٹھا لیا۔ دونوں ماں بیٹی کو وہ ایک بڑے سٹور پر لے آئی تھی۔ ایسا سٹور وہ خواب یا فلموں میں تو دیکھا کرتی تھیں' آج عملی طور پر پہلی مرتبہ دیکھنے کا موقعہ ملا تھا۔ دونوں کے لیے یہاں سے آصفہ نے ان کے سائز کے لیے کوٹ خریدے اور جب وہ گرم اونی کوٹ پہن کر باہر نکلیں تو خواہ مخواہ خود کو معزز خیال کرنے لگی تھیں۔

رات گئے تک آصفہ نے انہیں لندن کی وہ وہ رونقیں دکھا دی تھیں کہ مختاراں اور نازنین دم بخود رہ گئیں۔ ایسے ایسے بازار' پارک' ہوٹل' سڑکیں' راستے' لوگ' برقی سیڑھیاں' تیز رفتار لفٹیں' انڈر گراؤنڈ ریل ان کے لیے تو یہ کوئی اور ہی دنیا تھا۔ جیسے جیسے وہ لندن کا نظارہ کر رہی تھیں' ان کے دلوں میں ارسلان کی عزت اور رعب بڑھتا جا رہا تھا۔

دونوں جانتی تھیں کہ یہاں کا ایک پاؤنڈ کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہے اور دونوں نے دیکھ لیا تھا کہ آصفہ نے کس طرح بے رحمی سے پاؤنڈوں کو ان پر خرچ کیا تھا۔

"جانے باؤ ارسلان نے یہاں کیا دھندہ شروع کر رکھا ہے؟" نازنین نے رات کا کھانا ایک شاندار ہوٹل میں کھاتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں اپنی ماں سے کہا۔

"بچی آم کھا۔ تجھے گٹھلیوں سے کیا لینا۔ شکر کر مولا مشکل کشا نے سن لی' ورنہ تو میرا بڑھاپا رل جاتا۔"

رات کو دونوں ماں بیٹی دیر گئے تک ٹی وی سے چپٹی رہیں۔ وہ ندیدے بچوں کی طرح یہاں کے ایک ایک منظر کو' ایک ایک لمحے کو انجوائے کر رہی تھیں آدھی رات کے بعد بمشکل مختاراں نے نازنین کو سونے کے لیے راضی کیا----!

○ ○ ○

ایمسٹرڈم ایئرپورٹ سے باہر آ کر اس نے ڈرائیور کو ایک ایڈریس سمجھایا اور اب ٹیکسی اس کے بتائے ہوئے ایڈریس کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔ ایمسٹرڈم کے براڈوے پر تیسویں سٹریٹ پر واقعہ ایک پلازہ پر پہنچ کر ٹیکسی رک گئی۔ بڑے بڑے خوبصورت شیشوں سے مرصع اس بلڈنگ کی پانچویں منزل کے ایک کمرے کے سامنے وہ لفٹ کے ذریعے پہنچا اور باہر لگی گھنٹی بجانے پر اندر دروازے کے سوراخ سے ایک آنکھ نے اس کا جائزہ لیا۔

"کون ہو تم؟" دروازے سے باہر مانک کی آواز آئی۔

"ارسلان!" اس نے اپنا نام بتایا۔

"کس سے ملو گے" اگلا سوال ہوا۔

"سلیم صاحب سے----!"

"او کے!"

درواز کھل گیا۔

جس نسوانی آواز نے اس سے انگریزی میں بات کی تھی' اسی نے دروازہ کھولا تھا۔

یہ ایک آرام دہ اور جدید ترین سہولیات سے مزین فلیٹ تھا۔ ایک کمرے میں اپنا مختصر سا سامان پھینک کر وہ لڑکی کو نظرانداز کرتا بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

لڑکی نے بھی ایک نگاہ غلط اس پر ڈالی اور اب وہ فون پر سلیم صاحب کو اس مہمان کی آمد سے مطلع کر رہی تھی۔

"تھوڑی دیر بعد وہ خود رابطہ کریں گے سر!" اس نے کسی مقامی زبان میں فون پر بات کرنے کے بعد انگریزی میں ارسلان کو مطلع کیا۔

ارسلان کو امید تھی کہ وہ شام کی فلائٹ سے لندن جائے گا' لیکن سلیم صاحب شاید کسی "لمبی مار" پر نکلے ہوئے تھے۔

شام ڈھلنے تک میزبان لڑکی نے "حق میزبانی" خوب خوب ادا کر دیا تھا اور ارسلان کی تھکاوٹ بھی اب اتر چکی تھی۔ اسی درمیان اسے فون پر لندن رابطہ قائم کرنے پر یہ خوشخبری بھی مل چکی تھی کہ اس کے "دونوں پارسل" بخیر و عافیت اپنے "ایڈریس" تک پہنچ چکے ہیں۔

اس اطلاع نے اس کے تنے ہوئے اعصاب کو خاصا پرسکون کر دیا تھا---- رہی سہی کسر ہالینڈ کی شراب اور لڑکی نے پوری کر دی۔

رات اپنے پر ایمسٹرڈم پر پھیلا چکی تھی جب سلیم صاحب بنفس نفیس وہاں آ پہنچے۔ ایک لمبا تڑنگا سیاہ فام باڈی گارڈ ان کے ساتھ ہی وہاں آیا تھا۔ پھر وہ دروازے پر جم کر بیٹھ رہا اور سجاول خان دوسرے کمرے میں ارسلان سے محظ گفتگو ہو گیا---- لڑکی نے کچن میں اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔

ارسلان نے اسے بڑی تفصیل سے آگاہ کیا تھا اور بتا دیا تھا کہ نجمہ بیگم کے حکم پر اس نے "شوکے" سے پاؤڈر حاصل کیا ہے۔ اسی نے بیگ تیار کر کے دیئے ہیں اور اپنی مدد کے لیے اس مرتبہ دو طوائفوں کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ اس نے سجاول خان کو بتایا تھا کہ ابھی تک اس نے دونوں کو لاعلم رکھا ہے اور وہ یورپ دیکھنے کے شوق میں ہی قابو آ گئی ہیں۔

"مستقبل میں یہ جوڑی آپ کا بہترین اثاثہ ثابت ہو گی۔ جناب اگر حکم دیں تو انہیں قابو میں کر لوں---- میں نے آپ کی اجازت کے بغیر بات کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ بیگم نجمہ ان دونوں کو جانتی ہے کیونکہ یہ ملک صاحب کی خدمت بھی کرتی رہتی ہیں' لیکن آج تک بیگم نجمہ سے ان کی براہ راست ملاقات نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کا آپس میں تعارف ہے---- ہاں میں نے اسے یہ ضرور بتا دیا ہے کہ میں اس مرتبہ انہیں استعمال نہیں کروں گا۔"

چرب زبانی اور مکاری پر جو کمال اسے حاصل ہو گیا تھا' اس کے لیے وہ اکثر خود کو دل ہی دل میں داد دیا کرتا تھا۔

"ونڈر فل-----!" خدا جانے سجاول خان نے اس کی مکاری کو خراج تحسین پیش کیا تھا یا ارسلان کو؟"

اس نے اپنی عادت کے مطابق ٹہلتے ہوئے اس کی بات پر غور کیا تھا' پھر سگریٹ کا کش لگا کر اسے داد دی۔

ارسلان کا دل بلیوں اچھلا---- جس کامیابی سے وہ اپنا کھیل کھیل رہا تھا' یہ اسی کا متاسہ تھا۔

" میں دیکھوں گا اسے---- کہاں تک بھاگے گی سالی۔" سجاول خان آہستہ سے بڑبڑایا۔

"بہت احسان فراموش عورت ہے خان صاحب۔ میں نے سیاست میں بہت بڑے بڑے

لوگوں کو دیکھا ہے لیکن ایسی ناگن نہیں دیکھی۔" اس نے سجاول خان کے موڈ کو سمجھتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

"تم مجھے باخبر رکھنا برخوردار! ابھی تک اس کا واسطہ اپنے جیسے لوگوں سے رہا ہے۔ میں اسے جہنم رسید کر دوں گا---- مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہ جاتی کہاں تک ہے---- اور ہاں اب تم کسی بھی طرح اسے اپنے ساتھ لندن آنے پر تیار کرنا۔ باقی پلان تجھے میں سمجھا دوں گا۔ ان عورتوں کو قابو میں رکھو۔ کبھی کبھی کھوٹا سکہ بھی چل جاتا ہے---- دنیا کے بازار کا اتار چڑھاؤ کوئی انوکھی بات تو نہیں۔" اس پر پھر فلسفہ بگھارنے کا دورہ پڑا تھا۔

ارسلان کو اس نے نجمہ بیگم کے مال کی فروخت کے لیے دوبارہ بھٹی سے رابطہ کرنے کو کہا اور رخصت ہو گیا۔

○ ○ ○

اپنے کمرے ہی سے اس نے علی الصبح لندن جانے والی ایک فلائٹ پر سیٹ بک کروا لی تھی اور اس کی ڈیوٹی میزبان نے اسے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ لفتھانسا ایئرلائن کی فرسٹ کلاس میں وہ ایر ہوسٹسوں کے نرغے میں راجہ اندر بنا یسھرو کی طرف محو پرواز تھا۔

ایک تسکین، ایک طمانیت اور فتح کا احساس اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ اس نے نجمہ بیگم پر آکٹوپس کی طرح ایک ایک ہاتھ پاؤں باری باری باہر نکال کر اپنا شکنجہ مضبوط کرنا شروع کر دیا تھا---- وہ مسز ملک کو اس طرح اپنے شکنجے میں جکڑ لینا چاہتا تھا کہ پھر وہ ہاتھ ہلانے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔

"گٹ وگ" ایئرپورٹ کے امیگریشن والوں نے ایک اچٹتی نظر اس کے پاسپورٹ پر ڈالی جو مختلف یورپی ممالک کے ویزوں سے بھرا پڑا تھا۔ ایک آدھ روایتی سا سوال اس سے کیا اور اس کے لیے لندن کے دروازے کھول دیئے۔

"ہیتھرو کے "ہائیڈلین" والے پھاٹک پر جب وہ ٹیکسی سے اتر کر دستک دے رہا تھا تو نازنین اور مختاراں ٹی وی سے چپٹی بیٹھی تھیں۔ دروازہ آصفہ نے کھولا۔

"ویل کم سر!" اس نے ارسلان کی شکل پر نظر پڑتے ہی دانت نکال دیئے۔

"کیسے ہیں مہمان؟" اس نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے مہمانوں کی خیریت دریافت کی۔

"ایک دم ٹھیک ہے سر۔"

"کام ٹھیک ہو گیا----؟" اس نے آصفہ کی آنکھوں میں جھانک کر اگلا سوال کیا۔

"یس سر!" آصفہ نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔ "توقع سے زیادہ بیوقوف عورتیں ہیں۔"

○ ○ ○

باؤ ارسلان کو اچانک وہاں دیکھ کر ماں بیٹی کی باچھیں کھل گئیں۔

مختاراں تو صدقے واری ہونے لگی جب کہ نازنین اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی---- گھاگ نائیکہ اچانک ہی کسی کام کا بہانہ کر کے باہر نکلی اور اس کے جاتے ہی نازنین ارسلان کے گلے کا ہار بن گئی۔

اس نے ایک ہی لمحے میں اپنے سارے خاندانی داؤ پیچ آزما لیے تھے۔ اب تو ماں بیٹی اس سونے کی کان کو کسی بھی صورت ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھیں۔ انہیں تو باؤ ارسلان کی اہمیت کا علم ہی اب ہوا تھا۔

مختاراں نے جب سمجھ لیا کہ اب بچی نے دل کی بھڑاس نکال لی ہو گی تو وہ کمرے میں چلی آئی۔

"بیٹا! ایک لمحے کے لیے بھی مولا عباس کی قسم لے لو اگر بچی نے آنکھ جھپک کر دیکھا ہو---- یہ تو میرا مولا ہی جانتا ہے۔ میں اسے اس موئے ہوائی اڈے سے جہاں تم اتر گئے تھے، کیسے لندن تک لائی ہوں۔ بس ایک مرنے کی کسر باقی تھی....." اس نے اپنی خاندانی روایات کے مطابق گاہک پر طبع آزمائی شروع کر دی۔

"بی بی! میں نے کہا تھا ناں کہ صبر کرو، عیش کرا دوں گا۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا---- خیر! ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے----!" اس نے مختاراں کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"باؤ ارسلان پر یہ اتنا برنس، اتنی دولت! تم نے پہلے تو کبھی بتایا ہی نہیں----!" مختاراں نے بڑی خاص نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"بی بی! تمہیں آہستہ آہستہ سب سمجھ آ جائے گی۔ اگر میں تمہیں وہاں سب کچھ بتا دیتا تو تم کبھی یقین ہی نہ کرتیں کیونکہ بدقسمتی سے میرے ساتھ ایک دھوکا ہو چکا تھا، لیکن ان ہی لوگوں کی مدد سے پھر میں نے اپنا برنس چلا لیا ہے۔ بی بی! کسی کی جرأت نہیں کہ یہاں یا وہاں اپنے ملک میں ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے---- اور ہاں ابھی تو تمہارے لیے ایک بہت بڑی خوشخبری ہے میرے پاس--- لیکن زیادہ بے چینی نہ دکھانا۔ وقت آنے پر سب کچھ بتا دوں گا--- ابھی تم تیار ہو جاؤ---- ذرا بازار سے شاپنگ کر لیں۔ گھبرانا نہیں۔ جو چیز دل کو اچھی لگے، اٹھا لینا---- میں چاہتا ہوں بازار میں تمہارا ایسا رعب ہو کہ پھر کوئی تمہاری طرف آنکھ

اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔"

"اے بیٹا! تمہارے منہ میں گھی شکر----!" مختاراں نے ہاتھ کے مخصوص اشارے سے کہا اور کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ شاپنگ کے لیے جا رہے تھے----!

کار اس مرتبہ بھی آصفہ چلا رہی تھی۔ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر مختاراں بیٹھی تھی اور اس کی صاحبزادی پچھلی سیٹ پر ارسلان کے ساتھ چپکی بیٹھی تھی۔

لندن کو دن میں دیکھنے کا مزہ ہی کچھ اور تھا---- پہلے ہی اسٹور میں گھومتے ہوئے انہیں دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ ماں بیٹی نے ندیدے بچوں کی طرح لپک لپک کر میک اپ کا سامان اٹھایا تھا اور اپنے لیے الگ الگ انتخاب کیا تھا۔ دونوں سامان کے پیکٹوں سے لدی پھندی باہر آئیں۔ اب کار کا رخ ایک مہنگے ہوٹل کی طرف تھا۔

بدذائقہ کھانے دونوں ماں بیٹی اس طرح مزے لے کر کھا رہی تھیں جیسے وہ بچپن سے یہی کھاتی آ رہی ہوں۔ ان کی حتی الوسع کوشش یہی تھی کہ آصفہ انہیں "جنگلی" نہ سمجھے اور خود کو مہذب ثابت کرنے کے لیے وہ لقمہ لقمہ کر کے انگریزی کھانے زہر مار کر رہی تھیں۔

شام تک تھک کر وہ چور ہو گئیں تو آصفہ انہیں واپس لے آئی۔

○ ○ ○

اس رات بھی ان سے ملنے آیا تھا۔ اس نے دونوں بیگ وصول کر لیے تھے۔ نچلم والے بیگ کا ۷۰ لاکھ روپیہ ارسلان نے الگ سے وصول کر لیا تھا اور دوسرے بیگ کی مزدوری بھی لاکھوں روپے کی صورت میں اسے ملی تھی۔

ہوس کی ماری پچھلیوں کو اپنے جال میں مزید گہرا پھنسانے کے لیے اس نے اچھی خاصی پاکستانی کرنسی بھی اپنے پاس رکھ لی تھی اور اب وہ مختاراں بیگم پر اپنا آخری اور بھرپور داؤ کھیلنے جا رہا تھا۔

بھئی سے اس کو جو لاکھوں روپے وصول ہوئے تھے ان میں سے ایک آدھ لاکھ ان پر خرچ کرنا اونٹ کے منہ میں زیرے والی بات تھی لیکن مختاراں کی تو آنکھیں اس دولت کی چمک سے خیرہ ہو سکتی تھیں۔

کمرے میں اس وقت وہ تینوں ہی موجود تھے جب اچانک ہی ارسلان اپنی جگہ سے اٹھا اور دوسرے کمرے میں جا کر بریف کیس لے آیا۔ بریف کیس اس نے مختاراں کے سامنے کھولا اور

دم بخود رہ گئی۔ یہاں پاکستانی اور برطانوی نوٹ بڑے سلیقے سے ترتیب سے سجے تھے۔ ارسلان نے ۵۰ ہزار گن کر مختاراں کی طرف بڑھا دیئے اور بریف کیس بند کر لیا۔

"میری طرف سے یہ معمولی سا نذرانہ نازنین کے لیے ہے۔ بی بی! اس مرتبہ مجھے بہت زیادہ منافع ہوا ہے۔"

ہونقوں کی طرح منہ پھلائے مختاراں نے جانے کس میکانکی عمل کے تحت اپنا ہاتھ بڑھایا اور نوٹ ہاتھوں میں تھام کر ان کو محسوس کیا۔ پھر اس احساس کے بعد کہ خواب تو نہیں دیکھ رہی' اس نے نوٹ نازنین کی طرف بڑھاتے ہوئے ہر ممکن طریق پر شکریہ ادا کرتے جانے کتنی دعائیں دیتے ہوئے اس کا سر اور منہ اپنے پوپلے منہ سے چوم لیا۔

نازنین کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس پر ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح گر پڑے---- اس نے نظروں ہی نظروں میں نجانے کتنی مرتبہ اس کا شکریہ ادا کیا۔

مختاراں بڑی جہاندیدہ طوائف تھی۔

ایک زمانہ اس نے دیکھ رکھا تھا۔

وہ اتنی بھولی بھی نہیں کہ باؤ ارسلان کے کاروبار کو سمجھ نہ پاتی' لیکن اس کے منہ سے سننا ضرور چاہتی تھی۔

"بیٹا! اب ہم میں کوئی پردہ تو رہا نہیں۔ اگر اپنے کاروباری راز میں ہمیں بھی شامل کر لو تو....."

"بی بی" ارسلان نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اب تم اتنی سیدھی بھی نہیں کہ میری بات کا مطلب نہ سمجھ سکو۔ میں نے بھی زندگی میں بہت دھکے کھائے ہیں۔ ہر محفل میں بیٹھا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ سب لوگ یہی کر رہے ہیں۔ آخر میں ساری زندگی کسی کا "ہتھ ٹھوکا" بن کر تو زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ میں بھی دولت کماؤں گا۔ اب تک میں نے صرف دو چکر لگائے ہیں اور دیکھ لو۔ لاکھوں کروڑوں میں کھیل رہا ہوں---- بی بی! میں تمہیں صاف بتا دوں کہ اس مرتبہ بھی میں مال لے کر آیا تھا جو میں نے جہاں میں اترا تھا' وہیں دینا تھا---- میں نہیں چاہتا تھا کہ اس موقعے پر تمہاری مرضی کے بغیر تمہیں شامل کروں۔ یہ لاکھوں کروڑوں کا کھیل ہے---- بی بی تم جانتی ہو کہ پیسے میں کتنی طاقت ہے۔ دونوں طرف مل ملا کر کام چل جاتا ہے۔ کچھ حصہ یہ لوگ لے لیتے ہیں کچھ ادھر والے اور بس باقی خطرہ یوں بھی زندگی میں ہر وقت رہتا ہے----!" اس نے اپنے آپ سے مختاراں کو آگہی فراہم کی۔

آخری دو چار فقرے اس نے جان بوجھ کر کہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ہوس کے مارے ذہنوں کو ایسی بودی دلیلیں بہت مطمئن کیا کرتی ہیں اور واقعی مختاراں کی رال ٹپکنے لگی تھی۔

"بی بی! تمہیں کیا علم نہیں کہ ہمارے شہر کی بڑی بڑی بیگمات کیا کرتی ہیں---- میں تمہیں دس پندرہ نام ابھی گنوا دیتا ہوں۔ بس دو تین مہینے میں ایک چکر لگا لیا اور ساری زندگی کی روٹیاں اکٹھی کر لیں---- میں تو کہتا ہوں بی بی! ایک آدھ چکر تم بھی لگا لو---- سارا بازار خرید لو گی۔" ارسلان کی آخری بات نے مختاراں کے دماغ میں زوردار جھٹکا کیا۔

لالچ کی ماری طوائف کو اس نے پانچ منٹ بعد ہی شیشے میں اتار لیا۔ جب اس نے مختاراں کو بتایا کہ وہاں سے روانگی پر اسے ایک چکر لگانے کے لیے دو لاکھ روپے ایڈوانس مل جائیں گے تو مختاراں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"ارے بیٹا! جب ساری دنیا یہ کام کر رہی ہے تو ہمارا بھی بھلا ہو جانے دو---- کوئی ہمارا کام بھی کروا دو---- ساری زندگی تمہارے بیر دھو دھو کر پئیں گے----!" مختاراں کے منہ میں لاکھوں کے ذکر سے پانی بھر آیا۔

"بے فکر رہو بی بی! اگلی مرتبہ تم آؤ گی تو ایسے بریف کیس نوٹوں سے بھر کر لے جاؤ گی۔"

"دیکھ لو بی بی! میں تو ہر صورت تمہارا فائدہ چاہتا ہوں۔ پھر بھی سوچ سمجھ لو۔ اگر ماضی کی کوئی بات تمہارے ذہن میں ہے تو اسے نکال دو۔"

"ارے جانے دو بیٹا! کیا باتیں لے بیٹھے---- بیٹا! میں کوئی لالچی عورت نہیں ہوں۔ بس ایک ذرا زندگی گزارنے کا آسرا ہو جائے تو کس کافر کا دل چاہے گا ایسے کام کرتا پھرے---- بیٹا! پھر تم ہی تو کہہ رہے ہو کہ ساری دنیا یہی کچھ کر رہی ہے۔" مختاراں نے اپنے مخصوص خاندانی انداز میں کہا۔

"تم تو یوں تصدیق کر رہی ہو بی بی جیسے تمہیں اس بات کا علم نہیں۔" ارسلان نے ہنستے ہوئے کہا۔

ایک ہفتہ تک لندن کی رونقوں میں غرق رہنے کے بعد جب ماں بیٹی ہوس کی دلدل میں گردن گردن تک دھنس گئیں تو ارسلان نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ دونوں کا دل ابھی نہیں بھرا تھا۔

لیکن----!

ارسلان بھی نہیں چاہتا تھا کہ دونوں کا دل بھر جائے۔

اس مرتبہ اس نے دونوں کو دو دن پہلے روانہ کیا تھا اور خود ایک دوسری فلائٹ میں اپنے ملک پہنچا تھا۔ اس نے مختاراں سے کہہ دیا تھا کہ ادھر کسٹم پر کوئی ان کے بکس نہیں کھولے گا۔ اور ایسا ہی ہوا----!

ہوائی جہاز کی سیڑھیوں پر ہی ان کا میزبان موجود تھا جو انہیں امیگریشن اور کسٹم سے گزار کر سیدھا ٹیکسی سٹینڈ پر لے گیا۔

دونوں ماں بیٹی مسرت سے سرشار ارسلان کی کوٹھی کی طرف ایک ٹیکسی میں اڑی چلی جا رہی تھیں۔

دو روز بعد ارسلان بھی ان سے آن ملا۔

○ ○ ○

دونوں ماں بیٹی غیرملکی سامان سے لدی پھندی اپنے ملک پہنچی تھیں۔ مختاراں نے دوسرے ہی روز بازار کا چکر لگایا اور ہر ممکن طریقے سے اپنے غیرملکی دورے کی خبر اپنے حاسدوں کے کانوں تک پہنچائی تھی۔

"جل کر رہ گئیں نگوڑیاں۔" اس نے ارسلان کا سر ماتھا چومتے ہوئے بتایا----!

"تم دیکھتی رہو بی بی! ابھی کیا کچھ ہونے والا ہے----!" ارسلان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے مخالفوں کی زبانیں دانتوں میں نہ دبا دوں تو میرا نام بدل دینا۔"

اور----!

مختاراں نے دل و جان سے اس کی بات مان لی۔

وہ نہیں جانتی تھیں کہ دو دن لندن میں ان کے بعد ارسلان نے یونہی نہیں گزارے تھے---- اپنے سب سے پہلے میزبان مائیکل سے جو اب جمیل خان کے گروہ سے علیحدہ ہو کر اپنا کام کر رہا تھا، مل چکا تھا۔

مائیکل سے اس کی ملاقات بھٹی کی قیام گاہ کے نزدیک ایک مارکیٹ میں ہو گئی تھی۔ وہاں اس نے خود ہی ارسلان کو پہچان کر اس کا نام لے کر آواز دی تھی۔

پہلے تو ارسلان کے اوسان خطا ہو گئے کہ یہ کیا مصیبت آ گئی کیونکہ اس مرتبہ وہ کسی دوسرے نام کے پاسپورٹ سے سفر کر رہا تھا۔

لیکن اسے اس بات کا احساس مائیکل نے خود ہی دلا دیا کہ وہ خود اس کی تلاش میں تھا۔ مائیکل سے یہ بات بھی اس کے علم میں آئی کہ اس نے سلیم خان والے گروہ سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور اب وہ ایک دوسرے ایشیائی مافیا سے منسلک ہے۔ اس نے ارسلان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ بھی اگر چاہے تو امریکن پارٹیوں کے ساتھ اس کا رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔"

ارسلان نے فوراً ہامی بھر لی تھی۔

یہ شخص اس کے مستقبل کے منصوبے میں ضرور فٹ بیٹھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک ۔
ایک دن اسے اس ملک کو خیرباد کہنا پڑے گا۔
اب اس نے باہر کا راستہ دیکھ لیا تھا۔
فرار کر راستہ۔۔۔۔!
اسے ایکدن بالآخر بھاگ جانا تھا۔۔۔ یوں بھی اس نے جس بھیانک کھیل کا آغاز کیا تھا' وہ کسی بھی لمحے اپنے انجام کو پہنچ سکتا تھا۔
کسی بھی پل حالات کا پہیہ الٹا چلنا شروع ہو جاتا اور اسے بڑی بے رحمی سے کچل دیتا۔ وہ جانتا تھا۔ اس نے ایک بے گناہ کو قتل بھی کیا ہے۔ کہیں نہ کہیں اس کے اندر والدین کی دی ہوئی مذہبی تعلیمات زندہ تھیں۔
گناہ کی دلدل میں بہت گہرا اترنے کے بعد بھی وہ مکافات عمل سے لرزاں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بالآخر ستم ظریفی حالات اسے انصاف کے کٹہرے میں لا کر کھڑا کر دے گی جہاں اسے مظلومیت کے اور کوئی دلیل اس کے حق میں نہیں جاتی تھی۔
لیکن۔۔۔۔!
یہ مظلومیت بھی تب تک تھی جب تک وہ معصوم تھا۔
اب تو وہ خود ظالم تھا۔ اپنے انتقام کی آگ میں اندھا ہو کر سب کچھ داؤ پر لگانے پر تل گیا تھا۔
مائیکل کا رابطہ اس نے محفوظ کر لیا تھا۔
اس نے امریکہ کے دو نمبر ارسلان کو دیتے ہوئے کہا تھا کہ جب کبھی اس پر زندگی کے تمام دروازے ایک ایک کر کے بند ہو جائیں تو وہ یہاں ضرور دستک دے۔ شاید مائیکل نے ایک عرصہ سلیم خان مافیا کے ساتھ کام کرنے کے بعد یہ احساس کر لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن ارسلان بھی اس کی طرح اس مافیا سے پناہ مانگے گا۔۔۔۔۔ اور اس دنیا کے اصولوں کے مطابق ارسلان کو بھی سوائے کوئی اور "مضبوط سہارا" ڈھونڈنے کے اور کوئی راستہ دکھائی نہیں دے گا۔
مائیکل کے ساتھ خاصا وقت گزرانے کے بعد ہی وہ لوٹا تھا۔
ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں۔۔۔۔ کانتا سے ملاقات کی خواہش بیدار ہوئی تھی لیکن کسی مصلحت کے تحت اس نے گریز کیا۔ وہ اب دوبارہ اس گندے کھیل میں حصہ نہیں لینا چاہتا تھا۔
اسے احساس ہو گیا تھا کہ ملکی محبت میں بھی اس بدقسمت ملک کے شہری خودمختار نہیں۔ یہاں ملک سے محبت کرنے کے لیے بھی ان بازی گروں سے سرٹیفکیٹ لینا ضروری ہے جو سیاہ

کی شطرنج پر بچھے مہروں کی طرح حرکت کرتے ہیں۔ اپنے دیس اور بدیسی آقاؤں کے اشارے پر۔
اور جو مادر وطن کو پرکاہ جتنی اہمیت دینے کو تیار نہیں۔
اس نے دیکھ لیا تھا کہ سیاست کے اس گھناؤنے بازار میں آج کا محب وطن کل کا غدار۔
آج کے غدار کل کے محب وطن بن جاتے ہیں۔۔۔۔!
عجب طرفہ تماشا تھا کہ ہر کوئی دوسرے کو غدار اور خود کو قومی سلامتی کا واحد ذمہ دار بنانے اور کہلانے پر بضد تھا۔
یہاں جھوٹ ہی سب سے بڑا سچ تھا اور یہاں سچ ہی سب سے بڑا جھوٹ بھی تھا۔
ارسلان تو ایک مکروہ ریاکاری کے سمندر میں ایک تنکے جیسی اہمیت بھی نہیں رکھتا تھا۔
یہاں تو کبر و نخوت کے ایسے ایسے پہاڑ کھڑے تھے کہ جن سے سچائی' ایمانداری اور اصول پرستی جانے کتنے طویل عرصے سے اپنا سر پٹخ رہی تھی۔
منافقت کے کیا کیا رنگ و روپ نہیں تھے کہ جو ارسلان نے نہ دیکھ لیے ہوں۔

○ ○ ○

مسز ملک کے سامنے جب اس نے نوٹوں سے بھرا بریف کیس کھولا تو زندگی میں پہلی مرتبہ تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر وہ دیوانہ وار اس کے گلے کا ہار بن گئی۔ ایسی گری پڑی عورت تھی وہ۔۔۔۔!
ارسلان کو گھن آنے لگی تھی اس سے۔۔۔۔!
اس نے بھی مسز ملک سے بڑھ کر جوش و خروش کا اظہار کیا تھا اور اسے باور کروانے کی کوشش کی تھی کہ دراصل اس نے ارسلان کو "انڈر اسٹی میٹ" کیا ہے۔
"میں نے زندگی میں شاید پہلی مرتبہ مرد کو سمجھنے کی غلطی تب کی تھی جب تمہارے متعلق غلط اندازہ لگایا۔ تم تو بہت زبردست آدمی ہو۔۔۔ بہت کام کے۔۔۔۔ تم نے تو میرے سارے اندازے غلط ثابت کر دیئے ارسلان۔"
اس نے بریف کیس بند کرتے ہوئے سگریٹ کا گہرا کش لیا اور دھوئیں کے مرغولے بناتے ہوئے دوبارہ ارسلان سے مخاطب ہوئی۔۔۔۔ "مجھے افسوس ہے کہ سجاول خان نے اپنے اصول کے مطابق تمہاری تصاویر بھی بنائیں اور بدقسمتی سے نیگیٹو بھی حسب روایت اپنے قبضے میں رکھے۔۔۔۔ لیکن میرا وعدہ ہے کہ میں بہرصورت اس کی رائے تمہارے متعلق بدل ڈالوں گی۔۔۔۔ دراصل ارسلان سجاول خان حد سے زیادہ محتاط اور بظاہر لاپروا انسان ہے۔ اس کے

اب تک بچے رہنے کا راز بھی یہی ہے کہ اس نے اپنے کچھ اصول بنا رکھے ہیں جن پر وہ بڑی سختی سے عمل پیرا ہے۔ بغیر کسی رو رعایت کے وہ ان اصولوں کا اطلاق خود پر بھی کرتا ہے--- گو کہ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہاری تصاویر میں نے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے بنائی تھیں' لیکن دراصل یہ سب کچھ سجاول خان کی پلاننگ کا حصہ تھا۔ وہ اپنے کسی بھی ورکر کو کبھی اپنی مٹھی سے نکلنے نہیں دیتا۔

ارسلان جانتا تھا کہ اس وقت مسز ملک کہاں سے بول رہی ہے۔ وہ اب اپنی دانست میں اپنی مظلومیت کا ڈرامہ رچانے جا رہی تھی۔

لیکن----!

یہ سب بیکار تھا-----!

"مسز ملک تم نے واقعی ارسلان کو سمجھنے میں غلطی کی---- اور یہ جو تمہارا فوٹو گرافی کا شوق ہے' یہ بھی میں ضرور پورا کر دوں گا۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

مسز ملک اپنے کمرے میں نوٹوں سے بھرا بریف کیس رکھ کر واپس آ گئی تھی اور ارسلان اسے ایک کہانی گھڑ کر سنا رہا تھا کہ کس طرح اس نے طوائفوں کو بیوقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کیا۔

"نجمہ صاحبہ! آپ کی شخصیت کا بہت رعب ہے ان پر---- اور میں چاہتا ہوں کہ کسی مناسب موقعے پر آپ کی ان سے ایک ملاقات بھی ہو جائے۔ اس وقت انہیں یقین آ جائے گا کہ واقعی آپ کی پشت پناہی ہمیں حاصل ہے۔ ابھی تک میں نے انہیں یہی بتایا ہے کہ یہ کام تو میں اکیلے کر رہا ہوں' لیکن کبھی اگر کوئی مصیبت پڑی تو آپ میری مدد کریں گی۔ مسز ملک! میں نے انہیں اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی کہ آپ کا اس بزنس سے دور کا بھی واسطہ ہے---- اور ہاں! آج آپ کو یہ بتا دوں کہ ملک صاحب کی تصویر والے کیس میں بھی میں نے آپ کا نام نہیں آنے دیا۔ میں نے انہیں یہی بتایا تھا کہ مخالف پارٹی کے لوگ تصویریں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

مسز ملک ہم جس کا نمک کھائیں' اس سے نمک حرامی کبھی نہیں کرتے۔" اس نے چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔

مسز ملک یوں ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھ رہی تھیں جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔ شاید اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کیا واقعی وہ سچ بول رہا ہے--- اس کی اندرونی کشمکش کا اندازہ اس کے سانولے چہرے کی بدلتی کیفیات سے ارسلان بخوبی کر سکتا تھا---- دل ہی دل میں وہ مسز ملک کے اندر چلنے والی جنگ سے لطف اندوز بھی ہو رہا تھا۔

پھر جیسے مسز ملک کو اس کے لفظوں کی سچائی پر یقین سا آ گیا۔ اس نے "اوہ ارسلان یو آر گریٹ!" کہتے ہوئے خود کو ارسلان پر ڈھیر کر دیا اور خاصی دیر تک اسے خراج تحسین پیش کرتی رہی۔

○ ○ ○

بھنڈر زخم خوردہ سانپ کی طرح تلملا رہا تھا----!

ملک صاحب نے پارٹی میں اس کی پوزیشن زیرو کر کے رکھ دی تھی۔ جب وہ پارٹی میں موجود تھے تب بھی بھنڈر کی ایک نہیں چلتی تھی اور وہ بے بسی سے سوائے ملک صاحب کے اپنے دوستوں کی محفل میں لعن طعن کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اب جب کہ قسمت نے اسے موقع دے ہی دیا تھا اور ملک صاحب نے اچانک فلور کراسنگ کر لی تھی تو بھی وہ ان کے خلاف کچھ نہیں کر پایا تھا۔

سٹوڈنٹ سیاست کے ذریعے وہ جو کھیل کھیلنے جا رہا تھا وہ بھی اب اس کی سبکی کا باعث بن گیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ سیاست میں اپنی اہمیت منوانا ہی فن ہے۔

جب تک وہ اپنی اہمیت تسلیم نہیں کرواتا' کوئی اسے تسلیم نہ کرتا۔

اس نے سٹوڈنٹ ونگ پر قبضہ جما کر بظاہر "سٹوڈنٹس پاور" کو اپنا ہتھیار بنانے کی پلاننگ کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ملک کو کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے' وہ بھی ان طلباء کے ذریعے ہی اپنا گندا کھیل رچائے ہوئے تھا اور اس کی اہمیت بھی ان ہی کی وجہ سے تھی۔

لیکن----!

یہاں تو الٹا آنتیں گلے کو آ رہی تھیں۔ ایک ہی جھٹکے نے اس کے کس بل نکال دیئے تھے۔ انقلابی فیڈریشن کے ذریعے اس نے ملک کے حامی گروپ پر جو حملہ کیا تھا' اس کا جواب ایسا بھرپور تھا کہ بھنڈر چاروں شانے چت ہو گیا۔

الیکشن کا اعلان ہونے والا تھا----!

پارٹی ٹکٹوں کی تقسیم کے لیے وزیراعلیٰ اپنے ساتھیوں سے الگ الگ مشاورت کر رہا تھا۔ بھنڈر کو اور کسی میدان میں تو برتری حاصل نہیں تھی' لیکن پارٹی کے سنٹرل سیکرٹریٹ پر اس نے اپنی گرفت ضرور مضبوط کر رکھی تھی۔

اراکین پارٹی کے ذریعے ہی نہیں---- بلکہ پارٹی کلرکوں کے ذریعے' اعلیٰ عہدیداروں

کے سیکرٹریوں کے ذریعے وہ پارٹی کے اندر ہونے والے فیصلوں سے باخبر رہتا تھا۔

اور----!

ان ہی لوگوں کے ذریعے یہ بات اس کے کانوں تک پہنچی تھی کہ پارٹی کی خفیہ میٹنگز میں اسے مدعو نہیں کیا جا رہا تھا' ان میٹنگوں میں ٹکٹوں سے متعلق جو فیصلے کیے جا رہے تھے ان میں بھنڈر کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جا رہی تھی۔ جس طرح وہ خود کو "ملک صاحب ثانی" ثابت کرنے جا رہا تھا---- اس کی یہ حیثیت کوئی نہیں مانتا تھا۔

پھر وہ اپنی حیثیت کیسے منوائے----؟

یہ اس کی غیرت اور مردانگی کے شایان شان نہیں تھا۔ وہ تو مستقبل میں پارٹی قیادت اپنے گروپ کے ذریعے قبضہ جمانے کی فکر میں تھا اور اگر اس کی مرضی کے دس آدمیوں کو ٹکٹ نہیں مل سکتا تو اس کا جینے کا کیا؟

بھنڈر کی مردانگی نے جوش مارنا شروع کر دیا تھا اور اس نے صوبائی قیادت کو اپنے وجود کا احساس دلانا ناگزیر سمجھنا شروع کر دیا تھا اور یہ احساس اس طرح دلایا جا سکتا تھا کہ وہ پارٹی کی اعلیٰ قیادت کے لیے مسائل کھڑے کر دے۔

یہی سیاست تھی یہاں کی----!

یہی چلن تھا مروجہ سیاست کا کہ اپنی اہمیت منوانے کے لیے تمام اخلاقی' اصولی اور قانونی ضابطوں کو جہنم رسید کر کے بدمعاشی اور غنڈہ گردی کے ذریعے اپنا آپ منوایا جائے۔

کچھ ایسا کر کے دکھایا جائے کہ انتظامیہ کو ناکوں چنے چبوا دیئے جائیں اور پھر حاتم کی قبر پر لات مار کر اپنے ہاتھوں لگائی آگ پر خود ہی پانی ڈال کر اسے بجھا بھی دیا جائے۔

مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے اس تباہی کا ماتم بھی کیا جائے تاآنکہ پارٹی حلقوں میں اس کے نام کی دھوم بجنے لگے اور قیادت یہی سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ معزز ممبر پارٹی جب چاہے مسائل کو پلک جھپکتے ختم کر سکتا ہے۔

یہی کچھ تو ملک صاحب کرتے تھے---- پہلے کرائسس کھڑا کرتے' پھر آگے بڑھ کر اسے ختم بھی کر دیتے۔

بھنڈر جانتا تھا سوئے ہوئے بچے کا منہ چوسنے سے کوئی کسی کی اہمیت تسلیم نہیں کرتا۔

کوئی ہنگامہ' کوئی دھوم دھڑکا' کوئی چھوٹی موٹی سی بدمعاشی ضروری تھی۔ اس کے بغیر بھنڈر کا رعب داب کیسے قائم ہوتا!

تو پھر----!

کچھ ہونا چاہیے تھا---- کچھ بھی---- فوری طور پر---- ورنہ ٹکٹوں کا فیصلہ ہو جاتا

اور بھنڈر صاحب ناکارہ برتن کی طرح پارٹی کی آخری صفوں میں کہیں پھینک دیئے جاتے۔

"او کے!" اس نے دل ہی دل میں کہا اور ایک شیطانی منصوبہ اس کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگا۔

○ ○ ○

آج اس نے اس سلسلے میں ہنگامی میٹنگ طلب کی تھی۔

گجر گروپ کے پانچ مشٹنڈے سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھے تھے اور بھنڈر کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

"میں نے ساری زندگی تمہیں فیڈر سے دودھ پلانے کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ ذرا ہاتھ پیر ہلاؤ---- تمہاری وجہ سے ہمیں بہت ذلالت اٹھانا پڑی---- الیکشن سر پر آ رہا ہے۔ اگر کچھ نہیں کر سکتے تو میری جان چھوڑو اور اس بات کا خیال رکھنا کہ اگر میرا گروپ کمزور پڑ گیا تو ساری زندگی جیلوں میں پڑے سڑتے رہو گے۔ پولیس ایسے ایسے گڑھے مردے اکھاڑے گی کہ پھر....."

"سر جی آپ حکم کریں۔ انشاء اللہ شکایت کا موقعہ نہیں ملے گا۔" ایک چرسی نے اونگھتے ہوئے کہا۔

"میں خاک حکم کروں۔ تم کیا منہ میں انگوٹھا لے کر بیٹھے ہو حکم کے بچے....."

بھنڈر نے مغلظات بکتے ہوئے کہا۔

"بس بس بھنڈر صاحب۔ بہت ہو گئی---- اب ہم آپ کو کچھ کر کے ہی دکھائیں گے۔ میں نے آپ کی ہدایت پر ذرا ہاتھ نرم رکھا ہے ورنہ فوید گروپ کو تو ہم سانس نہ لینے دیں۔"

گجر کو جوش آ گیا۔

"باتیں ہی کرتے رہنا۔ کچھ کر کے بھی دکھاؤ۔" بھنڈر صاحب کے ساتھ ایم پی اے نے کہا۔

"دیکھیے جناب۔ اب ایسی بات نہ کریں۔ میرے لڑکوں نے آپ کے حکم پر کبھی پیٹھ نہیں دکھائی----!" گجر نے خود پر مشکل سے قابو پایا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ کل سے کام شروع کر دو اور ہاں اس مرتبہ براہ راست ملک کی خبر لو۔ کسی بات کی پروا نہ کرنا۔ بس اپنے آدمی درمیان میں نہ آئیں۔ اگر کوئی پکڑا جائے تو دے دلا کر کام چلانے کی کوشش کرنا۔ اگر بات نہ بنے تو تب مجھے بتانا---- ان وکیلوں والوں کی وجہ سے ہمیں

بہت زک اٹھانا پڑی ہے اور تم لوگ ابھی تک کچھ نہیں کر سکے---- یہ رکھ لو۔ ضرورت ہو تو اور لے جانا-----!"

بھنڈر نے بریف کیس سے نوٹوں کے دو بنڈل نکال کر گجر کی طرف یوں پھینکے تھے جیسے کتے کے سامنے چھیچھڑے ڈالے جاتے ہیں۔ گجر نے بھی انتہائی بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نوٹ اٹھا لیے اور گنے بغیر اپنی جیکٹ کی جیبوں میں اڑس لیے اور وہاں سے چل دیا۔

اس کے پیچھے اپنے استاد کے تعاقب میں چل دیئے تھے۔

○ ○ ○

نوید اور اس کے گینگ نے چند روز پہلے ہی شہر میں ایک موقعے کا پلاٹ تاڑا تھا۔ پلاٹ کسی بیوہ کی ملکیت تھا جس پر ایک کرائے دار قابض تھا۔ یہ قابض کسی سرکاری محکمے میں کلرک قسم کی کوئی چیز تھا اور اپنے انکماتی تعلقات کی آڑ میں بیوہ کے لیے باعث عذاب بنا ہوا تھا۔ جس مال دار بیوہ کا وہ کرایہ دار تھا۔ اس کے تین جوان بیٹے ملک سے باہر موج میلہ کر رہے تھے اور کلرک بادشاہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب وہ کبھی اپنی ماں کی خبر لینے نہیں آئیں گے۔ وہ خود ایک معمولی فلیٹ میں زندگی کے دن پورے کر رہی تھی اور اس کی ڈیڑھ کنال جگہ پر کلرک بادشاہ قابض تھا۔

جب بیوہ کو احساس ہوا کہ اس جگہ کی وہ اچھی خاصی قیمت وصول کر سکتی ہے تو اس نے محفوظ مستقبل کے لیے کچھ اثاثہ جمع کرنا ضروری جانا کیونکہ اسے پہاڑ ایسی زندگی ایسے ہی کاٹنی تھی۔ بیٹوں کے لیے اس نے بیوگی کے ایام کانٹوں کی سیج پر گزارے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے امریکہ بھاگ گئے اور اب لوٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ دو کا تو بے چاری کے پاس ایڈریس بھی نہیں رہا تھا۔

جب اس نے کلرک بادشاہ کو مکان خالی کرنے کا نوٹس دیا تو کلرک نے خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ بھی کمشنر آفس میں کام کرتا تھا اور ہر محکمے سے اس کی سُر تھی۔ بیوہ نے ایک آدھ وکیل سے مشورہ کیا تو فیس سن کر ہی ڈر گئی۔ اب اس کے پاس سوائے صبر و شکر کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ جب اچانک نوید گروپ کے غنڈوں کی نظر میں وہ آ گئی' کیونکہ یہ لوگ گدوں کی طرح ایسے ضرورت مندوں کی بو سونگھتے پھرتے تھے۔ انہوں نے بیوہ سے اونے پونے داموں مارکیٹ سے قریباً نصف ریٹ پر مکان خرید لیا۔ اس بے چاری نے بھی "ساری جاتی دیکھیے تو آدھی دیجیے چھوڑ" کے مصداق جو کچھ ملا' صبر شکر کر کے وصول کر لیا اور زمین ان لوگوں کے نام

لکھ دی۔ اب انہیں زمین خود خالی کروانا تھی۔

وہ جانتے تھے کہ کلرک بادشاہ نے بھی عدالت میں اپیل کر رکھی ہے اور "سٹے آرڈر" لیا ہوا ہے' لیکن ان کے لیے یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا۔ اس سے پہلے ایک عرصے سے وہ یہی کچھ کرتے آ رہے تھے۔

اگلے ہی روز وہ بندوقیں پستولیں لے کر کلرک کے ہاں جا دھمکے اور اسے ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر مکان خالی کرنے کا نوٹس دیا بصورت دیگر حالات کی ذمہ داری اس پر عائد ہو گی' کی دھمکی دے کر لوٹ آئے۔

کلرک بھی جرائم پیشہ آدمی تھا۔ ساری زندگی اس نے حلال کمائی کا منہ نہیں دیکھا تھا اور اتنی کچی گولیاں بھی نہیں کھیلی تھیں کہ ایک ہی دھمکی سے مار کھا جاتا۔ جس سیٹ پر وہ کام کر رہا تھا یہ بٹاوں کی سیٹ تھی جہاں اکثر اس کی چاندی بنی رہتی تھی۔ شاید ہی اس شہر کے کسی تھانے کا انچارج ایسا ہو گا جس نے ایک آدھ مرتبہ اپنے کسی نکمانہ کام کے لیے اس سے رجوع نہ کیا ہو۔

پہلے تو اس نے چاہا کہ پولیس کے ذریعے ان کی ٹھکائی کروائے لیکن جب پولیس والوں نے دیکھا کہ مقابلہ "سٹوڈنٹس مافیا" سے ہے تو انہوں نے معذرت کر لی۔

کلرک بادشاہ نے ہار نہیں مانی تھی----!

دو تین مرتبہ نوید گروپ کے آدمی اس کے بیوی بچوں کو ذرا دھمکا چکے تھے اور ایک "پھینٹی" بھی اسے لگا دی تھی' لیکن یہ شخص بھی نجانے کس مٹی کا بنا تھا کہ ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

اس روز اچانک ہی کلرک کو ایک خیال آیا کہ وہ سانپ کو سانپ سے کیوں نہ ٹکرا دے اور اس نے ایسا ہی کیا۔

اخبارات تو وہ مستقل اور مفت پڑھتا رہتا تھا اور یہ بات اس کے علم میں تھی کہ انقلابی فیڈریشن کے دو گروپ بن چکے ہیں۔ اس نے کسی نہ کسی طرح بھاگ دوڑ کر کے گجر گروپ سے رابطہ کر لیا اور ابتدائی قسط بھی انہیں پہنچا دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس کی مدد کریں تو مکان خالی کرنے کے جو تین لاکھ روپے وہ وصول کرنے جا رہا ہے' اس میں سے کم از کم ایک لاکھ انہیں بھی ادا کرے گا۔

گجر گروپ نے اپنی جنگ کا آغاز اس کیس سے کیا۔ کلرک بادشاہ نے انہیں بتایا کہ آج شام کو نوید گروپ کی طرف سے اسے آخری وارننگ ملی ہے تو گجر نے اپنے تین چار لڑکے بندوقیں دے کر کلرک کے پاس بٹھا دیئے۔

شام کو نوید گروپ کے لوگوں نے جب مکان پر ہلہ بولا تو جواب میں کلاشنکوفوں کی فائرنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ نوید گروپ کے لوگ بھی یہاں شادی میں شرکت کرنے تو آئے نہیں تھے' انہوں نے بھی بندوقیں سیدھی کر لیں۔ دونوں طرف سے مقابلہ شروع ہو گیا۔

پولیس حسب روایت تماشہ دیکھتی رہی۔

سیانے پولیس آفیسر جانتے تھے کہ اس کوکلوں کی دلالی سے منہ کالا کرنے کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ انہوں نے بڑی ایمانداری سے غیرجانبداری کی پالیسی پر سختی سے عمل کیا اور دونوں گروپوں کو اپنے حال پر چھوڑ کر خود تتر بتر ہو گئے۔

پندرہ بیس منٹ تک دونوں ایک دوسرے پر کم اور ہوا میں زیادہ گولیاں چلاتے رہے۔ بالآخر گوہر مقصود اس طرح ہاتھ آیا کہ نوید گروپ کے حملہ آوروں کی فائرنگ سے ایک سیدھی راہ گیر مارا گیا جب کہ دو بچے خوفزدہ ہو کر بھاگ رہے تھے' وہ زخمی ہو گئے۔

○ ○ ○

جب میدان صاف ہوا اور دونوں گروپوں کے "سورے" اپنا اپنا کام کر کے چپت ہو گئے۔ لوگوں نے دونوں زخمی بچوں اور قریب المرگ شخص کو ہسپتال میں پہنچا دیا تو پولیس کے جیالے رندناتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے بازار میں مورچے سنبھال لیے۔

حملہ آور چونکہ کلرک کے گھر پر فائرنگ کرنے آئے تھے اس لیے پولیس کے ذمہ دار افسر نے اسی کے گھر کا رخ کیا۔

کلرک بادشاہ کو اس نے پہلی نظر میں ہی پہچان لیا تھا۔ اس نے تو دو مرتبہ اس افسر کا تبادلہ کینسل کروایا تھا۔

"شاہ جی! آپ؟ یہ کیا چکر ہے بادشاہو؟ کیا مسئلہ ہے؟"

اس نے کلرک بادشاہ کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا جس کی خوف سے رنگت پیلی پڑ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی کلرک بادشاہ کے ہاں بہت سے ذمہ دار آفیسرز جمع ہو چکے تھے۔ ان ذمہ داروں میں صوبائی لیگ کے مقامی صدر بھنڈر صاحب کے خاص آدمی بھی موجود تھے۔

"شاہ جی! کسی بات سے گھبرانا نہیں۔ ٹھوک کر بیان دو۔ ان غنڈوں کی اصلیت بے نقاب کر دو جنہوں نے اس شہر کا امن و امان تباہ کر رکھا ہے۔ یہ لوگ ملکی سالمیت سے کھلونے کی طرح کھیل رہے ہیں۔ ایسے حرام خوروں کو سزا ملنی چاہیے۔ طلباء برادری کے نام پر یہ دھبہ

ہیں۔ یہ طالب علم نہیں غنڈے ہیں غنڈے....."

"اور کیا جناب! ہمارا تو جینا دشوار کر دیا ہے انہوں نے۔" ایک اور سیاسی ورکر کو جوش آ گیا۔ "آئے روز فائرنگ' آئے روز فائرنگ۔ جانے انتظامیہ کے کان پر جوں کیوں نہیں رینگتی۔"

"انہیں تو تب ہوش آئے گا جناب جب یہاں سو دو سو لاشیں پھڑک رہی ہوں گی۔ ایک دو آدمیوں کے مرنے سے بات نہیں بنے گی۔ خدا جانے ان لوگوں کے ضمیر مر گئے ہیں۔ انہیں کیا مجبوری ہے کہ یہ قانون کا تقدس ہی بحال نہیں کروا سکتے۔۔۔۔؟" ایک سماجی ورکر نے موقع کا فائدہ اٹھایا۔

"حضرات! میری بات کان کھول کر سن لیجئے۔ اگر ہم نے احکامات خداوندی سے اس طرح پسماندگی جاری رکھی۔ اگر ہم نے مظلوموں کو اکیلا چھوڑ دیا۔ اگر ظالم اور وحشی درندے اس طرح رندناتے رہے اور شرفاء کی پگڑیاں اچھالتے رہے تو خدا کی قسم ہم پر خدا کا عذاب نازل ہو گا کہ پھر شاید ہماری داستان تک داستانوں میں باقی نہ رہے۔"

مقامی مسجد کے مولوی صاحب کی جو آئے روز طلباء کی غنڈہ گردیوں سے تنگ آ چکے تھے' غیرت ایمانی نے جوش مارا۔

"جناب والا! یہ سب کچھ ہماری کمزوری کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اگر ہم لوگ مل جائیں۔ ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر چلیں۔ ایک دوسرے کے دکھ تکلیف میں کام آئیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان غنڈوں کو کھل کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔" ایک دانشور قسم کے صاحب بولے۔

اس دوران مقامی لیڈر صاحب اپنے گھر کا ایک چکر لگا کر واپس آ چکے تھے۔ انہوں نے یہ چکر بے مقصد نہیں لگایا تھا۔ وہ ہجوم کے موڈ کی اطلاع بھنڈر صاحب کو دے آئے تھے۔ اور ان سے تازہ ہدایات لے کر اب یہاں اپنی "راج نیتی" کے جوہر دکھانے آئے تھے۔

"ایس پی صاحب! آپ نے خود کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ گذشتہ آٹھ دس روز سے یہ لوگ یہاں روزانہ اودھم مچا کر چلے جاتے ہیں اور آپ کی پولیس اپنے منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھی ہے۔۔۔۔ آپ صرف اس لیے ان غنڈوں پر ہاتھ نہیں ڈال رہے کہ انہوں نے طالب علموں کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور درسگاہوں کی آڑ میں بدمعاشی کے اڈے جما لیے ہیں' لیکن ایس پی صاحب! بھولے بادشاہ یہ طالب علم نہیں ہیں۔ میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کسی کالج میں نہیں پڑھتے۔ انہوں نے علم کے طلب گاروں کو بدنام کر دیا ہے۔ یہ طلباء نہیں ہیں۔ ان کی آڑ میں بدمعاشی کرنے والے غنڈے ہیں اور آج ہم دیکھیں گے کہ یہ بچ کر کیسے جاتے ہیں۔" انہوں نے

تازہ تازہ چارج سنبھالنے والے ایس پی کے وہ لتے لیے کہ بے چارہ دیکھتا ہی رہ گیا۔

نوجوان ایس پی جس نے حال ہی میں اعلیٰ سول سروس میں اعزاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی تھی اور حال ہی میں پولیس سروس جائن کی تھی' اس اچانک صورت حال پر گڑبڑا کر رہ گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ وہاں موجود مجمع کو ٹھنڈا کرتا۔ بھنڈر کے "جیالوں" نے جو اب یہاں پہنچ گئے تھے' اپنا کام شروع کر دیا۔ یہ لوگ جلوس کی شکل میں اکٹھے ہوئے اور مقامی ہسپتال کی طرف چل دیئے۔ انہوں نے یہاں سے مقتول راہ گیر کی لاش حاصل کی اور مرکزی لیگ کے ساتھ مختلف اخبارات کے سامنے کھڑے ہو کر "سیاپا" شروع کر دیا۔ یہ لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر نعرے بلند کرتے ہوئے نوید اور اس کے ساتھ غنڈوں کو قاتل قرار دے کر ان کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔

خدا جانے انہوں نے پانچ دس ہولڈنگ کارڈز کیسے تیار کر لیے تھے جن پر ان کے مطالبات بھی درج تھے۔

بھنڈر کو ایک ایک لمحے کی خبر پہنچ رہی تھی اور وہ اپنی کامیابی پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ قدرت نے جیسے اچانک ہی اسے یہ "بونس" دے دیا تھا۔

شاید نوید گروپ کے لوگوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ گجر گروپ ان سے ٹکرا جائے گا ورنہ پلاننگ ذرا بہتر کرتے۔

○ ○ ○

ملک صاحب کے لیے بڑی پریشان کن صورت حال تھی----!

انٹیلی جنس کی رپورٹ جیسے ہی مرکز میں پہنچی۔ پارٹی کے وزیر صاحب نے ملک صاحب کو سوتے سے بیدار کر دیا۔

"ملک صاحب یہ کیا ہو گیا حضور! ہم تو مارے جائیں گے۔ چیئرمین صاحب کبھی اس غلطی کو معاف نہیں کریں گے۔ یہ آپ کے لونڈوں کو کیا سوجھی؟ ادھر الیکشن سر پر کھڑا ہے اور ہم کوئی بہتر موقع تلاش کر رہے ہیں کہ جیسے ہی عوام اپوزیشن کے خلاف موبلائز ہوں' ہم الیکشن کا ڈول ڈالیں اور آپ کے لونڈے یہاں ہماری جڑوں میں پانی ڈالنے کا بندوبست کر رہے ہیں-- ہوش کریں ملک صاحب کہیں ہمیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔"

شاید وزیر صاحب کو پارٹی چیئرمین کی طرف سے اچھی خاصی ڈانٹ ڈپٹ ہوئی تھی اور اب وہ اپنا غصہ ملک صاحب کی طرف منتقل کر رہے تھے۔

"میں ابھی لوٹا ہوں چوہدری صاحب! مجھے کچھ خبر نہیں کہ واقعہ کیا ہوا ہے۔ ایک اخبار نویس دوست نے سب کچھ بتایا ہے۔ بے فکر رہیں۔ میں بندوبست کرتا ہوں--- بلاتا ہوں لڑکوں کو۔ ابھی تو مجھے حالات کا صحیح علم ہی نہیں ہوا کہ ہوا کیا ہے؟"

ملک نے موقعے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے لہجہ دھیما ہی رکھنا مناسب سمجھا۔ وہ ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا اور معاملات کی تہہ میں اتر جانے والا۔

"ٹھیک ہے ملک صاحب۔ جیسے بھی ممکن ہو اس معاملے کو یہیں روکیے۔ خدا کے لیے کچھ ہماری عزت کا خیال کریں۔ ان لڑکوں کی باگیں ذرا کس کر رکھیں۔ الیکشن تک صبر کر لیں ملک صاحب' پھر پانچ سال تک جو جی چاہے کرتے رہیں' لیکن خیال رہے کہ ان حالات میں چیئرمین صاحب ہماری کوئی غلطی معاف نہیں کریں گے۔"

"خدا حافظ!" ملک صاحب نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی فون پر ان کی انگلیاں چلنے لگیں۔ اخبارات میں اپنے دوستوں سے انہوں نے معاملات کی اصلیت اور اہمیت دریافت کی۔ سوائے دو اخبار نویسوں کے اور کسی نے بھی تعاون کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی کیونکہ صورت حال بہت سنگین تھی۔

لوگ پہلے ہی طالب علموں کا لبادہ اوڑھ کر غنڈہ گردی کرنے والوں سے تنگ آ چکے تھے اور اب ان کی فائرنگ سے ایک بے گناہ مارا گیا اور دو معصوم بچے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھے۔

ملک کا پارہ آسمان کو چھونے لگا جب اس کے ملازم نے نوید کی آمد سے اسے مطلع کیا۔

"گدھے--- الو کے پٹھے!! یہ کیا کر دیا تم لوگوں نے؟ میں نے تمہیں کتنا سمجھایا تھا کہ میرے علم میں لائے بغیر کوئی کام نہ کرنا--- اور ---- اور اس پر تم یہاں بھی منہ اٹھا کر چلے آئے۔ گدھے! اگر پولیس نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو--- اور میرے خدایا! تمہاری عقل کیا گھاس چرنے گئی ہے.....؟ اس نے غصے میں نوید کو گالیاں بھی بکنی شروع کر دیں۔

نوید کے لیے ملک صاحب کا یہ لہجہ اور سلوک چونکا دینے والا تھا۔

غصے سے اس کا خون کھول اٹھا۔

لیکن----!

اس نے فی الوقت جذبات پر قابو پانے میں ہی مصلحت جانی اور خاموشی سے سر جھکائے ملک صاحب کو ہذیان بکتے سنتا رہا۔

"ملک صاحب! پہلے میری بات سن لیں' پھر جو جی چاہے کہتے رہیں۔" بالآخر اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا

"ہاں بکو! کیا بہانہ کرو گے----؟" ملک ابھی تک ابنارمل تھا۔

"دیکھیے ملک صاحب! پہلی بات تو یہ ہے میں یہاں اکیلا اور چھپ کر آیا ہوں۔ مجھے [illegible] نے یہاں آتے نہیں دیکھا۔ میں رکشہ میں بیٹھ کر آیا ہوں اور دوسری بات یہ کہ ہمیں چال [illegible] پھنسایا گیا ہے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ حرام خور کلرک بھنڈر [illegible] لڑکوں سے رابطہ قائم کر لے گا---- ملک صاحب! مگر کے لڑکوں نے فائرنگ کی ہے۔ ہم تو [illegible] بچانے کے لیے گولیاں چلا کر بھاگ رہے تھے اور راہ گیروں اور بچوں کو بھی انہوں نے جان [illegible] کر گولیاں ماری ہیں---- ملک صاحب میں اس کلرک کا خون پی جاؤں گا۔"

وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔

"ہوں..... تو یہ بات ہے۔ اس بڈھے نے دانت نکالے ہیں---- دھوکے سے [illegible] ہے---- خیر! میں بھی اب اس سانپ کے دانت نکال کر ہی دم لوں گا۔ تم ایسا کرو جتنی جلد [illegible] ممکن ہو اپنے لڑکوں کے ساتھ روپوش ہو جاؤ۔ کسی بھی طرح یہاں سے دارالحکومت کی [illegible] نکل جاؤ' وہاں پناہ لے لینا اور میرا انتظار کرنا۔ خبردار کوئی گرفتاری نہ دے۔"

اس نے نوید کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"او کے سر!" نوید نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں یہ لیتے جاؤ۔"

اس نے نوٹوں کا ایک بنڈل اس کی طرف پھینک دیا۔

"ٹھہرو۔ ادھر سے نہیں ادھر سے۔" اس نے نوید کو مین گیٹ کی طرف جانے سے [illegible] ہوئے کہا۔

نوید کو اس نے کوٹھی کے عقبی حصے سے فرار کروایا تھا اور اب بڑی بے چینی سے اگلے حالات کی پلاننگ کر رہا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے اچانک ارسلان کی ضرورت محسوس کی۔

"ارسلان اب یہاں نہیں رہتا۔ اس نے اپنا گھر بنا لیا ہے۔" نجمہ بیگم نے [illegible] بتایا---- "اور وہ طلباء سیاست سے بھی علیحدگی اختیار کر چکا ہے جس کا اس نے ایک بھ[illegible] پریس کانفرنس میں اعلان بھی کیا تھا۔"

"نجمہ! حالات کو سمجھو۔ میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔" ملک نے زچ آنے والے انداز میں کہا۔

"دیکھیے ملک صاحب! ہمارے درمیان ایک شریفانہ معاہدہ موجود ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بزنس میں دخل نہیں دیں گے---- اس معاہدے کی خلاف ورزی آپ کرتے جا رہے ہیں۔ جو ہم دونوں کے لیے غلط بات ہے۔" اس نے کمال لاپرواہی سے جواب دیا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔" ملک کا ہاتھ اپنی مونچھوں پر چلا گیا۔

اس نے اچانک ہی ایک اور اہم فیصلہ بھی کر لیا تھا۔

اس فاحشہ سے جان چھڑانے کا فیصلہ----!

اب یہ عورت اس کے کسی کام کی نہیں رہی تھی۔ اس جیسی ایک اور ہوس کی ماری نجمہ اس نے دیکھ لی تھی۔

"او کے! میں دیکھتا ہوں مجھے کیا کرنا چاہیے۔" اس نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

○ ○ ○

کلرک بادشاہ اس وقت بھنڈر کے سامنے موجود تھا جو اس کے محلے میں رہنے والے لیڈر کے گھر پہنچ گیا تھا۔

"شاہ جی! ہم تو غلام ہیں آپ کے۔ کسی بات سے گھبرانا نہیں۔ کوئی مائی کا لال آپ سے یہ لاکھوں کی جائیداد نہیں چھین سکتا۔ شاہ جی! ہم جو ہیں بس ذرا بیان ٹھوک بجا کر لکھانا ہے۔ میں نے ڈی آئی جی سے بات کر لی ہے۔ سپیشل گارڈ آپ کی حفاظت کے لیے کھڑی کر دیں گے۔ پھر ہمارے اپنے لڑکے کیا کم ہیں---- اور ہاں یہ بھی رکھ لیجیے۔ ہم ذرا پکی دوستی کے قائل ہیں----!" بھنڈر نے ہزار کے دس نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے۔

دراصل انہیں عادت ہو گئی تھی کہ ان کا ہاتھ نوٹ دیکھتے ہی بے اختیار لپکتا تھا۔

"بس شاہ جی! اپنے بیان میں معمولی سا اضافہ کرنا ہے۔" بھنڈر نے مسکراتے ہوئے ایک چٹ اس کی طرف بڑھا دی۔

"یہ کیا ہے جناب----؟" شاہ جی نے حیرانگی سے پوچھا۔

"نمبر ہے پیر جی۔ نیلے رنگ کی پاجیرو گاڑی کا نمبر----!" اس مرتبہ بھنڈر کی بجائے گجر نے جواب دیا جو بھنڈر کے ساتھ ہی آیا تھا۔

"میں سمجھا نہیں جناب----!" کلرک بادشاہ نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

"شاہ جی! آپ نے اپنے بیان میں معمولی اضافہ کرنا ہے---- صرف ایک فقرے کا اضافہ۔ وہ یہ کہ آپ مکان کی چھت پر موجود تھے جب آپ نے نیلے رنگ کی پاجیرو سے جس کا نمبر آپ کے پاس موجود ہے نوید کو اترتے دیکھا۔" گجر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "نوید کو تو آپ پہچانتے ہی ہیں ناں----؟"

"اوہ بادشاہو! یہ بھی کوئی بات ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ ویسے بادشاہو! یہ نمبر ہے کس کا۔۔۔۔؟" اس نے دانت نکالتے ہوئے پوچھا۔

"چھوڑو پیر جی! کالے چور کا نمبر ہے۔ آپ کو اس سے کیا۔ آپ آم کھائیں۔۔۔ گٹھلیاں پولیس خود گنتی رہے گی۔ آپ کی کوئی کسی سے دشمنی تو ہے نہیں کہ اپ کسی کا نام لیں۔" گجر بھی سمجھ گیا تھا کہ بندہ اپنی لائن پر ہے۔ "اور پھر شاہ جی آپ کا تو یہ مسئلہ ہی نہیں۔ آپ نے تو صرف ٹیلے رنگ کی پاجیرو دیکھا ہے اور اس کا نمبر نوٹ کر لیا۔۔۔۔ مطمئن رہیں آپ کے علاوہ بھی تین چار لوگوں نے اس نیلی پاجیرو کو دیکھا ہے جس میں سے نوید باہر نکلا اور اس نے فائرنگ کی تھی۔۔۔۔ پاجیرو وہاں کھڑی رہی اور پانچ چھ منٹ تک نوید فائرنگ کرنے کے بعد اسی میں بیٹھ کر فرار ہوا' لیکن آپ نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا۔ آپ تو فائرنگ کی آواز سن کر چھپ گئے تھے۔ آپ نے تو صرف پاجیرو اور نوید کو دیکھا ہے۔۔۔۔!" بھنڈر کے ایک اور تھپڑ نے جو شکل ہی سے بیشہ ور گواہ لگتا تھا' کلرک بادشاہ سے کہا۔

"بے فکر رہو بادشاہو! ہم نے بھی دھوپ میں بال سفید نہیں کیے۔ ساری زندگی سرکاری دفاتر ہی میں جھک ماری ہے۔۔۔۔ ایسا بیان لکھواؤں گا کہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"اچھا ہم چلتے ہیں۔ ابھی انسپکٹر صاحب آئیں گے۔ آپ انہیں بیان لکھوا دیں۔" بھنڈر نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

گجر سمیت اس کے سارے چیلے جو اس کے ساتھ آئے تھے' باہر نکل گئے۔ یہ لوگ پولیس والوں کے آنے تک یہاں رکنا نہیں چاہتے تھے۔

"شاباش! پہلی مرتبہ کامیابی کا منہ دیکھا ہے' لیکن اس میں بھی تمہاری محنت سے زیادہ قسمت کا دخل ہے۔ نوید اور اس کے ساتھی اپنی جان چھپاتے پھر رہے ہوں گے۔ یہی موقعہ ہے کہ سالوں کو پیس کر رکھ دو۔۔۔ اور ہاں وہ کیا نام تھا اس ٹرانسپورٹر یونین والے کا۔۔۔۔ اس کو تو ایسا مزہ چکھانا کہ زندگی بھر دوبارہ اس پنگے میں منہ نہ مارے۔ سالا! بڑا لیڈر بنتا ہے۔ صبح یہ کام شروع ہو جانا چاہیے۔۔۔۔ ایسی کی تیسی کر کے رکھ دو سب کی۔۔۔۔ سالوں کو نانی یاد دلا دو۔ میدان خالی ہے بچو! میدان مار لو۔۔۔۔۔ یہ موقعے روز روز نہیں ملا کرتے۔ صبح ایسا ایکشن ہونا چاہیے کہ ملک اور اس کے کرتا دھرتا اپنا منہ چھپاتے پھریں۔ بس اب جاؤ۔۔۔۔ اللہ بیلی!" بھنڈر نے اپنی جیپ میں بیٹھتے ہوئے گجر کو الگ لے جا کر کہا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر اسے چڑھ جا سولی رام بھلی کرے گا کا مژدہ سنا کر جہنم میں جھونک دیا۔

○ ○ ○

دوسرے روز انقلابی فیڈریشن کے "گجر گروپ کا دن" تھا۔۔۔۔ ان لوگوں نے شام تک پورے شہر کی سڑکوں پر اودھم مچائے رکھا۔۔۔۔ شہر کے تمام اخبارات کے دفاتر کے سامنے انہوں نے ہنگامہ آرائی کی تھی اور نوید اور اس کے ساتھیوں کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کیا تھا۔ گجر گروپ نے دوپہر کو اپنے اہبی ٹیشن کا آغاز ایک پریس کانفرنس سے کیا جس میں الزام لگایا گیا کہ ایجنٹوں کی سربراہی ملک صاحب کر رہے ہیں اور اخبارات نے اپنی خبروں میں کلرک بادشاہ کے حوالے سے جو بیان شائع کیا ہے' اس میں کلرک بادشاہ اور دوسرے تین چار راہ گیروں نے جس نیلے رنگ کی پاجیرو کی نشاندہی کی ہے وہ ملک صاحب کی پاجیرو ہے۔ انہوں نے صوبائی قیادت سے اپیل کی تھی کہ اگر انہیں صوبے میں امن ؛ امان درکار ہے تو قاتلوں کو ان کے پشت پناہوں سمیت گرفتار کیا جائے۔ بصورت دیگر وہ خود معاملات کو ہاتھ میں لینے پر مجبور ہوں گے۔"

ملک کو گرفتار کرو۔۔۔۔!

قاتل قاتل ملک قاتل۔۔۔۔!

غنڈہ گردی ہائے ہائے۔۔۔۔ افسر شاہی نہیں چلے گا۔

طلباء کا مجرم ملک ہے۔۔۔۔!

اور ایسے ہی بے شمار نعروں کے ساتھ طلباء میدان میں نکل آئے۔

شام تک دو تین جگہ ان کا پولیس سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ انہوں نے صحیح معنوں میں پولیس کو ناکوں چنے چبوا کر رکھ دیئے تھے۔

جس ٹرانسپورٹر یونین نے کچھ عرصے پہلے نوید گروپ اور مرکزی لیگ کی حمایت کی تھی' ان کے ایک سٹینڈ پر حملہ کر کے طلباء نے تین چار ویگنوں کو پلک جھپکتے میں جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ وہ آندھی کی طرح آئے اور ویگنوں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا کر طوفان کی طرح چلے گئے۔ انہوں نے اڈے میں موجود قریباً تمام ڈرائیوروں کو مار مار کر بھرکس نکال دیا تھا۔

شام گئے بھنڈر صاحب کو وزیراعلیٰ نے خصوصی اجلاس میں مشاورت کے لیے طلب کیا تھا جہاں بھنڈر صاحب نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ طلباء کو ضرور قابو کر لیں گے' لیکن اس کے ساتھ انہوں نے ایک شرط بھی عائد کر دی تھی۔

"دیکھیے آئی جی صاحب! میں سیدھی بات کرنے کا عادی ہوں۔ پولیس کی ناانصافی کے خلاف طلباء کو احتجاج" میدان میں آنا پڑا اور اس کی وجہ آپ کے نالائق افسران ہیں۔ ملک صاحب کے لڑکے سارے شہر میں بدمعاشی کرتے پھر رہے ہیں اور کوئی ان پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔۔۔۔ آٹھ دس روز سے وہ لوگ اس غریب کلرک کے گھر پر فائرنگ کرنے آ رہے

تھے۔۔۔۔ انہوں نے اس بے چارے بے گناہ اور مظلوم کلرک پر قاتلانہ حملہ کیا اور آپ کسی کو گرفتار نہیں کیا۔ اب آپ کو ثبوت مل چکا ہے کہ یہ سب کس کا کیا دھرا ہے؟ آ جانتے ہیں جس پاجیرو میں بیٹھ کر وہ غنڈے جنہیں طالب علم کہنا علم کی توہین کرنے کے مترادف ہے' آئے تھے۔ اس کا مالک کون ہے؟ آئی جی صاحب! اس صوبے میں خدا کے فضل سے [illegible] مضبوط حکومت ہے اور ہم سینئر سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔۔۔۔ اگر کوئی اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ وہ ہمیں دبا لے گا تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ میں آپ سے صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ آپ کو بہرصورت ملک صاحب کو گرفتار کرنا ہو گا۔ یہی صورت ہے صوبے میں امن و امان قائم کرنے کی۔۔۔۔!" بھنڈر نے اپنی تقریر بڑے جذباتی انداز میں ختم کی تھی۔

"آپ کو اس بات میں اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے' آخر ان کے خلاف گواہیاں [illegible] ہیں اور ہم کسی سے ناجائز سلوک نہیں کرنے جا رہے۔ آئی جی صاحب لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال کو بہتر کیجیے۔ ہمیں کل عوام کی عدالت میں بھی جانا ہے' وہاں کیا منہ لے کر جائیں گے برائے مہربانی ان مصلحتوں کو ایک طرف رکھیے اور اپنا فرض ادا کیجیے۔" بھنڈر کے دوسرے ساتھی نے آئی جی کو لقمہ دیا۔

آئی جی نے ایک مرتبہ وزیراعلیٰ کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر الجھن کے آثار تھے لیکن پھر وزیراعلیٰ صاحب نے بھی اثبات میں گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے جناب۔ ہم اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کریں گے لیکن آپ ذرا طلباء کو سنبھالیے۔" آئی جی صاحب نے کہا۔

اور۔۔۔۔!

بھنڈر اپنے پلان کے مطابق پارٹی کی اعلیٰ کمان کو اپنی اہمیت کا احساس دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے گماشتوں کے ذریعے معصوم طلباء کو ورغلا کر سڑکوں پر نکال کر ان کو اور پولیس کو آپس میں ٹکرا کر لاء اینڈ آرڈر کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور اب خود ہی اس کھیل کو ختم بھی کرنے جا رہا تھا۔

اسے امید تھی کہ اب پارٹی قیادت ٹکٹوں کی تقسیم کا فیصلہ ذرا سوچ سمجھ کر ہی کرے گی۔

○ ○ ○

شام ڈھلے ملک صاحب کو مرکزی وزیر کا فون موصول ہوا تھا۔۔۔۔!

"ہماری اطلاع کے مطابق آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہونے والے ہیں۔ آپ نزدیک ترین فلائٹ سے دارالحکومت پہنچ جائیے۔ باقی معاملات یہیں طے کر لیں گے۔"

"اچھا تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔۔۔۔ بھنڈر کی یہ ہمت۔ ذات کی کوڑھ کرلی اور شہتیروں سے جھپے۔۔۔۔!" ملک صاحب کا خون کھولنے لگا تھا۔ آج زندگی میں پہلی مرتبہ انہیں کسی نے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تھا۔

"ملک صاحب پلیز حالات کو سمجھیے۔ فی الوقت خاموش رہنے ہی میں مصلحت ہے۔ آپ پلیز آدھ گھنٹہ بعد روانہ ہونے والی فلائٹ میں نکلیے۔ ہم آپ کو ایرپورٹ پر ریسیو کرنے آ رہے ہیں۔۔۔۔ اچھا خدا حافظ۔ فون پر زیادہ بات مناسب نہیں۔"

"خدا حافظ۔۔۔۔!" ملک نے فون بند کر کے گھڑی پر نظر ڈالی۔

اسے علم تھا کہ آدھ گھنٹہ بعد ایک فلائٹ دارالحکومت روانہ ہو گی۔ ایئرلائن میں اپنے ایک "خاص آدمی" کے ذریعے اس نے فرسٹ کلاس کی ایک سیٹ حاصل کر لی تھی۔

وہ بڑی افراتفری میں ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اپنے ڈرائیور کو اس نے کار پارکنگ سے ہی رخصت کر دیا تھا اور اب خود لاؤنج کی طرف جا رہا تھا۔ فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہو رہا تھا۔

ملک صاحب نے اپنا بریف کیس ایکسرے مشین پر رکھا اور کلیئر ہونے پر بریف کیس اٹھا کر نزدیکی ٹکٹ کاؤنٹر پر سیٹ نمبر لینے کے لیے آگے بڑھے۔ تین چار سفید پوشوں نے جو شاید ان ہی کے منتظر تھے' انہیں گھیرے میں لے لیا۔

"ہمارے پاس آپ کی گرفتاری کے وارنٹ ہیں جناب۔" ان میں سے ایک نے جو شاید ان کا آفیسر تھا' ملک صاحب کو مخاطب کیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔۔۔۔؟ ملک نے غصے سے انہیں ڈانٹ دیا تھا۔

"سر ہمیں غلط رویہ اپنانے پر مجبور نہ کیجیے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ جیسی محترم شخصیت کو ہتھکڑی لگا کر تھانے لے جاؤں۔۔۔۔!" آفیسر خاصا دلیر اور سلجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"او کے۔۔۔۔!" ملک صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے۔

جہاز رن وے سے اٹھ کر دارالحکومت کی طرف پرواز کر رہا تھا جب کہ ملک صاحب کو پولیس کی ایک جیپ کوتوالی کی طرف لے جا رہی تھی۔ اس جیپ میں نصب وائرلیس کے ذریعے یہ اطلاع دو تین جگہ پہنچا دی گئی تھی کہ مشن کامیاب رہا۔۔۔۔!

فاتح

جس روز کلرک بادشاہ کو تبادلے کے احکامات ملے' اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے۔ وہ مرکزی سرکار کا ملازم تھا جس نے ایک ترقی دے کر کلرک بادشاہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اسے فوراً رپورٹ کرنے کو کہا گیا تھا۔

خلاف توقع نوکری میں ایک ترقی نے اسے ضرورت سے زیادہ ہی خوش کر دیا تھا۔ اس کے پرانے ساتھیوں نے کہا تھا۔

"شاہ جی! مرکز میں نہ جاؤ۔ کوئی اور ہی چکر نہ چل جائے۔"

لیکن----!

شاہ جی اپنی افسری کی دھن میں کسی کو خاطر میں نہیں لا رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مرکز سے دوبارہ تبادلہ کروا کے اسی شہر میں واپس آنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بس ذرا رپورٹ ہی کرنی تھی اور اسی چکر میں مہینہ دو مہینے وہاں گزارنے تھے جس کے بعد وہ ہوتے اور افسری کے مزے۔

کلرک بادشاہ تیسرے ہی روز چارج لینے دارالحکومت میں اپنے مرکزی دفتر میں پہنچ گیا۔

پہلے روز تو اس نے معمول کے مطابق چارج ہی لیا تھا' لیکن دوسرے روز جب وہ اپنے اس رشتے دار کے گھر جہاں وہ قیام پذیر تھا' اپنے ہوٹل کی طرف جا رہا تھا تو اچانک ہی ایک جیپ کے ٹائر زور سے چرچرائے اور جیپ اس کے نزدیک آ کر رک گئی۔ اس سے پہلے کہ اسے کچھ سمجھ آتی' دو مضبوط ہاتھوں نے اٹھا کر اسے جیپ میں پھینک دیا۔

"کیا کیا بات ہے؟ کون ہو تم لوگ؟ کلرک بادشاہ کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ نجانے اس کے حلق سے کیسے یہ گھٹی گھٹی سی آواز برآمد ہوئی تھی۔ وہ چلانا چاہتا تھا لیکن خوف سے اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔

اپنے سوال کا جواب اسے زوردار تھپڑ کی شکل میں وصول ہوا تھا' اس کے ساتھ ہی

اسے سختی سے خاموش رہنے کی تنبیہ کی گئی۔

کلرک بادشاہ کو اب بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے دس منٹ کے اس راستے میں ہزار مرتبہ گڑگڑاتے ہوئے ان لوگوں سے نجانے کون کون سے واسطے دے کر قصور اور ان کا جغرافیہ جاننے کی خواہش کی تھی' لیکن یہ لوگ نجانے کس مٹی کے بنے تھے۔ وہ اس کی بات سننے کے بجائے اس کا تمسخر اڑا رہے تھے اور کبھی کبھی ایک آدھ چپت بھی اسے جما دیتے۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی کھلونا ان کے ہاتھ لگ گیا ہو۔

ایک شاندار عمارت میں وہ جیپ سمیت داخل ہوئے اور انہوں نے کلرک بادشاہ کو "ڈنڈا ڈولی" کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اٹھا کر ایک کمرے میں پھینک دیا تھا جس کو باہر سے لاک کر دیا گیا۔ کمرے میں صرف ایک قالین نما دری بچھی ہوئی تھی اور ایک کونے میں اس جیسا کوئی اور مصیبت زدہ بیٹھا اپنے زخم سینک رہا تھا۔

کلرک بادشاہ کے گرنے کی آواز جب دھپ سے بلند ہوئی تو اس نے گردن اٹھا کر "نئے شکار" کی طرف دیکھا اور دوبارہ اپنی پوزیشن میں واپس آ گیا۔

اس کے جسم پر کپڑوں کے نام پر چیتھڑے جھول رہے تھے اور چہرے پر ایسے نشانات پڑے تھے جیسے گزشتہ سال سے اسے سوائے مار کھانے کے اور کوئی کام نہ رہا ہو۔ داڑھی کے بے ترتیب بال یہ بتانے کے لیے کافی تھے کہ یہ اپنی مرضی سے نہیں رکھی گئی بلکہ گردش حالات نے چہرے پر جما دی ہے۔

"بھائی صاحب! بھائی صاحب!" شاہ جی نے سہمے سہمے لہجے میں اسے مخاطب کیا' لیکن وہ تو ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ بمشکل ان کی 'بھائی صاحب' بھائی صاحب" کی گردان پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہاجتی وحشت نے کلرک بادشاہ کر لرزہ کر رکھ دیا۔ یہ کون سی جگہ ہے؟ کون لوگ ہیں؟" کپکپاتے ہونٹوں سے دریافت کیا۔

جواب میں تلخ سی مسکراہٹ اس شخص کے چہرے پر نمودار ہوئی اور اس نے اپنی گردن دوبارہ جھکا لی۔

"جان لو گے---- جان لو گے---- لیکن فائدہ کیا؟ یہاں سے بچ کر تو جاؤ گے نہیں۔ کسی کو بتا تو سکو گے نہیں۔ پھر فائدہ کیا----؟ پھر فائدہ کیا----؟" وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے لگا۔

شاہ جی پر دوبارہ لرزہ طاری ہو گیا۔

انہوں نے سر کے بال دھوپ میں تو سفید نہیں کیے تھے۔ کلرک بادشاہ کو ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ یہ لوگ انٹیلی جنس کے تھے اور اب وہ بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے

صوبائی لیگ کے کہنے پر جھوٹا بیان دیا تھا۔ اس کے بعد سے تو یہ ممکن نہیں تھا کہ مرکزی پارٹی کے لوگ اسے یونہی چھوڑ دیتے۔ اس نے الیکشن کے نزدیک ان لوگوں کی ساکھ کو معمولی نقصان تو نہیں پہنچایا تھا۔

"اف میرے خدایا! میں تو مارا جاؤں گا۔" اس نے سوچا اور دل ہی دل میں کہا۔

"شاہ جی کچھ کرو۔ کچھ سوچو ورنہ بے موت مارے جاؤ گے۔" اس نے خود کو حوصلہ دیا اور پھر "یا مکاری تیرا ہی آسرا" کا نعرہ لگا کر آنے والے حالات کا منتظر ہو کر بیٹھ گیا۔

آدھ گھنٹہ تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ وہاں موجود شخص کا شاید ذہنی توازن خراب تھا کیونکہ اول تو وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتا تھا۔ اگر کچھ کہتا بھی تو ایسے فلسفیانہ انداز میں کہ کلرک بادشاہ کی فہم و فراست سے بالاتر ہوتا۔ آدھ گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور جن دو شکلوں پر کلرک بادشاہ کی نظر پڑی' اس نے تو بے چارے کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ یہ آدمی کم اور بھوت زیادہ نظر آتے تھے۔ لمبے تڑنگے' بڑی بڑی مونچھوں اور خونخوار آنکھوں والے۔

ان میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر کلرک بادشاہ کو گردن سے ایسے پکڑا تھا جیسے وہ کوئی ذبح ہونے والی مرغی کو پکڑ رہا ہو۔

"ادھر آؤ شاہ جی! سنا ہے بڑی گواہیاں دیتے ہو۔" اس نے شاہ صاحب کو جھٹکا مارا تو کلرک بادشاہ دوسرے پر جا گرا جس نے الٹے ہاتھ کا جھانپڑ اسے رسید کیا اور وہ چکرا کر رہ گیا۔ اسے یقیناً دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔

دونوں نے اپنے افسر اعلیٰ تک پہنچتے پہنچتے شاہ صاحب کی ایسی دھنائی کر دی تھی کہ اسے اپنی ہیئت بدلتی محسوس ہو رہی تھی۔

جیسے ہی اسے دونوں نے اپنے افسر اعلیٰ کے سامنے پیش کیا۔ کلرک بادشاہ نے "بچا لو۔ مجھے خدا کے لیے بچا لو۔ میری توبہ۔ آپ جیسے حکم دیں گے میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔" چلاتے ہوئے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

افسر اعلیٰ نے آنکھ کے اشارے سے دونوں کو باہر جانے کے لیے کہا اور کلرک بادشاہ کو پاؤں کی ٹھوکر مارتے ہوئے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔

"آیا دماغ ٹھکانے؟ اب پتہ لگا کہ جھوٹی گواہیاں دینے کا انجام کیا ہوتا ہے؟" افسر اعلیٰ نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"سمجھ گیا جناب۔ بالکل سمجھ گیا۔ جیسے آپ فرمائیں گے میں ویسے ہی کروں گا۔" اس نے گھگیاتے ہوئے ہاتھ باندھ دیئے۔

"اوئے میں نے تو سنا تھا تم بہت عقل مند اور بڑے جی دار ہو' لیکن تم تو پرلے درجے

کے گدھے اور بزدل نکلے۔ الو کے پٹھے اگر اتنا حوصلہ نہیں تھا تو پھر پنگا لینے کی کیا ضرورت تھی۔" اعلیٰ افسر نے اسے بے شمار گالیوں سے نوازتے ہوئے کہا۔

"غلطی ہو گئی مائی باپ۔" کلرک بادشاہ پر ابھی تک کپکپی طاری تھی۔

"غلطی کے بچے۔ مجھے تمہاری حالت پر رحم آ رہا ہے۔ بال بچے دار آدمی ہو اور سرکاری ملازم بھی ہو۔ ہمیں تو حکم ملا تھا کہ تمہیں گولی مار کر تمہارا مدعا ہی ختم کر دیا جائے لیکن میں خدا خوفی کرتے ہوئے تمہیں غلطی کے ازالے کا موقع دلاتا ہوں۔ حرام خور مرکزی محکمے کے ملازم ہو مگر تو نے ایسی جرأت کیوں کر لی۔ تو نہیں جانتا حکومت کے ہاتھ کتنے لمبے ہوتے ہیں۔"

پندرہ بیس منٹ تک اس نے شاہ صاحب سے منتیں کروائیں۔ پھر انہیں سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دی۔

تھوڑی دیر بعد شاہ صاحب کو چائے اور کیک پیٹری پیش کی جا رہی تھی جو بدقت تمام ان کے حلق سے نیچے اتری۔

اس اثنا میں وہاں مرکزی لیگ کا ایک نمائندہ بھی آ گیا۔ شاہ صاحب کو اس کی شکل جانی پہچانی دکھائی دے رہی تھی' لیکن اس وقت اسے یہ جاننے کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ شخص کون ہے۔ فی الوقت تو اسے ان موذیوں کے شکنجے سے خود کو آزاد کروانا تھا۔

جانی پہچانی شخصیت نے اسے ایک بیان ازبر کروایا جو اس نے ایک پریس کانفرنس میں جو آج سے تین چار روز بعد مرکزی دارالحکومت میں منعقد کی جا رہی تھی' میں دینا تھا۔ اس درمیان کلرک بادشاہ کے بیوی بچے اور گھر کا سارا سامان یہیں ایک مکان میں منتقل ہونا تھا جو اسے سرکاری ملازمین کے کوٹے میں الاٹ کیا گیا تھا۔

اس کی منتقلی کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

○ ○ ○

بھنڈر کا مقصد تو ملک صاحب کو ایک مرتبہ حوالات کی ہوا کھلا کر ان کی ہوا اکھاڑنا تھا جس میں اس نے بہرصورت کامیابی حاصل کر لی تھی۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ اگلے ہی روز ملک کی اعلیٰ عدالت سے ضمانت پر رہائی ہو گئی ہے تو اس نے اس خبر کا کوئی اچھا اثر قبول نہیں کیا۔ اس نے اپنی دانست میں اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کر لی تھی۔

لیکن۔۔۔!

ابھی اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ملک اس کے ساتھ کیا کرنے جا رہا ہے۔ اس

نے لاعلمی میں بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔

ملک صاحب جب ضمانت پر رہا ہو کر باہر آ رہے تھے تو مرکزی لیگ کے ہزاروں کارکن ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ اخبار نویسوں کی فوج ظفر موج اس کے علاوہ تھی۔

ملک صاحب نے ان کے تمام سوالات کے جواب بڑی خندہ پیشانی سے دیئے تھے اور اشارتاً" بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا کہ انہیں اس چکر میں کس نے پھانسا ہے۔ اخبار نویسوں نے ملک صاحب کی زبان سے بھنڈر کا نام اگلوانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی لیکن ملک صاحب نے---- ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی تھی اور یہی کہا تھا کہ وہ اوچھی حرکت کا جواب اپنی سطح سے اتر کر نہیں دے گا اور سیاست میں شرافت کا چلن نہیں بدلے گا۔ ملک صاحب نے اخبار نویسوں سے کہا تھا کہ وہ لوگ بہت جلد سچائی کو منظرعام پر آتا دیکھ لیں گے۔

اگلے روز پہلی فلائٹ سے ملک صاحب دارالحکومت روانہ ہو گئے۔

کلرک بادشاہ کا پلان انہوں نے بیس پیٹھ کر تیار کیا تھا اور اس ڈرامے کا ڈراپ سین کرنے جا رہے تھے۔

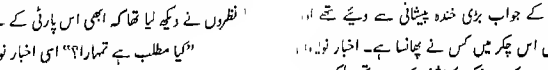

بڑے پیمانے پر پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں نہ صرف ملکی بلکہ غیرملکی اخبارات کے نمائندے بھی موجود تھے اور شاہ صاحب ایک بڑی کرسی پر میز کے سامنے براجمان تھے۔

ان کا بیان شروع ہوا اور تمام اخبار نویس گوش بر آواز ہو گئے۔

"میرا نام فقیر حسین شاہ ہے اور میں مرکزی محکمے کا ملازم ہوں۔ مورخہ ۳ ستمبر کو میرے آبائی شہر میں فائرنگ کا جو وقوعہ میرے گھر پر ہوا' وہ خالصتاً" غیرسیاسی تھا اور مکان کے لین دین کے تنازعے پر دو متحارب فریقوں میں جو دونوں سوئے اتفاق سے طلباء تنظیموں سے تعلق رکھتے تھے' فائرنگ ہوئی جس کے بعد صوبائی لیگ کے معزز عہدے دار بھنڈر صاحب نے مجھ سے رابطہ کیا اور مجھے مجبور کیا کہ میں پولیس رپورٹ میں ملک صاحب کا نام بھی شامل کرواؤں۔ اس ضمن میں مجھے لالچ بھی دیا گیا اور دھمکیاں بھی۔ میں ایک غریب اور دوسرے درجے کا ملازم پیشہ آدمی ہوں۔ اس لیے میرے پاس صوبائی لیگ کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔"

"تمہیں اپنا گزشتہ بیان بدلنے پر کس نے مجبور کیا؟" صوبائی لیگ کے ایک نمک خوار

اخبار نویس نے پہلا گولہ داغا۔

"ملک صاحب کی شرافت نے"۔ کلرک بادشاہ کا جواب گو کہ پہلے سے تیار شدہ سکرپٹ میں شامل نہیں تھا' لیکن وہ بھی حق نمک ادا کرنے پر قتل گیا تھا۔ یوں بھی اس کی زمانہ ساز نظروں نے دیکھ لیا تھا کہ ابھی اس پارٹی کے لیے حکومت کرنے کے خاصے مواقع موجود ہیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اسی اخبار نویس نے تلملا کر پوچھا۔

"جب ملک صاحب ضمانت کروانے کے بعد مجھے ملنے آئے تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میری ان سے کیا دشمنی ہے۔ ملک صاحب نے کہا۔ "شاہ جی جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں اس سے پہلے آپ سے نہیں ملا۔ اگر ملا بھی تھا اور نادانستگی میں کوئی غلطی کر بیٹھا تو آپ مجھے معاف کر دیں۔" مجھے تو یہ امید تھی کہ ضمانت کے بعد بھنڈر صاحب کی طرح مجھ پر اپنے پروردہ غنڈوں سے حملہ کروائیں گے کیونکہ وہ تو تھے بھی حق بجانب' لیکن میری توقعات کے بالکل برعکس جب انہوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا تو میری غیرت اور شرافت جوش میں آئی۔ مجھے تب اندازہ ہوا کہ میں بھنڈر صاحب کے کہنے پر کتنے بااصول اور عظیم انسان کی پگڑی اچھالی ہے۔"

"تمہاری اس پریس کانفرنس کا خرچہ کس نے برداشت کیا؟" ایک اور نمک خوار آگے بڑھا۔

"کیا آپ لوگ پریس کانفرنس میں آنے کے پیسے لیتے ہیں؟" شاہ جی کے جواب پر ساری محفل نے زوردار قہقہہ لگایا اور اس اخبار نویس کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"میرا عرض کرنے سے مطلب یہ تھا کہ اس میں خرچ والی بات ہی کیا ہے۔ میں نے اس پریس کلب کے سیکرٹری صاحب سے گزارش کی تھی کہ میں اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنا اور ایک اہم قومی راز سے پردہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ بطور اخبار نویس آپ اس قومی خدمت میں میرا ساتھ دیں کیونکہ الیکشن نزدیک آ رہے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ میرے کسی عمل کی وجہ سے عوام کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔"

شاہ صاحب کا ہر جواب نپلے پہ دہلہ تھا۔

"شاہ صاحب ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے سلسلے میں جناب کو ایک سرکاری کوارٹر بھی تو الاٹ ہوا ہے' اس سلسلے میں آپ کیا فرمائیں گے؟" ایک اور اخبار نویس دور کی کوڑی لایا۔

شاہ صاحب بھی مکمل تیاری کے ساتھ آئے تھے اور جو لوگ انہیں یہاں تک لائے تھے' انہیں بخوبی اندازہ تھا کہ شاہ صاحب پر کس کس کارنر سے حملے ہوں گے۔ انہوں نے اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائل کھولی اور اس میں سے ایک فوٹو سٹیٹ نکال کر اپنے قریب موجود پریس کانفرنس کے سیکرٹری کو تھما دی۔ اس کے بعد وہ اخبار نویس سے

مخاطب ہوئے۔

"اگر ۲۵ سال کی سروس کرنے کے بعد مجھے استحقاق کی بنیاد پر ایک کوارٹر الاٹ ہو گیا ہے جس کے لیے میں نے آج سے بارہ سال پہلے درخواست دی تھی جب میں اس شہر میں کلرکی کیا کرتا تھا تو یہ اصولاً کوئی غلط بات نہیں۔ اگر آپ نے اس میں بھی کیڑے نکالنے ہیں تو آپ کی مرضی۔"

شاہ صاحب کے اس جواب کے بعد اس مجمعے میں موجود صوبائی لیگ کے تنخواہ دار اخبار نویسوں کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا واسطہ بڑے کائیاں آدمی سے پڑا ہے جس کو سارے سبق زبانی یاد کروانے کے بعد ہی میدان میں اتارا گیا ہے۔

اگلے روز کے اخبارات کی چیخ چلاتی سرخیوں نے صوبائی لیگ کی سیاسی ساکھ کو زبردست دھچکا لگایا تھا اور بھنڈر کو تو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب وہ کس منہ سے پارٹی اجلاس میں شرکت کر سکے گا۔

ملک سے اتنے اچانک اور ایسے بھرپور جواب کی اسے توقع نہیں تھی۔ یہ بات وہ سمجھتا تھا کہ اگر کلرک بادشاہ کو اس نے سونے میں تول کر بھی ایک اور پریس کانفرنس کے لیے راضی کر لیا تو کوئی اس کی بات پر یقین نہیں کرے گا کیونکہ دوسری مرتبہ اپنا بیان بدلنے والے کو لوگ دروغ گو اور لالچی ہی کہہ سکتے تھے' اسے سچا سمجھنے کو کوئی تیار نہ تھا۔

پھر----!

یہ بھی تو ممکن تھا کہ ملک اگلی مرتبہ اس سے بھی تیز ہتھیار کے ساتھ حملہ آور ہوتا۔ کسی ایسے ہتھیار کے ساتھ جو اس کی سیاسی موت پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا۔

○ ○ ○

چھت پر بیٹھے فوٹو گرافر کو اگر کوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش بھی کرتا تو نہ دیکھ پاتا۔ یوں بھی آج تہوار کی وجہ سے مکانوں کی چھتوں پر خاصی رونق لگی ہوئی تھی اور نیچے لان میں موجود کسی شخص کے اس طرف دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

طاقت ور لینز اپنے کیمرے میں لگا کر فوٹو گرافر نے لان میں دھری تین کرسیوں کو فوکس کر رکھا تھا۔ ارسلان نے اسے کہا تھا کہ پیسے اس نے اپنی مرضی کے لیے ہیں' کام ارسلان کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے۔ "جناب فکر ہی نہ کریں۔ انشاء اللہ آپ خوش ہو جائیں گے۔" فوٹو گرافر نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اپنی پیشہ ورانہ اہلیت کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

"او کے------ میں چلتا ہوں۔"

آج اس نے نجمہ ملک کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی اور اسے بتایا تھا کہ وہ نازنین اور اس کی ماں مختاراں بائی کی ملاقات اس سے کروانا چاہتا ہے۔

نجمہ ملک خود کار چلا کر یہاں تک آئی تھی۔ ارسلان نے گھر کے دروازے پر جی جان سے اس کا استقبال کیا تھا۔ جیسے ہی وہ گھر کے مین دروازے سے اندر داخل ہوئی' کیمرہ حرکت میں آ گیا۔ اندر لان میں نازنین اور مختاراں بائی موجود تھیں جنہوں نے ارسلان سے بڑھ کر جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا۔

تینوں وہاں لان ہی میں بیٹھ گئیں اور ارسلان نوکر کو ہدایت دینے چلا گیا۔

اس نے اپنی نگرانی میں ان کی بے تکلفی سے گفتگو کی تصاویر بنوائیں تھیں اور جب وہ نوکر کے ہمراہ مشروبات لے کر واپس لان میں پہنچا تو احساس فتح سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس نے آج بڑا معرکہ سر کر لیا تھا۔

کافی وقت ان لوگوں نے آپس میں گپ شپ لگاتے گزارا۔ اس درمیان ارسلان کے کہنے کے مطابق نجمہ بیگم نے دونوں ماں بیٹی کو احساس دلا دیا تھا کہ وہ دونوں کو کبھی گرم سرد ہوا بھی نہیں لگنے دے گی۔ اس نے اشارے کنایے سے مختاراں اور اس کی بیٹی کو باور کرا دیا تھا کہ وہ بے دھڑک اپنا کام کرتی رہیں اور یہی ارسلان چاہتا تھا۔

فوٹو گرافر نے تین رول مکمل کر لیے تھے' جب نجمہ بیگم وہاں سے رخصت ہوئی۔ اسے کوئی زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ کیمرے میں نصب طاقتور لینز نے اس کا سارا کام بڑی آسانی سے کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ شخص جس نے اسے ہزار روپیہ دے کر اس سے صرف تین رول ایکسپوز کروائے ہیں اس کے کام سے ضرور خوش ہو گا۔ فوٹو گرافر کو قطعاً" اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ تین عورتیں کون ہیں نہ ہی اس نے یہ جاننے کی کوشش کی تھی۔ اسے تو یہ کوئی بڑا ہی بے وقوف نوجوان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کام جس کے لیے اس نے ایک ہزار روپیہ دیا تھا یہ تو کوئی بھی شخص مفت کر دیتا۔ یوں بھی اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ کوئی غلط تصاویر نہیں بنائی تھیں۔

لیکن----!

اس بات کی سمجھ اسے نہ آ سکی کہ آخر یہ شخص چاہتا کیا ہے؟

مسز ملک کی روانگی کے بعد ارسلان نے فوٹو گرافر سے تینوں ایکسپوز فلم رول لے لیے۔ اب وہ بجا طور پر خود کو فاتح کہہ سکتا تھا۔

"واہ ارسلان باؤ! تم نے تو کمال کر دیا۔ اتنے بڑے بڑے لوگوں سے تمہارے تعلقات

ہیں اس کا تو مجھے اندازہ ہی نہ تھا۔" مسز ملک کے واپس جاتے ہی مختاراں بیگم نے اس پر صدقے واری ہونا شروع کر دیا تھا۔

"تم دیکھتی جاؤ بی بی! ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اب تمہیں علم ہو گیا ناں کہ جو کام ہم کر رہے ہیں وہ اصل میں کس کا ہے۔ بس بے دھڑک ہو کر کام کرو۔ دو تین چکر بھی تم نے کامیاب لگا لیے تو سمجھو تمہارے وارے نیارے ہو گئے۔ بی بی! کروڑوں میں کھیلو گی' کروڑوں میں۔ جب تم اس شہر کی سڑکوں پر پاجیرو میں بیٹھ کر گھومنے نکلو گی تو سارے شہر کے شرفاء تمہیں جھک جھک کر سلام کیا کریں گے۔ بی بی! تمہارا ماضی کسی کو یاد نہیں آئے گا۔ تمہیں بھی نہیں۔ اپنے نام کے ساتھ کسی بھی اعلیٰ ذات کا اضافہ کر لینا۔"

ارسلان کی بات پر مختاراں نے زبردست قہقہہ بلند کیا تھا۔

○ ○ ○

ریاست شاہ کا تعلق اس خاندان سے تھا جو ملک کی آزادی کے بعد مسلسل رسم غلامی کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے پیشروؤں کی طرح ملک کی اعلیٰ ترین درسگاہ سے تعلیم حاصل کی تھی اور خاندانی روایات کے مطابق ہر وہ عیب اپنے اندر پیدا کر لیا تھا جو ایسے وڈیروں کے شایان شان ہوتا ہے۔

ڈاکو اور قاتلوں کو اپنے پاس پناہ دینا----!

معمولی رنجش پر کسی---- مخالف کی بہو بیٹی کو اغوا کروا دینا----!

اپنے علاقے کی بیورو کریسی کو ہر ممکن طریقے سے اپنے کنٹرول میں رکھنا۔ یہ وہ عادات تھیں جو اسے ورثے میں ملی تھیں۔

لیکن----!

ریاست شاہ نے خود کو انہی روایات کا پابند نہیں رکھا تھا۔ اس نے اپنی خاندانی روایات سے اوپر اٹھ کر ایک نئی جدت بھی اپنائی تھی اور کوشش کر کے اپنا تعلق ڈرگ مافیا سے بھی قائم کر لیا تھا۔

ریاست شاہ رہتا تو شہر میں تھا' لیکن اپنے گاؤں سے اس کی غیرموجودگی میں کوئی اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ کتوں کی دوڑ میں ہمیشہ اس کے کتے پہلی یا دوسری پوزیشن حاصل کرتے تھے۔ اس کے گھوڑے "ڈربی" میں ہمیشہ فیورٹ ہوتے تھے۔ درجنوں ملازم اس کے ان گھوڑوں اور کتوں کی نگرانی اور خدمت کیا کرتے تھے۔

اس شہر میں بہت کم خوش قسمت ایسے تھے جو اس کے کتوں اور گھوڑوں سے زیادہ بہتر زندگی گزارتے ہوں گے۔

نجمہ ملک اور ریاست شاہ کی ملاقات گھوڑوں کی ریس پر ہی ہوئی تھی۔ نجمہ ملک "ڈربی" میں شرکت کرنے آئی تھی۔ یہ ملاقات گو کہ اچانک تھی' لیکن دونوں نے پہلی ہی ملاقات میں انداز لگا لیا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں۔

ملاقات نے پھر ملاقاتوں کو جنم دیا۔

ریاست شاہ کو اسمبلی ممبری بھی اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملی تھی۔ انگریز کے دور سے یہ لوگ اسمبلیوں میں بیٹھتے چلے آ رہے تھے۔ عورت اور شراب اس کی زندگی کا لازمی جزو تھیں۔ نجانے اس کی زندگی میں کتنی عورتیں آئیں اور چلی گئیں۔ ان میں ملک کے بڑے بڑے مقتدر گھرانوں کی وہ شریف زادیاں بھی تھیں جو خوب سے خوب تر کی تلاش میں اس سے ٹکرائیں اور جسم و جان سے اس کی خدمت کرنے کے بعد جب یہ محسوس کرنے لگتیں کہ معاملہ اس سے آگے نہ بڑھے تو چپ چاپ علیحدگی اختیار کر لیتیں اور فاشائیں بھی تھیں جنہیں ایک رات میں ایک ایک مہینے جتنا حق الخدمت موصول ہوتا تھا۔

خاندانی شادی تو ریاست شاہ کے بزرگوں نے اس کی کالج کی تعلیم سے فوراً بعد ہی کر دی تھی' لیکن یہ بات وہ بھی جانتے تھے کہ ان کے خاندانوں میں ایسی شادی صرف اتمام حجت کے لیے ہی ہوتی ہے۔

اس کی نیک اور پاکباز بیوی آبائی گھر میں نوکروں کی فوج ظفر موج اور دو بچوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی اور ریاست شاہ شہر میں گلچھرے اڑا رہا تھا۔ یہ چونکہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں تھی اس لیے بے چاری نے اسے اپنا نصیبا جان کر قبول کر لیا تھا۔

ریاست شاہ کو جب سے سرکاری مشیر کا درجہ حاصل ہوا تھا' اس کے بعد سے ایک سیکرٹری نما بیوی کی ضرورت وہ شدت سے محسوس کرنے لگا تھا۔ جس بے تکلفی کا مظاہرہ نجمہ ملک نے کیا تھا اس کے بعد جب اسے علم ہوا کہ نجمہ ملک کا ایک سیاسی پس منظر بھی موجود ہے تو ریاست چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ ملک ایسے بوڑھے سیاستدان کو نجمہ ملک نے سیڑھی بنا رکھا ہے اور اگر اسے ریاست شاہ جیسا مضبوط سہارا مل جائے تو ملک کی سیاسکھیاں اٹھا کر وہ پرے پھینک دے گی۔

دوسری طرف نجمہ ملک نے محسوس کر لیا تھا کہ اب ملک صاحب کی کشتی بھی ڈانواں ڈول ہے۔ وہ بلیک میلنگ کے سامنے جھک کر سرکاری لیگ میں شامل ہوئے تھے اور سرکاری لیگ

والوں نے انہیں خوب خوب استعمال کیا تھا۔

چند مہینوں ہی میں ملک صاحب کا شمار صوبائی لیگ کے صف اول کے دشمنوں کی صف میں ہونے لگا تھا جس کے بعد سے کم از کم ان کا سیاسی مستقبل پہلے جیسا محفوظ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

آج اگر مرکزی لیگ کا زور تھا تو سیاست کے اتار چڑھاؤ کا اس ملک میں کسی کو بھی اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔ نجانے کل کس بات پر اس کا وھڑن تختہ ہو جائے۔

یوں بھی بلیک میل ہونے کے بعد سے ملک صاحب کی "بارگیننگ پاور" کم پڑ گئی تھی مگر ملک نے محتاط ترین رائے یہی قائم کی تھی کہ ملک صاحب کا معاملہ اب فنٹی ٹنٹی پر اٹک گیا ہے جب کہ اسے صد فی صد کامیابی چاہیے تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھنا چاہتی تھی۔ اور پھر "چھا جانے" کا جنون سوار تھا۔

اور اس جنون نے اسے ریاست شاہ کے نزدیک کر دیا تھا----!

ادھر ملک صاحب نے نجمہ بیگم کے تیور بھانپ لیے تھے۔ وہ تو دانت دیکھ کر جانور کا اندازہ لگا لیا کرتے تھے یہ تو کل کی لونڈیا اور اس کے اپنے ہاتھوں کا لگایا ہوا پودا تھا۔ بھنڈر نامی طلاق یافتہ بیوی نے بڑی تیزی سے سیاسی افق پر نمایاں ہونا شروع کیا تھا۔

یہ خاتون بھنڈر کی رشتہ دار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی' لیکن دوسری بیگمات کے برعکس ان نے بھنڈر صاحب کو من مرضی سے روکنا چاہا تھا۔ بھنڈر نے پہلے تو بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن پھر اس خوف سے کہ کہیں اخبارات کو کوئی اور سکینڈل ہاتھ نہ لگ جائے' اس نے ایک روز چپ چاپ ذکیہ بیگم سے علیحدگی اختیار کر لی۔

جب غلامی کا یہ طوق مغربی درسگاہوں کی تعلیم یافتہ ذکیہ بیگم کے گلے سے اترا تو اس نے کھل کر میدان میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔

سیاست کا آغاز اس نے ایک پریس کانفرنس میں سرکاری پارٹی میں شمولیت کے اعلان سے کیا اور جلد ہی پارٹی کی خواتین ونگ کی آرگنائزنگ سیکرٹری کے عہدے تک پہنچ گئی۔ پھر اس وقت بھی آیا جب اسے خواتین کی مخصوص نشستوں پر سینٹ میں بٹھا دیا گیا۔

ذکیہ بیگم "گن شناس" عورت تھی۔

وہ انسان کی صلاحیتوں کی بناء پر ہی اس کی قیمت کا اندازہ لگایا کرتی تھی۔ ملک صاحب کو مروجہ سیاست میں ایک خلیفہ کا درجہ حاصل تھا اور ایسے لوگ ذکیہ بیگم کی کمزوری ہوا کرتے تھے۔ جب سے ملک صاحب نے سرکاری لیگ میں شمولیت اختیار کی تھی' اس کے بعد سے ذکیہ بیگم کی دلچسپی ان میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔

اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ نوجوان اور انتہائی چالاک کسی چھوٹے گھرانے کی مورت کا یہ بوڑھا خاوند دیر تک اس پٹڑیا کو اپنے سنہری پنجرے میں بند نہیں رکھ سکے گا۔

ذکیہ بیگم کی جوانی نے بھی پر لگا کر اڑنا شروع کر دیا تھا۔ گو کہ مغرب سے درآمدہ سامان آرائش و زیبائش سے اس کے گھر کی الماریاں اٹی پڑی تھیں اور ابھی خاصے عرصے تک وہ اس لیپا پوتی کے سہارے اپنی تیزی سے گزرتی جوانی کا بھرم قائم رکھ سکتی تھی۔

لیکن----!

اب اسے شدت سے ایک خاوند کی ضرورت کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کسی بھی "ڈمی خاوند" کی موجودگی میں وہ بہت سی معاشرتی پابندیوں سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے۔

دوسری طرف ملک صاحب کے لیے ذکیہ بیگم کا روشن سیاسی کیریئر تو باعث دلچسپی تھا ہی' لیکن بھنڈر کی سابقہ بیوی کو اپنی بنا کر وہ اپنے دشمن کے لیے ایک مستقل ذہنی خلجان کا باعث بھی بن سکتے تھے۔

یہی تھیں وہ مشترکہ دلچسپیاں جو دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آئی تھیں اور یہ سلسلہ اب خاصا لمبا ہوتا جا رہا تھا۔

○ ○ ○

"مجھے ریاست شاہ کے حوالے سے چھپنے والی خبروں پر سخت شرمندگی کا سامنا رہتا ہے۔ میں اب یہ ڈھونگ زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا۔ نجمہ بیگم اپنی حیثیت کو مت بھولو۔ میں نے تمہیں زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھایا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ تم میری پگڑی اخبارات میں اچھالتی پھرو۔"

اس روز جب ایک اخبار نے نجمہ بیگم کے تازہ عشق کی کہانی کو موضوع بنایا تو ملک صاحب کا پیمانہ صبر بالآخر چھلک پڑا۔

"اوہو! بڑا غصہ کرنے لگے ہیں آج کل آپ----؟ بلڈ پریشر کچھ بڑھ گیا ہے شاید؟ ملک صاحب میں نے کئی مرتبہ عرض کیا ہے کہ مجھے میری حیثیت یاد نہ دلایا کیجئے۔ یہ کام اگر میں نے شروع کر دیا تو آپ کو زیادہ تکلیف پہنچے گی۔" اس نے سگریٹ کا طویل کش لگا کر ملک صاحب کی طرف دھواں اور طنز اچھال دیئے۔

"ہماری بلی اور ہمیں کو میاؤں۔" ملک ہونٹ کاٹتا رہ گیا۔

"کچھ بھی کہہ لیجئے ملک صاحب لیکن یہ ضرور یاد رکھیے کہ میں آپ کی زر خرید غلام

نہیں ہوں اور نہ ہی آپ اس حیثیت میں ہیں کہ اپنا ہر حکم مجھ پر چلا سکیں۔" نجمہ بیگم نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"میں اس پاکھنڈ کو ختم کرنے جا رہا ہوں لیکن میں نہیں چاہتا کہ یہ اخبارات کا موضوع بنے۔ ممکن ہے تمہارے لیے اپنی عزت کوئی مسئلہ نہ ہو' میرے لیے بہرحال ہے۔" ملک صاحب نے بالآخر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ بس اس بات کا خیال رہے کہ میرے ساتھ ناانصافی نہیں ہونی چاہیے۔ بہرحال میں اب آپ کی داشتہ نہیں ہوں۔ بیوی ہوں۔ برابر کی حقدار اور شاید آپ نے نکاح نامے میں یہ سب کچھ تحریر بھی کیا ہے۔" نجمہ بیگم نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ دی۔

"اتر آئی ماں اپنی اوقات پر۔ بے فکر رہو۔ میں تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں کروں گا۔ آخر تم نے میری راتوں کو رنگین کیا ہے--- اور میرے لیے یوں بھی پیسے کی کبھی کوئی اہمیت نہیں رہی----!" ملک صاحب نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"آل رائیٹ! میں منتظر رہوں گی۔"

"میں تمہیں اس وقت طلاق دے دیتا لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ یہ بات ابھی اخبارات میں نہ آئے۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔ اگر تم اسے بھی میری کمزوری سمجھتی ہو تو بے شک اس معاملے کو اخبارات تک بھی لے جانا---- میرا وکیل آج ہی تمہارے ساتھ معاملات طے کر لے گا۔" یہ کہہ کر ملک صاحب بغیر کچھ سنے باہر نکل گئے۔

مسکراہٹ نجمہ بیگم کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ وہ ایک درخت سے اپنی مرضی کا رس چوسنے کے بعد اب دوسرے درخت کا رخ کرنے جا رہی تھی۔ ریاست شاہ بہرحال اسے زیادہ تحفظ دے سکتا تھا کیونکہ ملک صاحب کے برعکس اس کے ہاں "خاندانی شرافت" کا سلسلہ ایک عرصے سے چل رہا تھا اور ملک صاحب اپنے خاندان کے "پہلے شریف" تھے۔

"میں نے ملک سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا ہے۔" اس نے ارسلان کے بیٹھتے ہی کہا۔

ارسلان کو مسز ملک نے فون کر کے خاص طور سے یہاں بلایا تھا۔ بہرحال وہ اس کا بزنس پارٹنر تھا جس کو اعتماد میں لینا اس کے لیے ضروری تھا۔ دونوں ایک فائیو سٹار ہوٹل میں بیٹھے تھے۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟" اس نے ارسلان سے پوچھا۔

"آپ کے ہر فیصلے سے مجھے خوشی ہو گی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کبھی غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت زیادہ بصیرت سے نوازا ہے۔ یوں بھی آپ کا مشن آگے

بڑھنا ہے پیچھے مڑ کر دیکھنا نہیں۔ اس لیے جو بات ہو گئی اس پر تبصرہ کیسا؟ البتہ میرے دل میں ایک حسرت باقی رہے گی!"

"کیا----؟"

"کاش میں ملک صاحب سے اپنی محرومیوں اور مظالم کا بدلہ لے سکتا۔"

ارسلان نے کچھ سوچتے ہوئے ہوا میں تیر چلایا۔

"اس سلسلے میں تم جس طرح چاہو میری مدد حاصل کر سکتے ہو۔ یوں بھی اب ہمارے درمیان کوئی پردہ تو رہ نہیں گیا' چونکہ تم مجھے بیوی کی حیثیت سے قبول نہیں کرو گے اس لیے شاید میں نے تمہاری منکوحہ بیوی بننے پر غور نہیں کیا اس کے علاوہ تو....." نجمہ بیگم آنکھ دباتے ہوئے ہنس دی۔

"میں آپ کا احسان مند ہوں نجمہ بیگم۔ لیکن میں نے کبھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر نہیں سوچا۔ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ آپ کے ساتھ اس حیثیت سے منسلک ہو جاؤں۔ بہرحال آپ کا سماجی رتبہ مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ آپ مجھ پر ایک احسان ضرور فرمائیں۔ اگر ممکن ہو تو وہ تصاویر جو آپ نے نازنین اور ملک صاحب کی تیار کروائی تھیں' ان کا ایک سیٹ مجھے بھی عنایت کر دیں۔ میں اس بڈھے کھوسٹ کی بے بسی کا تماشا دیکھنا چاہتا ہوں۔ جس طرح اس نے مجھے بے بس کر کے مارا ہے' اس کے علاوہ نجمہ صاحبہ مجھے ان تصاویر کے ذریعے نازنین اور اس کی ماں کو بھی قابو میں رکھنا ہو گا----" گو کہ اس کی ضرورت نہیں لیکن آپ تو خود کہا کرتی ہیں کہ انسان کا دماغ گھومنے پر آئے تو ایک پل میں جانے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دے۔ مستقبل میں ہمارے کاروبار کے تحفظ کے لیے ان طوائفوں پر گرفت مضبوط رکھنا ضروری ہے۔ یوں بھی نجمہ صاحبہ اب آپ ایک معزز اسمبلی ممبر کی بیوی بننے جا رہی ہیں اور ملک صاحب کو بلیک میل کرنا شاید آپ کو زیب نہیں دیتا۔" ارسلان نے آخری بات کہہ کر اس کے چہرے پر پرامید نظریں گاڑیں۔

"بہت چالاک ہو۔ مکمل کاروباری اور مواقعے سے بھرپور فائدہ اٹھانے والے۔ اچھی بات ہے۔ مجھے خوشی ہوتی ہے بہرحال اس تربیت میں میرا بھی حصہ ہے۔ اب تم مانو یا نہ مانو' لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ اگر میں تمہیں راہ راست پر نہ لاتی تو آج تم ملک کے ایک معمولی کارندے سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے جسے وہ جب چاہتا نواز یا اختر کی طرح بل چڑھا دیتا---- ارسلان! میں حیران ہوتی ہوں یہ سوچ کر کہ میں تمہاری کسی بات کو رد کیوں نہیں کرتی۔ ارسلان! میں اتنی آسانی سے بات مان جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بہرحال مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم میری کمزوری بنتے جا رہے ہو۔"

یہ کہہ کر وہ کچھ سوچنے لگی۔

ارسلان خاموشی سے اس کا منہ دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے کچھ پرنٹ میں تمہیں بھی دے دوں گی لیکن اس کے نیگیٹو میرے پاس زیادہ محفوظ رہیں گے' کیونکہ ہم بزنس پارٹنر ہیں۔ اس لیے ہمیں ایک دوسرے سے تعاون تو کرنا ہی ہو گا۔"

"میں آپ کے اس احسان کا بدلہ ساری عمر نہیں چکا سکتا۔ آپ میرے تصورات سے بڑھ کر عظیم عورت ہیں۔"

"بس بس....." نجمہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات ٹوک دی----

"اس کی ضرورت نہیں۔ تم میری تعریف نہ بھی کرو تو میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ ارسلان مجھے علم نہیں تمہاری میرے متعلق کیا رائے ہے لیکن اگر تم یقین کر سکتے ہو تو کر لو' میں نے ازدواجی زندگی کے دوران جس نوعیت کے تعلقات تمہارے ساتھ قائم کئے ہیں کسی اور کے ساتھ نہیں کیے---- اور ہاں مجھے ابھی کچھ زیادہ جلدی بھی نہیں ہے۔ میں شادی اب سوچا سمجھ کر ہی کروں گی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ریاست شاہ کی خواہش ہے کہ ہم جلد از جلد رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں لیکن میں الیکشن کے بعد ہی کچھ کر سکوں گی۔ ابھی میرے خیال سے مجھے ساری توجہ بزنس اور سوشل ویلفیئر پر ہی دینی چاہیے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"میں آپ کی اس بات سے صد فی صد اتفاق کرتا ہوں۔ واقعی ابھی آپ کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ پھر نجمہ صاحبہ یہ بھی تو معلوم نہیں کہ ریاست شاہ سے شادی کے بعد ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہو جائے گی کیونکہ ملک صاحب کی بات تو اور تھی وہ تو....."

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ میرا درد سر ہے۔" اس نے ارسلان کی بات سمجھ کر کاٹتے ہوئے کہا۔

دونوں دوپہر تک وہیں رہے۔ مسز ملک نے اسے جاتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ جس کوٹھی میں رہائش پذیر ہے وہ ملک صاحب نے اس کے نام لگا رکھی ہے اور نجمہ بیگم اپنی رہائش اب وہیں رکھے گی۔ اس نے اپنے ایک بھائی' بہن اور ماں کو بھی یہیں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس طرح وہ کم از کم "فیملی لائف" کا تاثر قائم رکھ سکتی تھی۔ ورنہ تو اخبار والے اس کے وہ لتے لیتے کہ خدا کی پناہ! اب اسے بہت محتاط ہو کر زندگی گزارنا تھی۔

اس نے ارسلان کو بتا دیا تھا کہ ملک ارسلان کے لیے مسائل پیدا کرے گا کیونکہ وہ کم از کم ارسلان کا نجمہ بیگم کے ساتھ رہنا برداشت نہیں کر سکتا۔

"اس خطرے کی پیش بندی کے لیے ہی تو آپ سے تصاویر مانگی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ

اس کے بعد بھی ملک صاحب کو دماغ کی خرابی کا دورہ پڑے گا۔"

"شاباش---- لیکن محتاط رہنا اور ہاں خود کو اکیلا کبھی نہ سمجھنا۔ تم کوئی ایسی ویسی مچھلی نہیں ہو جسے ملک اتنی آسانی سے نگل سکے۔"

نجمہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نجمہ بیگم اب آپ میرے اور ملک صاحب کے درمیان سے ہٹ گئی ہیں۔ اب آپ دیکھیں گی کہ میں ملک صاحب کو کس طرح سٹنی کا ناچ نچاؤں گا---- بیگم صاحبہ جن لوگوں نے مجھ سے میرا گھر اور میری شناخت چھینی ہے' میں ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دوں گا۔ اس کے علاوہ میری زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں رہ گیا۔"

ارسلان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کی آخری بات پر ایک لمحے کے لیے نجمہ بیگم چونکی ضرور تھی۔

لیکن----!

پھر اس نے اس خیال ہی کو اپنے دل سے نکال دیا کہ یہ کل کا لونڈا کبھی اس کے لیے بھی کوئی خطرہ پیدا کرے گا؟

حملہ

نجمہ اور ملک نے بڑی خاموشی سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ملک صاحب پندرہ روز کے لیے "علاج کروانے لندن" چلے گئے تھے اور جس کوٹھی میں وہ مقیم تھے وہ انہوں نے خالی کر دی تھی۔ نجمہ کی ہدایت پر ابھی تک ریاست شاہ نے زیادہ گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ یوں بھی وہ پرانا شکاری تھا اور شکار کو بڑے صبر و سکون کے ساتھ مار کر کھانے کا قائل!

نجمہ بیگم نے اپنے گھر والوں کو اپنی دولت کے بل بوتے پر خاصا معزز بنا دیا تھا۔ اس کے خاندان میں شاید اس کے وہ دو تین بہن بھائی ہی ایسے تھے جنہوں نے اتنے اعلیٰ اور مہنگے سکولوں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ان لوگوں کے نجمہ بیگم نے بہت عرصہ پہلے جب وہ ملک صاحب کی بیوی بنی تھی، اس شہر کے ماڈرن آبادی میں ایک فلیٹ کرائے پر لے دیا تھا جہاں وہ اپنی ذات بدل کر اپنے ناموں کے آگے پیچھے نئے ناموں کا اضافہ کرنے کے بعد بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

پیش آمدہ حالات کی پیش بندی کرنے کی خاطر اس نے ساری منڈلی اب اپنے ہاں جما لی تھی۔ اس کا گھر اتنا بڑا تھا کہ ایسے دو چار اور خاندان بھی اس میں سما سکتے تھے۔ جو کاروبار اس نے سنبھال رکھا تھا۔ اس میں اتنی زیادہ آمدن ہو جاتی تھی کہ جس کے بعد اسے کسی اور سہارے کی ضرورت ہی نہ رہ جاتی۔

اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے اس نے پہلے ہی سے تین چار خیراتی قسم کے ادارے کھول رکھے تھے جہاں وہ بیوہ اور بے سہارا خواتین سے دستکاری کروا کر یہاں کا تیار شدہ مال پھر بازار میں اچھے داموں فروخت کروا دیا کرتی تھی۔ ان اداروں کے نام پر اچھی خاصی گرانٹ اسے سرکاری طور پر الگ سے مل جایا کرتی تھی۔

اپنی دانست میں تو دونوں نے خاصی احتیاط برتی تھی لیکن اس کے اندازوں کے بالکل برعکس ملک صاحب کی لندن موجودگی کے دوران ہی یہ راز طشت از بام ہو گیا۔ جس کے بعد سے

اخبارات نے اس کو موضوع بنا لیا۔ جس روز ملک صاحب لندن سے لوٹے تو ہوائی اڈے پر ہی اخبار نویسوں نے انہیں گھیر لیا۔ ملک صاحب کو بادل نخواستہ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ ان کے اور نجمہ بیگم کے درمیان خاموشی سے علیحدگی ہو چکی ہے اور دونوں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ انہوں نے اخبار نویسوں سے اپیل کی تھی کہ ان کی ذاتی زندگی کو اخبارات میں نہ اچھالا جائے۔

اسی نوعیت کا بیان نجمہ بیگم نے اخبارات کو جاری کیا تھا جب ایک تقریب میں ایک اخبار نویس نے ریاست علی کے حوالے سے کچھ بات کرنا چاہی تو نجمہ ملک نے اسے بری طرح ڈانٹا کہ بے چارہ ہکا بکا ہی رہ گیا۔ اس کے بعد کسی نے اس نوعیت کا کوئی سوال ہی نہیں کیا تھا۔

کلرک بادشاہ سے زیادہ تیزی کے ساتھ بھنڈر کی قسمت نے پلٹا کھایا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے پارٹی میں اپنی دھاک بٹھائی تھی لیکن سر منڈواتے ہی اولے پڑ گئے اور ملک نے ایک ہی داؤ میں اسے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

اس روز جب صوبائی لیگ کو اپنے "اندرون خانہ ذرائع" سے اطلاع ملی کہ اگلے ۴۸ گھنٹوں کے اندر اندر مرکزی لیگ کی طرف سے الیکشن کے انعقاد کا اعلان ہونے والا ہے تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ابھی تک یہ لوگ کوئی ڈرامہ حکومت کے خلاف ایسا تیار نہیں کر سکے تھے کہ جس سے اپنی گرتی ساکھ کو سنبھالا دے سکیں۔

فی الوقت تو ملکی فضا ان کے خلاف تھی اور کلرک بادشاہ کی اس پریس کانفرنس کو ملکی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں ایک سازش کے تحت کچھ زیادہ ہی اچھالا جا رہا تھا۔

اس سے بہتر فضا قدرتی طور پر مخالفین کو پھر کب میسر آ سکتی تھی۔ صوبائی لیگ کے کرتا دھرتا جانتے تھے کہ اگر ان حالات میں الیکشن کا اعلان کر دیا گیا تو وہ شاید ایک صوبے میں بھی اپنی حکومت برقرار نہ رکھ سکیں حالانکہ اس سے پہلے ان لوگوں نے دن رات محنت کر کے عوام میں خاصی جگہ بنا لی تھی۔

"بھنڈر صاحب برا مت مانیں۔ آپ نے ہمارے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ دن رات محنت کر کے ہم نے عوام کے دلوں میں جگہ بنائی تھی اور حالات کو اپنے حق میں استوار کیا تھا لیکن آپ نے ملک صاحب کی دشمنی میں اندھے ہو کر ہمیں اپنے بہترین دماغ سے محروم کر دیا۔ جی ہاں! برا مت مانیے بھنڈر صاحب صرف آپ کی وجہ سے ملک صاحب نے پارٹی سے علیحدگی اختیار کی ہے اور آپ نے آج تک سوائے بڑے بڑے دعوؤں کے اور کچھ نہیں کیا۔" جنرل سیکرٹری تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر بھنڈر پر برس پڑا۔

وہ لوگ ۲۴ گھنٹے کے نوٹس پر ملک کے کونے کونے سے آج یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔

بھنڈر جانتا تھا کہ یہ جنرل سیکرٹری کبھی اس کا ہمدرد نہیں رہا اور ملک کے بہترین ساتھیوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

"سیکرٹری صاحب! کم از کم پارلیمانی آداب کا خیال تو رکھیے۔ آپ ایک سینئر ممبر سے بات کر رہے ہیں۔ آپ کو کسی بھی پارٹی ممبر کو ڈانٹنے کا حق کس نے دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔؟"

بھنڈر کے اشارے پر اس کے ایک ساتھی نے کھڑے ہو کر ہنگامے کا آغاز کرنا چاہا۔

اس نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ آج کے اجلاس میں سب کی تان اس پر ہی ٹوٹے گی۔ خصوصاً ملک کے پرانے دوست جن میں پارٹی سیکرٹری سرفہرست تھا اس کو خوب رگیدیں گے۔

"آپ بیٹھ جائیں میاں صاحب اور میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔۔۔۔!" سیکرٹری کو بھی غصہ آگیا۔

"کیا مطلب؟ آپ کو شرم آنی چاہیے۔ آپ مجھے۔۔۔۔۔؟"

"بیٹھ جاؤ بچے۔" میاں صاحب کی بات نامکمل تھی جب عقب سے آواز بلند ہوئی۔

"کیا بکواس ہے؟ یہ کون سے لوگ آپ نے اکٹھے کر لیے ہیں یہاں؟ میں صدر صاحب آپ سے پوچھ رہا ہوں۔" میاں کو طیش آگیا۔

"مٹ ڈاؤن۔۔۔۔ اپنی اوقات میں رہو۔ تم ہو کیا؟" سیکرٹری کے ایک ساتھی کی غیرت جاگی۔

اس کے ساتھ ہی بھنڈر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔۔۔۔ "صدر صاحب یہاں غنڈہ گردی کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ مجھے اس بات کا علم ہے کہ اس "بھان متی کے کنبے" نے کیا پلان تیار کیا ہوا ہے۔ خدارا! انہیں سمجھائیے زیادہ تماشا نہ لگائیں۔ جتنی اس کی عمر ہے اس سے زیادہ وقت میں نے سیاست میں گزارا ہے۔"

"آپ نے جھک ماری ہے۔۔۔۔!" بھٹی صاحب کو بھی جوش آگیا۔ "اس نے سوائے غنڈہ گردی کی سیاست کے اور کیا ہی کیا ہے؟"

"چپ کراؤ شرافت کے مائے۔۔۔۔!" اب سیال صاحب کی باری تھی۔

"تیری یہ ہمت۔۔۔۔!"

کہتے ہوئے وہ سیال صاحب کی طرف لپکے۔ اس سے پہلے کہ صدر صاحب اور دوسرے ممبران حالات کو سنبھالیں۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی وہاں مچھلی بازار لگ گیا۔ ہر کوئی حسب توفیق دوسرے کو صلواتیں اور گالیاں سنا رہا تھا۔

"حضرات بیٹھ جائیے۔۔۔ بیٹھ جائیے۔۔۔ بیٹھ جائیے۔" صدر صاحب مسلسل اپیلیں کر

رہے تھے' لیکن یہاں کوئی ان کی اپیل پر کان دھرنے کو تیار ہی نہیں تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے جوتیوں میں دال بٹنے لگی اور صدر صاحب کو بادل نخواستہ سہ پہر تک اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔

پارٹی ممبران نے ہاتھا پائی تو نہ ہونے دی لیکن اس میں کسر بھی نہیں رہ گئی تھی۔ اس وقت تو ان لوگوں کی حیرانی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ کانفرنس ہال کے باہر موجود انقلابی سٹوڈنٹس گجر گروپ کے کارکن جنرل سیکرٹری صاحب کے خلاف نعرے لگاتے اندر گھس آئے۔ انہوں نے بھنڈر صاحب کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور ان کے حق میں نعرے بازی شروع کر دی۔

اس کے ساتھ ہی کسی نے کسی اٹھا کر بھنڈر صاحب کی طرف اچھالی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اخبار نویس بھی اسی سنہرے موقعے کی تلاش میں تھے۔ کیمروں کی فلیش گنیں چمکیں اور یہ مناظر سلولائیڈ کے فیتوں میں منتقل ہو گئے۔

پندرہ بیس منٹ تک کانفرنس ہال میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ جب معاملہ کسی طرح نمٹتا دکھائی نہ دیا تو پارٹی سیکرٹری نے دل پر پتھر رکھ کر پولیس کو مداخلت کا حکم دے دیا۔

پولیس والے بھی جانے کب سے تاؤ کھائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے لڑکوں کی وہ درگت بنائی کہ خدا کی پناہ! دس منٹ کے اندر اندر ہنگامہ فرو ہو گیا۔

جب اخبار نویس اپنے دفاتر کی طرف بھاگنے کے لیے اپنی موٹر سائیکلیں اسٹارٹ کر رہے تھے تو عین ان لمحات میں صوبائی لیگ کے کچھ ممبران نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر لفافے ان کی جیبوں میں منتقل کیے اور انہیں ہنگامی پریس کانفرنس کے لیے روک لیا۔

یہ پریس کانفرنس پارٹی کے صدر صاحب کی طرف سے پارٹی کے سنٹرل آفس میں کی گئی تھی۔ ایک گھنٹے کے نوٹس پر بلائی گئی اس پریس کانفرنس میں سیکورٹی کے انتظامات اتنے سخت تھے کہ کسی چڑیا کے بھی یہاں پر مارنے کی گنجائش دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ انقلابی سٹوڈنٹس کے گجر کے مخالف ونگ کے طلباء نے گارڈ کے فرائض سنبھال رکھے تھے اور وہ صرف اس پارٹی ممبر کو اندر جانے کی اجازت دیتے تھے جسے سیکرٹری یا صدر صاحب کی کلیرنس ملتی تھی۔

صدر صاحب نے اخبار نویسوں میں ایک لکھا ہوا بیان تقسیم کر دیا جس میں بتایا گیا تھا کہ مرکزی لیگ کے پروردہ غنڈہ عناصر نے خوب خوب حق نمک ادا کیا ہے اور ایک سازش کے تحت ہنگامہ کھڑا کیا گیا جس میں پارٹی کا کوئی ممبر ملوث نہیں۔ یہ سارا کارنامہ مرکزی لیگ اور ان۔۔۔۔۔ سرکاری ایجنسیوں کا ہے جو مرکزی لیگ کو آئندہ انتخابات میں کامیاب کروانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ بیان میں اس صورت حال کو انتہائی افسوس ناک قرار دیتے

ہوئے اس کی ساری ذمہ داری مخالفین پر ڈال کر صدر صاحب نے وارننگ دی تھی کہ مراکزی لیگ نے سیاست میں تشدد اور غنڈہ گردی کی جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے وہ جمہوریت کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔"

"جناب والا....." ایک اخبار نویس نے کھڑے ہو کر سوال کرنا چاہا۔

"اوئے بیٹھ جا اوئے۔ کوئی سوال نہیں ہو گا۔ سمجھ آئی۔" صدر صاحب کی بغل میں کھڑے ایک "انقلابی محافظ" نے اسے ڈانٹ کر بٹھا دیا۔

"حضرات باقی باتیں چائے پر....." کہہ کر صدر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

اخبار نویس ندیدے بچوں کی طرح چائے اور دیگر لوازمات پر ٹوٹ پڑے۔

اس درمیان تمام اخبار نویسوں کی حسب مراتب اور حسب معمول جیبیں گرم ہو چکی تھیں۔

لیکن----!

صوبائی لیگ کے لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اگلے روز ملک کے قریباً ہر قابل ذکر اخبار نے اس ہنگامے کی خبر شہ سرخیوں سے شائع کی تھی اور اپنے تبصرے بھی شائع کیے تھے۔ یہ تمام اخبارات کم از کم اس بات پر متفق تھے کہ صوبائی لیگ میں موجود ایک خاص گروپ کی غنڈہ گردی کی وجہ سے اچھے لوگ اس سے علیحدگی اختیار کرتے جا رہے ہیں۔

ان اخبارات نے اگلے انتخابات میں صوبائی لیگ کی کامیابیوں کے دعووں کو باطل گردانا تھا اور یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ اپنے دعووں کے برعکس صوبائی لیگ شاید ایک صوبے میں بھی اپنی حکومت قائم نہ رکھ سکے۔

○ ○ ○

نجمہ بیگم نے اگلے ہی روز ملک صاحب کی تصاویر ارسلان تک پہنچا دی تھیں۔ جس کا اس نے ضرورت سے زیادہ "گرم جوشی" سے شکریہ ادا کیا تھا۔ یہ بات اب اس کے لیے حیران کن نہیں رہی تھی کہ نجمہ بیگم نے اس کی کسی غیر اخلاقی حرکت کا برا منانا چھوڑ دیا تھا۔

لیکن----!

اس نے بھی کبھی اپنی حد سے تجاوز نہیں کیا تھا۔

"پارٹنر شپ آگئی ہے اور دونوں ماں بیٹی بھی لندن کی سیر کے لیے آمادہ ہوئی جاتی ہیں۔ بس آپ کے حکم کا انتظار ہے-----!" ارسلان نے اس مرتبہ کھیل کا ڈراپ سین کرنے کی

ٹھان رکھی تھی۔

"اس میں حکم کی کیا بات ہے جناب۔ ہم برابر کے پارٹنر ہیں۔ بس ذرا سجاول خان سے-----"

"نجمہ بیگم نے نجانے کیوں اسے اپنے ذہن پر مسلط کر رکھا ہے۔ بھئی اس ملک میں کتنے لوگ اس دھندے سے وابستہ ہیں۔ کیا وہ پہلے سجاول خان سے سرٹیفکیٹ لے کر ہی اپنا کام شروع کرتے ہیں---- اگر میں نے پہلے چکر ہی میں باہر منڈی اور گاہک تلاش کر لیا تھا تو سجاول خان کے مشورے سے نہیں کیا تھا---- برائے مہربانی آئندہ آپ یہ نام استعمال نہ کیا کریں۔ مجھے تو اب اس شخص سے خواہ مخواہ کی رقابت محسوس ہونے لگی ہے حالانکہ ریاست شاہ سے ہونی چاہیے۔"

آخری فقرے پر نجمہ بیگم نے قہقہہ لگا کر اس کے گال پر چٹکی لی تھی۔

"اب تم بھی ایسا سوچتے ہو-----!" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "پرسوں شوکے سے دونوں تیار بیگ وصول کر لینا۔ اس مرتبہ انہیں دوسرے ایئرپورٹ سے بھیجنا ہے۔ میں خود نہیں جاؤں گی' لیکن وہاں اپنا آدمی موجود ہے اور ہاں اس مرتبہ مال ذرا ڈبل کر کے بھیجتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کامیاب چکر کے بعد ریاست علی سے شادی کر لوں جس کے بعد لمبے عرصے تک خاموشی اختیار کرنا ہے کیونکہ ریاست شاہ کو اعتماد میں لیتے ہوئے دیر لگے گی۔ میں جانتی ہوں تم جو کہنا چاہتے ہو اس بات کا مجھے بھی علم ہے کہ وہ یہ کام ایک عرصے سے چلا رہا ہے لیکن اس چیز کا خیال رہے کہ اسے ابھی اس بات کا علم نہیں ہوا کہ میں یہ دھندہ کر رہی ہوں۔ حالانکہ وہ ماضی میں میرے اور سجاول خان کے تعلقات سے باخبر ہے' لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ایسے سوشل تعلقات سیاست میں زندہ رہنے کے لیے ناگزیر ہیں اور ان پر قدغن بھی نہیں لگائی جا سکتی۔"

"ٹھیک ہے جیسا آپ کا حکم۔ نوکر کیا اور نخرہ کیسا؟" ارسلان نے حسب خواہش حرکت کی تھی۔

دونوں کچھ دیر آپس میں باتیں کرتے رہے۔ پھر الگ الگ ہوٹل سے رخصت ہو گئے۔

ملک صاحب سے طلاق لینے کے بعد سے نجمہ اور ارسلان نے اپنی ملاقاتوں میں خاصی احتیاط برتنا شروع کر دی تھی۔ اس احتیاط کا زیادہ مظاہرہ ارسلان کی طرف سے ہوتا تھا' حالانکہ نجمہ بیگم کو اس سے الجھن ہوتی تھی اور وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ ارسلان اب ملک سے کسی وجہ سے خوفزدہ رہے جب کہ وہ خود ملک پر دباؤ رکھنا چاہتی تھی۔

لیکن----!

ارسلان کی خواہش پر اس نے زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔ اس نے نجمہ بیگم سے درخواست کی تھی کہ وہ کچھ عرصے کے لیے سوشل تقاریب میں اسے بطور سیکرٹری اپنے ساتھ لے جانا چھوڑ دے۔ اس درمیان ملک کے شر سے محفوظ رہنے اور سانپ کا زہر نکالنے کا کوئی بندوبست بھی کرے گا۔

○ ○ ○

یہاں سے رخصت ہو کر اس نے سجاول خان کو فون کیا تھا' لیکن وہ ملک سے باہر تھا۔ ارسلان کی خواہش پھر اس کا پیغام "فوری رابطے" کے لیے سجاول خان کو پہنچا دیا گیا تھا اور دو پہر کے بعد اسے سجاول خان کے ایک دفتر میں پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

اس دفتر میں وہ دو تین مرتبہ پہلے بھی جا چکا تھا اور یہاں کا سٹاف بھی اسے پہچاننے لگا تھا۔ دفتر کی مقامی انچارج نے اس کی رہنمائی ایک فون تک کی جہاں اس کے بیٹھنے کے پندرہ بیس منٹ بعد ہی سجاول خان کی غیرملک سے کال موصول ہو گئی۔

اس نے سجاول خان کو فون پر نجمہ بیگم کی تازہ واردات سے جو وہ کرنے جا رہی تھی' آگاہ کیا اور اب اس کی اجازت کا منتظر تھا۔

"اگر آپ کا حکم ہو تو یہ کھیل اب ختم کر دیا جائے؟"

"ہاں اب اس کھیل کو ختم ہونا ہی چاہیے----!" سجاول خان کی گھمبیر آواز فون پر ابھری۔ اس نے ارسلان سے دو نمبر نوٹ کرنے کے لیے کہا تھا۔ ایک ٹیلی فون نمبر مقامی تھا اور ایک لندن کا۔

"فلائٹ کی روانگی کے بعد پہلے لندن والے فون پر پھر مقامی فون پر رپورٹ کر دینا۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ اس زہریلی ناگن کو کس طرح جال میں پھانستے ہو۔ اس بات کا خیال رہے کہ صرف دو طوائفوں کی گرفتاری تک معاملہ محدود نہیں رہنا چاہیے---- اس طرح تو ان بے چاروں سے خواہ مخواہ زیادتی ہو جائے گی۔"

"خان صاحب! آپ مطمئن رہیں۔ میں نے بھی بہت کچھ سیکھا ہے نجمہ بیگم سے اور اس کی تربیت ہی کو اب اس کے خلاف استعمال کرنے جا رہا ہوں۔ آپ کے لیے چونکا دینے والی خبر بھی موجود ہے کہ ان لوگوں کی گرفتاری کے ساتھ ہی نجمہ بیگم کے "گینگ لیڈر" ہونے کے بیانات ماں بیٹی کی طرف سے دیئے جائیں گے اور اس کا دستاویزی ثبوت ذمہ داروں تک پہنچ جائے گا۔"

"ونڈر فل----! خاصے سمجھدار ہو نوجوان۔ خاصے کام کے آدمی لگتے ہو گڈ لک۔ خدا حافظ!"

دفتر سے باہر آ کر اس نے دوبارہ پیش آمدہ واقعات کی ترتیب کو ذہن میں دہرایا اور کاغذ کا وہ پرزہ احتیاط سے سنبھال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ سجاول خان نہیں جانتا تھا کہ ارسلان نے ایسے تین چار نمبر ملکی اور غیرملکی پہلے ہی سے حاصل کر رکھے ہیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دونوں اس ملک میں گرفتار ہوں۔ دونوں کو وہ غیرملک میں گرفتار کروانا چاہتا تھا تاکہ نجمہ بیگم کو اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔

اسے ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر بڑی احتیاط سے اٹھانا تھا۔

سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے جا رہا تھا وہ----!

ایک ہی وقت میں اس نے نجمہ بیگم' ریاست علی اور ملک صاحب کو للکارا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ اپنے مفادات پر فوراً شیطانی ٹولے کا روپ اختیار کر لیتے ہیں نجمہ بیگم بہرحال کچھ عرصہ پہلے تک ملک صاحب کی بیوی تھی اور طوائفوں کے بیانات میں یہ سب کچھ بتایا جائے گا۔ یہ بھی بتایا جائے گا کہ وہ ملک صاحب کے بستر کی زینت بھی بنتی رہی ہے۔

ملک تلملا اٹھے گا۔

اس کا تعلق اخبارات نوراً اس گروہ سے جوڑ دیں گے اور اس کا سیاسی کیریئر تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

بھنڈر کے لیے یہ خبر "ٹرمپ کارڈ" بن جائے گی۔ وہ ساری دنیا کے پریس کو سر پر اٹھا لے گا اور ارسلان جانتا تھا کہ ملک صاحب اس ملک کے تمام شکاری کتوں کو اس کے پیچھے لگا دیں گے۔ اسے زمین کی ساتویں تہہ سے نکال کر مروا ڈالیں گے۔

اس نے اپنی جوانی کے قیمتی سال ملک کے ساتھ بھینٹ چڑھائے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اس ملک کے ہر کونے میں بڑے بڑے بدمعاش اور رسہ گیر اس کے دسترخوان پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ ملک نے کسی کو مروانا چاہا اور وہ بچ نکلا ہو۔

نجانے کتنے بے گناہوں کا خون تھا اس کی گردن پر---؟

نجانے کتنی گمنام لاشوں کے پس پردہ اس کا شیطانی ذہن کارفرما تھا----؟

نجانے کتنی بیواؤں کی بدعائیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں----؟

نجانے کتنی ماؤں کے کلیجے میں انگارے اتارے تھے اس نے----؟

"ملک صاحب میں آپ کے لیے خدا کا عذاب بننے والے ہوں----!" اس نے زیر لب دہرایا۔

اس کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے تھے۔ ماتھے کا پسینہ اس نے قمیص کی آستین سے پونچھا۔

"میں ان شیطانوں کو آپس میں ٹکرا کر تس نہس کر دوں گا۔ زمین تمہارے بوجھ سے آزاد ہو جائے گی۔ شیطانو! بے ایمانی اور بدمعاشی کا جو زہر تم نے قوم کی رگوں میں اتارا ہے وہ تمہارے ہی لیے سم قاتل بنے گا۔"

جانے کتنے نوجوانوں کو تم نے درندہ بنا ڈالا۔ اب یہ درندے تمہاری رگوں سے خون چوس لیں گے۔

تم مرجاؤ گے۔

تمہیں مرنا ہو گا۔۔۔۔!

اس ملک کے ہر دشمن کو مرنا ہو گا خواہ اس نے کوئی بھی لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔ کوئی بھی روپ دھار رکھا ہو۔

ملک! میں ابتدا کرنے جا رہا ہوں۔ پہلا پتھر میں ماروں گا۔ پہلی گولی میں فائر کروں گا تم سب کے لیے، تم فرعونوں کے لیے۔ رسم موسوی کی ابتدا مجھ سے ہو گی۔ وہ نجانے کیا کیا کہتا رہا اور پاگلوں کی طرح دیواروں سے باتیں کر کے قہقہے لگاتا رہا۔

تصورات کے اس جہنم سے اسے ٹیلی فون کی گھنٹی نے نجات دلائی۔ فون پر پراپرٹی ڈیلر اس سے مخاطب تھا۔

"ارسلان صاحب بہت خوش قسمت ہیں آپ۔ بڑا زبردست گاہک ملا ہے۔ کوئی بہت ضرورت مند ہے بے چارہ۔ شاید باہر کے ملک سے کمائی کر کے لوٹا ہے۔"

"لوٹ لو۔ لوٹ لو شیخ صاحب جانے نہ دینا۔ کسی کو بچ کر نہ جانے دینا۔"

وہ شاید ابھی تک اسی ترنگ میں بولے جا رہا تھا اور دوسری طرف پراپرٹی ڈیلر شیخ بے شرمی سے دانت نکال رہا تھا۔

اگلے ۴۸ گھنٹوں میں اس کے شاندار بنگلے کا سودا چپ چاپ ہو گیا تھا۔ ابھی اس نے ایک ماہ تک اسی بنگلے میں قیام کی قانونی اجازت حاصل کر لی تھی۔

ارسلان کو کسی ایسی ہی پارٹی کی تلاش تھی جو پراپرٹی کی قیمت اس کو کسی دوسرے ملک میں ادا کرے۔ اس نے ساری قیمت غیرملکی کرنسی میں اپنے غیرملکی اکاؤنٹ میں جمع کروا لی تھی۔

بظاہر اس کی تمام تیاریاں مکمل تھیں۔۔۔۔!

فرار کے سارے راستے کھلے تھے۔۔۔۔!

اور اب وہ حملہ کرنے جا رہا تھا۔۔۔۔!

○ ○ ○

شوکے نے حسب معمول کمال فن کا مظاہرہ کیا تھا اور دو ایسے بیگ تیار کر لیے تھے جن کو ٹٹولنے پر بھی ان میں سے کچھ برآمد نہ ہوتا۔

"بھلا کوئی ان پر شک کر سکتا ہے۔۔۔۔!" ارسلان نے دونوں بیگ مختاراں کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"واقعی ارسلان باؤ۔ کمال ہے ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ اس میں کیا ہے اور کہاں رکھا ہے؟"

مختاراں نے بیگوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہیں جاننے کی ضرورت ہی نہیں۔ بس تم یہی سمجھو کہ جیسے یہ تمہیں نظر آ رہے ہیں ویسے ہی ہیں۔۔۔۔ پھر بی بی! فکر کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تم نجمہ بیگم کا کام کر رہی ہو۔ وہ جتنی یہاں بااثر ہے اس سے کئی گنا زیادہ اس کا اس ملک میں اثر ہے۔ کسی بات سے گھبرانا نہیں۔ کوئی بھی بات ہو دھڑلے سے نجمہ بیگم کا نام لے دینا۔۔۔۔ کسی کی مجال ہے جو تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے۔۔۔۔ اور ہاں! ایک بات کا خیال رکھنا۔ اگر کہیں تمہارے منہ سے میرا ذکر نکل گیا تو پھر لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ یہ انگریز لوگ کسی تیسرے آدمی کی اپنے معاملات میں مداخلت پسند نہیں کرتے۔ تمہارے وہاں پہنچنے سے اگلے ہی دن میں وہاں آ جاؤں گا۔ اس مرتبہ تمہیں جرمن اور ہالینڈ کی سیر بھی کروانی ہے اور اگلی مرتبہ امریکہ۔۔۔۔"

اس کی چرب زبانی کے سامنے مختاراں بیگم کی ایک نہیں چلتی تھی۔ بس ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

ہوس نے اسے اس بری طرح اندھا کر دیا تھا کہ اب اسے ساون کے اندھے کی طرح صرف ہریالی ہی دکھائی دیتی تھی اور کچھ نہیں۔

اس مرتبہ واقعی انہوں نے دوسرا ایئرپورٹ استعمال کیا تھا۔ اس شہر تک ارسلان انہیں خود چھوڑنے گیا تھا۔ اس نے لالچ کی ماری ماں اور ہوس کی اندھی نازنین کو یہ باور کروا دیا تھا کہ کوئی بھی مشکل پیش آنے پر وہ فوراً نجمہ بیگم کا نام لے دیں۔ اس کا ایڈریس اور فون نمبر انہوں نے اپنی ڈائریکٹری میں نوٹ کر لیا تھا۔

دونوں نجمہ بیگم کی قائل کیوں نہ ہوتیں۔ اپنے ملک سے پرواز کے وقت ارسلان انہیں جہاز تک چھوڑنے آیا تھا جب کہ عام حالات میں یہاں لوگ ایئرپورٹ کی چاردیواری کے اندر

بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

جہاز اڑا تو دونوں کا دماغ بھی اس کے ساتھ ہی فضاؤں میں پرواز کرنے لگا۔ اس مرتبہ ان کے لیے ایگزیکٹو میں سیٹیں لی گئی تھی۔ غیر ملکی ایئرہوسٹس ان کے سامنے کنیزوں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھی۔

"گٹ وگ" ایئرپورٹ پر جہاز نے لینڈ کیا تو خوشی سے دونوں کا چہرہ دمکنے لگا۔ اس ایئرپورٹ پر وہ پہلی مرتبہ آئی تھیں۔ اس سے پہلے جہاز ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترا تھا۔ زمین پر ان کے قدم نہیں ٹکتے تھے۔ بڑے ناز نخرے سے ماں بیٹی امیگریشن کاؤنٹر تک پہنچی تھیں جہاں برطانوی پولیس دیدہ و دل فراش راہ کیے ان کی منتظر تھی۔

امیگریشن کاؤنٹر سے انہیں اندر نہیں آنے دیا۔ کاؤنٹر سے "بیگج" تک خفیہ پولیس کی دو عورتیں محکمہ صحت کے ملازمین کے روپ میں ان سے چپکی صرف اس بات کا جائزہ لیتی رہیں کہ راستے میں کن لوگوں سے سلام دعا لیتی ہیں۔

دوران پرواز جہاز میں نازنین پر ریشہ خطمی ہونے والے دو نوجوانوں کو بھی بڑے سخت مراحل سے گزرنا پڑا۔

ماں بیٹی نے بیگ ہاتھوں میں تھام رکھے تھے۔ پھر اپنا واحد اٹیچی کیس انہوں نے "ریوالونگ بیلٹ" سے وصول کیا اور دوسروں کی دیکھا دیکھی گرین چینل پر چلنا شروع کر دیا۔

ابھی بمشکل چند گز ہی چلنے پائی تھیں کہ انہیں ایک کسٹمز آفیسر خاتون نے روک کر ان کی تلاشی لینے کی استدعا کی۔ ماں بیٹی کا رنگ ایک لمحے کے لیے فق ہوا لیکن پھر وہ سنبھل گئیں۔

دونوں کو ایک کیبن میں لے جایا گیا جہاں ان کی ایک ہم زبان ان کے اور کسٹم کے عملے کے درمیان رابطے کے فرائض انجام دینے کے لیے موجود تھی۔ چند منٹ بعد ہی پولیس نے انہیں حراست میں لے لیا۔

ان کے بیگوں سے ہیروئن نکال کر سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی گئی۔ دونوں نے چلا چلا کر بیگم نجمہ کے نام کی مالا جپنی شروع کی۔

لیکن----!

یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔ ان کو علم ہی نہ ہو سکا کہ یہ گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے۔ ان کی ایک ایک حرکت کو سلولائیڈ پر منتقل کیا جا رہا ہے۔ برطانوی "ذمہ دار اہل کاروں" کو تصاویر کا وہ پیکٹ بھی موصول ہو چکا تھا جس میں دونوں ماں بیٹی اور بیگم نجمہ شیر و شکر ہوتی نظر آ رہی تھیں۔

انگریزی میں تینوں کے نام تصاویر کی پشت پر ٹائپ کیے ہوئے تھے۔

پارٹ آف گیم

"بیٹی گھبراؤ نہیں۔ بھلا کبھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ سنز ملک کے حکم سے سرتابی کریں۔ انگریزوں کا ملک ہے ناں اس لیے ذرا ڈرامہ تو کریں گے۔ شاید کھلے عام بات نہ کرنا چاہتے ہوں۔" مختاراں نے پولیس کار میں بیٹھی اپنی بیٹی کو تسلی دینے کے لیے یہ بات تو کہہ دی تھی لیکن اس کا دل خزاں زدہ پتے کی طرح لرزاں تھا۔ جس قیامت سے وہ گزر رہی تھی اس کا تو تصور ہی کبھی اس نے نہیں کیا تھا۔

"اور ہاں ذرا ہوشیاری سے' نجمہ کے علاوہ کوئی اور نام نہ لینا ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے"۔

مختاراں نہیں جانتی تھی کہ اس کی تمام حرکات کو مانیٹر کیا جا رہا ہے۔ اس کی گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے۔

دونوں کو وہ لوگ جس پولیس سٹیشن لائے تھے وہ اپنے ملک کے دفتر جیسا ہی لگتا تھا۔ یہاں چاروں طرف میزوں' ٹیلی فونوں اور کمپیوٹرز کا جال بچھا تھا۔

"دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔ بھلا یہ تھانہ ہو سکتا ہے۔ تھانے بھلا ایسے ہوتے ہیں۔" اس نے دوبارہ جھوٹ بول کر نازنین کو بہلانا چاہا۔

"بی بی! میرا تو دل ڈوب رہا ہے۔" نازنین نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

انہیں الگ کمرے میں لے جایا گیا تھا جہاں ایک نوجوان پہلے ہی سے موجود تھا جو ان سے ان کی زبان میں بات کر رہا تھا۔ تین روز تک تفتیش کا سلسلہ جاری رہا۔ چوتھے روز جو آفیسران کے ساتھ یہاں تک آیا تھا' وہ باہر چلا گیا۔ اس درمیان دونوں کو فوم کے کپوں میں پینے کے لیے چائے بھی دی گئی تھی۔

چند منٹ بعد وہ آفیسر واپس آ گیا۔ اس درمیان وہاں پہلے سے موجود نوجوان لڑکا ان سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں کئی کام کی باتیں ان کے منہ سے

اگلوا لی تھیں۔

انگریز آفیسر نے اپنی زبان میں اس نوجوان سے کچھ کہا اور اب مختاراں سے مخاطب تھا۔

"یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹ بول رہی ہو اور تمہارا نجمہ بیگم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تمہیں ٹیلی فون پر اس کا نمبر ملا دیتے ہیں۔ نجمہ بیگم سے بات کر لو۔ اگر اس نے تمہیں پہچان لیا تو تمہاری سفارش خود ہی کر دے گی اور ہاں دیکھنا کہیں فون ملتے ہی گرفتاری کی بات کر کے اسے گھبرا نہ دینا۔ پہلے اس سے سلام دعا کر کے اسے اپنی خیر خیریت سے یہاں پہنچنے کی اطلاع دو۔ اس کے بعد باقی باتیں ہم خود اس سے کر لیں گے۔ تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم کہاں سے فون کر رہی ہو۔ بس اسے یہی کہنا کہ تم نے ایئرپورٹ سے ہی فون کیا ہے۔۔۔۔ بات سمجھ آ گئی ناں۔"

"ہاں! ہاں! ملاؤ فون۔ کمال ہے ہمیں کیوں نہ پہچانے گی۔"

خوش فہمی کی ماری مختاراں ابھی تک یہی سمجھ رہی تھی کہ یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں' وہی سچ ہے اور اب اسے یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ واقعی نجمہ بیگم کا مال لے کر یہاں آئی تھیں۔ اس نے نجمہ بیگم کا نام' ایڈریس' ٹیلی فون نمبر جو اپنے پاس لکھا تھا' انہیں سونپ دیا۔

اس نوجوان نے اپنے سامنے رکھے ٹیلی فون پر نمبر ملایا اور اگلے ہی لمحے نجمہ بیگم لائن پر موجود تھی۔ اس نوجوان نے نجمہ بیگم سے اپنا تعارف لندن کے ٹیکسی ڈرائیور کی حیثیت سے کرواتے ہوئے کہا تھا کہ اس کی مہمان دو عورتیں جو یہاں آئی ہیں ان کے میزبان فلائٹ لیٹ ہونے یا کسی اور سبب سے ابھی تک نہیں پہنچ سکے اور دونوں پریشان ہیں۔ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔

یہی سکیم اس نے مختاراں کو سمجھائی تھی۔

فون اب مختاراں کے ہاتھ میں تھا۔

"سلام بیگم صاحب! ہم خیریت سے پہنچ گئے ہیں لیکن یہاں کوئی موجود نہیں۔ ہمیں تو کچھ پتہ نہیں کدھر جانا ہے۔ یہ نوجوان اپنے ملک کا رہنے والا لگتا ہے اور ٹیکسی بھی چلاتا ہے۔ ہم نے اس کا منت ترلا کر کے فون کروایا ہے' آپ اسے جگہ سمجھا دیں یہ ہمیں وہاں پہنچا دے گا۔"

مختاراں نے بڑی سادگی سے بات کی تھی۔ مقصد تو یہی تھا کہ ان لوگوں کو نجمہ بیگم کے

اور اپنے درمیان تعلق کا یقین دلائے۔

نجمہ بیگم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ ہو کیا رہا ہے کیونکہ ارسلان نے اسے بھٹی صاحب کا فون نمبر یا ایڈریس نہیں دیا تھا۔ بس اسے یہی بتایا تھا کہ بھٹی کے آدمی دونوں کو خود ہی وہاں ریسیو کر لیں گے اور اسے اطلاع مل جائے گی کیونکہ ارسلان خود بھی شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس نے دونوں ماں بیٹی کو رخصت کر کے اپنے کچھ کام نمٹانے کا بہانہ کر کے وہاں دو تین روز مزید قیام کی گنجائش پہلے ہی سے نکال لی تھی اور چونکہ وہ اس شہر میں تھا ہی نہیں اس لیے مختاراں کو نجمہ بیگم ہی سے رابطہ کرنا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان لوگوں کو کیا جواب دیا جائے اور کیا سمجھائے؟ وہ چکرا کر ہی تو رہ گئی تھی۔

اس دھندے میں کبھی کسی نے اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ تو نہیں کیا؟

لیکن۔۔۔۔!

یہ بھی تو ممکن ہے کہ فلائٹ لیٹ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ بروقت نہ پہنچے ہوں یا دوبارہ آنے میں دیر ہو جائے۔

نجانے کتنے خیال ایک لمحے میں اس کے دل و دماغ میں آئے اور گزر گئے۔

"تم گھبراؤ نہیں۔ یہیں انتظار کرو۔ وہ لوگ ابھی پہنچنے والے ہی ہوں گے۔ اگر وہ نہ بھی پہنچے تو میں کسی اور کو بھیج دوں گی۔ اور ہاں' دیکھو ان بیگموں کا کسی سے ذکر تک نہ کرنا خصوصاً اس ٹیکسی ڈرائیور سے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ تم بالکل نہ گھبرانا۔ میں ابھی سارا بندوبست کرتی ہوں۔" اس نے مختاراں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جی محترمہ کیا حکم ہے۔ میرے خیال سے آپ کے میزبان شاید آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔ بہرحال میں آپ کا ہم وطن ہوں۔ آپ مطمئن رہیے۔ مجھے ایڈریس لکھا دیں میں خود انہیں وہاں تک پہنچا آؤں گا۔۔۔۔!" اس نے فون پکڑتے ہی کہا۔

"دیکھیے آپ کی بہت مہربانی لیکن میرے پاس اتفاق سے میزبانوں کا فون نمبر یا ایڈریس نہیں ہے۔ انہوں نے حال ہی میں مکان شیفیلڈ سے تبدیل کیا ہے اور اب وہ لوگ لندن آ گئے تھے۔"

"کمال ہے آپ نے اجنبی خواتین کو نامکمل تیاری سے بھیج دیا۔ یہ بیچاریاں کہاں جائیں گی؟ یہ تو بہت پریشان ہیں۔ آپ مجھے اپنے کسی عزیز کا ایڈریس دے دیجیے میں انہیں وہاں پہنچا دوں گا۔ وہاں سے پھر انہیں وہ لوگ آ کر لے جائیں گے۔"

○ ○ ○

اچانک ہی مسز نجمہ کا ماتھا ٹھنکا----!

وہ بڑی کائیاں عورت تھی۔ اتنی باتیں کرنے کے بعد اسے یاد آیا کہ اس نے تو کبھی مختاراں کو اپنا فون نمبر نہیں دیا تھا۔

اس کی مختاراں کے ساتھ ساری زندگی میں بالشافہ ملاقات ہی ایک ہوئی تھی وہ بھی ارسلان کے گھر۔

اور یہ کہ اس نے ارسلان کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ وہ اس کا فون نمبر انہیں دے۔

پھر یہ کیا چکر ہے؟

"اوہ میرے خدایا----!" اس نے اچانک ہی اپنی بے وقوفی پر اپنا سر پیٹ لیا۔

"دیکھو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو تمہارا شکریہ۔ میرا ان عورتوں سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ میرے ایک ملنے والے کی یہ واقف ہیں۔ شاید انہیں کہیں سے میرا فون نمبر مل گیا ہے اور انہوں نے مجھے فون کر دیا۔"

نجمہ بیگم نے پینترہ بدلنا چاہا۔ فون کے تیسرے کنارے پر موجود آفیسر مسکرایا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ اب یہ مچھلی پھنسنے والی نہیں ہے' لیکن انہوں نے اپنے مطلب کی بات بہرحال جان لی تھی اور اب وہ اس سے آگے تفتیش کا دائرہ بڑھا سکتے تھے۔

اچانک ہی نوجوان کا لہجہ بدل گیا۔

اب وہ انگریزی میں بات کر رہا تھا۔

"نجمہ بیگم صاحبہ! آپ جو کوئی بھی ہیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو ریکارڈ ہو چکی ہے جسے برٹش کراؤن کورٹ میں آپ کے خلاف بطور ثبوت پیش کیا جائے گا۔ ان عورتوں سے دو کلو ہیروئن برآمد ہوئی ہے اور یہ آپ کو اپنی گینگ لیڈر بتاتی ہیں۔ آپ نے فون پر اس بات کا اقرار کر لیا ہے کہ آپ انہیں جانتی ہیں۔ آپ کو بیگوں کا علم تھا اور آپ نے مزید احتیاط برتنے کی تلقین بھی کی ہے....."

اس سے پہلے کہ وہ مزید گفتگو کرتے نجمہ بیگم نے فون بند کر دیا۔

نوجوان نے مسکراتے ہوئے آفیسر کی طرف دیکھا اور دوبارہ وہی نمبر ملایا۔ اس مرتبہ جب اس نے نجمہ بیگم صاحبہ سے بات کرنا چاہی تو اسے بتایا گیا کہ اس جگہ کوئی نجمہ بیگم صاحبہ نہیں

رہتی۔ تین چار مرتبہ فون ملنے کے باوجود یہی بات دہرائی گئی جس سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا ہے۔

○ ○ ○

نجمہ بیگم کے ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا۔

اس کو فوراً ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی گہری سازش کے جال میں پھنس گئی ہے یا پھنسا دی گئی ہے۔

لیکن----!

یہ سب کچھ کس نے کیا؟ کیوں کیا؟ کس کی یہ مجال تھی کہ وہ یوں ناگن کے بل میں ہاتھ ڈال دے؟

ارسلان!!

اس نے سوچا۔ ارسلان نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا۔ اسے پھنسایا----- ارسلان نے' اس لڑکے نے جو پالتو کتے کی طرح اس کے آگے پیچھے دم ہلایا کرتا تھا' جس کو وہ جب بھی چاہے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے۔

اس کا دل نہیں مانتا تھا کہ ارسلان کبھی ایسی جرأت بھی کر سکتا ہے۔

لیکن----!

یہ امر واقعہ تھا۔

برٹش نارکوٹکس کنٹرول ایجنسی نے اسے اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ محض ایک ٹیلی فون کال کے ذریعے انہوں نے نجمہ بیگم کے خلاف ثبوت حاصل کر لیا تھا۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے فون اٹھایا اور ارسلان کا نمبر گھمایا۔ غم و غصے سے اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔

فون ارسلان نے خود ہی اٹھایا تھا۔ نجمہ بیگم نے اپنی آواز کو نارمل رکھتے اسے فوری ملاقات کے لیے بلایا تھا۔

ارسلان سمجھ تو گیا۔

لیکن----!

ابھی وہ اس عورت کی بے بسی کا بہت تماشا کرنا چاہتا تھا۔ وہ ذہنی طور پر اس بات کے لیے تیار تھا کہ اب کسی بھی لمحے جب نجمہ بیگم پر قیامت ٹوٹے گی تو وہ اس کو کاٹ کھانے کو

دوڑے گی۔

"خیریت۔۔۔۔؟" اس نے مکمل انجان بنتے ہوئے کہا۔

"فوراً چلے آؤ۔ ضروری بات کرنی ہے۔ شوہرا ہوٹل والے آفس میں آ جانا۔" کہہ کر نجمہ بیگم نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ایک زہریلی مسکراہٹ ارسلان کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اس نے پستول اپنی جیکٹ میں چھپایا اور نجمہ بیگم کی طرف چل دیا۔ شوہرا ہوٹل میں نجمہ بیگم کا ذاتی دفتر تھا جہاں اکثر وہ لوگ اہم میٹنگز کے لیے اکٹھے ہوا کرتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ یہاں موجود تھے۔ کمرے میں سوائے نجمہ بیگم کے اور کوئی نہیں تھا۔ شاید اس نے جان بوجھ کر اس دفتر کا انتخاب کیا تھا۔

"خیریت نجمہ بیگم۔۔۔۔ آپ کچھ پریشان سی لگ رہی ہیں۔" اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی نجمہ بیگم کی بے چینی کو محسوس کر کے دل ہی دل میں اس صورت حال سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دریافت کیا۔

"تمہیں کچھ علم نہیں؟ اب انجان بنے رہنے سے کیا فائدہ؟" ارسلان نے آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر ٹانگیں سامنے میز پر پسارتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا کینگی کی ہے تم نے؟ احسان فراموش' ذلیل انسان تمہاری یہ ہمت..... تم....."

نجمہ بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ پھٹ پڑی۔ "تم کیا سمجھتے ہو مجھے ان دو ٹکے کی طوائفوں کے ساتھ سمگلنگ کے دھندے میں ملوث کر سکو گے۔" وہ ہانپنے لگی۔

"اوہو! تو یہ بات ہے۔ نجمہ بیگم سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟ اچھا شاید آپ کی دونوں زر خرید ملازمائیں جنہیں آپ نے ہیروئن دے کر لندن روانہ کیا تھا گرفتار ہو چکی ہیں' لیکن اس میں گھبرانے یا مجھے گالیاں دینے والی کیا بات ہے؟"

"یہ کیا گھٹیا حرکت ہے؟" نجمہ بیگم نے اس کی مسکراہٹ پر چراغ پا ہو کر اس کی بات کاٹتے ہوئے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"پارٹ آف دی گیم۔ اٹس پارٹ آف دی گیم نجمہ بیگم۔ دیکھیے ناں نجمہ بیگم۔ یہ بہت ضروری تھا۔ بھئی انسانی فطرت بھی عجیب ہے۔ ایک پل میں انسان جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔ کیا کر بیٹھے۔ اس کی سوچ کیا ہو جائے؟ نجمہ بیگم ماضی کے تلخ تجربات نے مجھے تو بہت حقیقت پسند اور احتیاط پسند بنا دیا ہے۔ آپ بہرحال سیاسی لوگ ہیں اور ظاہر ہے اب مجھے بھی اس میدان میں جھک مارنی ہے۔ جانے آپ کل کیا کر بیٹھیں۔ جیسے میرا کوئی اہم راز آپ کے پاس ہے اسی طرح آپ کی کوئی کمزوری بھی میرے پاس محفوظ ہونی چاہیے تھی تاکہ ہم ایک

دوسرے کو بیلنس کر سکیں۔ نجمہ بیگم! آپ کو تو بتانے کی ضرورت نہیں کہ انسان کمینگی کرنے پر آئے تو کتنا گر سکتا ہے۔ کیا کر گزرتا ہے۔ اب یہی دیکھ لیجئے ملک صاحب آپ کے مجازی خدا تھے۔ آپ کے کسی حکم سے انہوں نے سرتابی نہیں کی تھی۔ آپ کی خاطر انہوں نے اپنی اولاد سے ناطہ توڑے رکھا لیکن آپ نے انہیں بھی معاف نہیں کیا۔ نجمہ نیلم! آپ جیسی پڑھی لکھی' خاندانی' سوشل اور معزز خاتون اگر ایسی گھٹیا حرکت کر سکتی ہے تو میرے جیسا بدمعاش' دو ٹکے کا لچا لفنگا جانے کیا کر گزرے۔ آپ کو اس بات کا احساس کرنا چاہیے تھا۔ نجمہ بیگم جنگ اور محبت میں کچھ ناجائز نہیں ہوتا۔ ہم دوست ہیں ایک دوسرے کے بزنس پارٹنر اور شاید ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی محبت کا ثبوت میری تصاویر دکھا کر دے دیا تھا۔ مجھے استعمال کر کے میرے ذریعے ملک صاحب کے خلاف بلیک میلنگ سٹف حاصل کر کے دے دیا تھا۔ اب مجھے بھی تو موقعہ دیجئے ناں۔ یہ تو ناانصافی ہوئی نجمہ نیلم۔ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ تو مجھے پاؤں کی جوتی بنائے رکھیں اور میں نے اگر معمولی سا جواب دے دیا ہے تو آپ تلملا اٹھی ہیں۔"

نجمہ بیگم کے خون میں انگارے تڑپنے لگے تھے۔

○ ○ ○

اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس موذی کا ٹینٹوا دبا دے۔ ارسلان نے وہ ساری تقریر معمولی ترمیم اور اضافے کے ساتھ دہرا دی تھی جو کبھی اس نے اسی طرح اس کی بے بسی کا تمسخر اڑاتے ہوئے اس کے سامنے کی تھی۔ ظالم نے شاید سارے کہے ہوئے فقرے اپنے ذہن میں جانے کب سے اس وقت کے لیے محفوظ کر رکھے تھے۔

بہت گہرا وار کیا تھا اس نے۔

بڑے ٹھنڈے دماغ کے ساتھ بڑے سلیقے سے اس کے دل میں زہریلا خنجر گھونپا تھا ارسلان نے۔۔۔۔!

اپنی انگارہ آنکھوں اور کانپتے ہونٹوں سے وہ اس کا منہ دیکھتی رہی۔

"اور نجمہ بیگم دیکھو ناں اب تم ریاست شاہ سے شادی کرنے جا رہی ہو۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو نہیں ہے۔ بھئی کیا پتہ جب کل تم اس کی بیوی بن جاؤ تو کہیں میرا پتہ مستقل ہی صاف نہ کروا دو۔ تم نے مجھے عام حالات میں معاف نہیں کیا۔ جانے ان حالات میں کیا کر گزرو۔ میرے بزنس کا تقاضا ہے کہ تمہاری شادی ریاست شاہ سے نہ ہونے پائے۔ دیکھو جان من ملک

صاحب کی اور بات تھی۔ وہ دوسری قسم کے ٹھنڈے دل و دماغ والے لوگ ہیں۔ ان کے لیے کسی بھی آدمی کو مار دینا چیونٹی کو مسل دینے جتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ نجمہ بیگم تم نے مجھے عام حالات میں معاف نہیں کیا' خصوصی حالات میں تو مجھے جان سے ہی مار ڈالو گی---- اب کم از کم تمہاری گرفتاری کے بعد ریاست شاہ اپنے فیصلے پر نظرثانی تو کرے گا---- اور ہاں میری تم سے درخواست ہے کہ میری جو تصاویر تم نے ایسمڑم پر بنوائی تھیں---- مشہور زمانہ سمگلر جینری ہاؤا کے ساتھ وہ ضرور پولیس کو پہنچا دینا۔ مجھے تمہارے کیس میں تمہارا ساتھی بننے پر بہت خوشی ہو گی---- اکٹھے موج میلہ کرتے رہے ہیں تو جیل بھی مل کر کاٹیں گے۔ پھر یہ سلسلہ یہاں ہی کیوں رکے۔ ظاہر ہے میں پولیس کو بتاؤں گا کہ یہ تصویر کب کی ہے؟ کس موقعے کی ہے اور اس کا سیاق و سباق کیا ہے؟ تم سمجھ رہی ہو ناں نجمہ بیگم۔ بھئی سجاول خان بھی آخر فارغ کیوں بیٹھے اور پھر وہی کیوں ملک صاحب بھی کیوں نہیں۔ آخر دونوں طوائفوں کی برہنہ تصاویر ان کے ساتھ بھی تو ہیں جن میں سے کچھ تم "سخنتا" مجھے عنایت فرما چکی ہو۔ اس طرح بین الاقوامی نوعیت کی خبر تو بنے گی۔ میں بھی دو کوڑی کا تیسرے درجے کا سیاسی غنڈہ کم از کم آپ کے برابر عدالت میں تو کھڑا نظر آؤں گا---- اور ہاں نجمہ بیگم تمہارے لیے ایک تصاویر کا پیکٹ میں اپنے ساتھ لایا ہوں---- اس کے بعد امید ہے تم دونوں طوائفوں کو پہچاننے سے انکار نہیں کرو گی۔"

اس نے جیکٹ کی جیب سے تصاویر کا پیکٹ نکال کر اس کے سامنے پھینک دیا۔

نجمہ بیگم نے بے چینی سے لپک کر تصاویر کا پیکٹ اٹھایا اور جیسے جیسے اسے دیکھتی جا رہی تھی' دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیر ہو رہی تھی۔ جتنی بے تکلفی سے یہ تصاویر مختاراں اور نازنین کے ساتھ بنائی گئی تھیں اس کے بعد دنیا کی کسی عدالت میں وہ یہ بات ثابت نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا ان دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان تصاویر کو دیکھ کر دنیا کا کوئی باریک بین شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ یہ نجمہ بیگم کو لاعلم رکھ کر بنائی گئی ہیں۔

"کتے' کمینے' ذلیل' پاجی' حرام خور----!" وہ دیوانہ وار ارسلان کو گالیاں دے رہی تھی۔

اور ارسلان اس کی ہر گالی پر ایک سکون' ایک طمانیت اور ایک بے نام سے کیف و سرور میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔

نجمہ بیگم شاید پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے ارسلان کو ہنستے دیکھ کر اسے ننگی گالیاں دینا شروع کر دی تھیں پھر اچانک وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ ارسلان سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔ میں برباد کر دوں گی تمہیں۔"

اس نے گالیاں بکتے ہوئے ارسلان سے کہا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

ارسلان دیوانہ وار قہقہے لگا کر اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے بری طرح جکڑ دیا تھا اس حرافہ کو---- اپنا انتقام اس نے بہت گھناؤنا لیا تھا----!

پارکنگ ایریا میں پہنچنے تک نجمہ بیگم نے خود کو نارمل کر لیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ بری طرح پھنس چکی ہے۔

لیکن----!

یہ وحشت جو اس پر سوار ہو گئی تھی یہ تو اسے مار ڈالے گی۔ اس نے سوچا۔ اپنے حواس اس نے قابو پا لیا اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ یہ پتا جو اسے اکیلے دیکھ کر ارسلان نے اس پر ڈھائی ہے۔ یہ زہر جو اس نے انڈیلا ہے تو اس کا کوئی تریاق بھی ضرور ہو گا۔

اس نتیجے پر تو وہ فوراً پہنچ گئی تھی کہ اس کو فوری طور پر ایک مضبوط ڈھال حاصل کرنی ہے۔

ملک صاحب جیسا کوئی آسرا تلاش کرنا اس کے لیے ضروری تھا۔

یہی سوچ کر وہ گھر جانے کی بجائے ریاست شاہ کی محل نما کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

اس کی عدت کے ایام پورے ہو چکے تھے۔ ریاست شاہ اب تک متعدد مرتبہ اس سے شادی کا تقاضا کر چکا تھا۔ اگلے الیکشن میں وہ اپنی ہونہار اور تجربہ کار سیاستدان بیوی کے ساتھ میدان میں قدم رکھنا چاہتا تھا۔

کسی بھی لمحے الیکشن شیڈول اناؤنس ہو سکتا تھا۔

کسی بھی لمحے----!

اور نجمہ بیگم شادی کے بغیر ہی معاملات چلانے پر بضد تھی۔ اس نے پہلے سے زیادہ ریاست شاہ کی راتیں رنگین کرنا شروع کر دی تھیں' لیکن ریاست شاہ کا اپنا سوچنے کا انداز تھا۔

جب اچانک ریاست شاہ کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو ایک لمحے کے لیے وہ گڑبڑا کر ہی رہ گیا۔

"خیریت----!" اس نے ڈرائنگ روم میں اپنی منتظر نجمہ بیگم کو دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیری۔

نجمہ بیگم نے مکمل تیاری کے ساتھ حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے کار میں بیٹھے بیٹھے اپنا میک اپ درست کر کے تمام ناز و انداز کے ساتھ یہاں قدم رکھا تھا۔

"شاہ جی! مجھے آج اور اسی وقت آپ سے نکاح پڑھوانا ہے---- میں ساری رات نہیں

سوپائی شاہ جی۔" اس نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

ریاست شاہ نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اس کو تسلی دی۔ اس کی تو خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس اچانک فیصلے نے اس کے تو ہاتھ پاؤں پھلا دیئے تھے۔

"نجمہ بیگم اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ جیسے تم حکم کرو گی ویسا ہی ہو گا۔ تم اندازہ نہیں کر سکتی میرے دل کی حالت کا۔ کل ہمارا نکاح ہو جائے گا۔"

"نہیں شاہ جی! خدا کے لیے ابھی بندوبست کیجئے۔ اب میں آپ کی بیوی بن کر اس گھر سے باہر نکلوں گی۔ مجھے ایک خواب نے بہت پریشان کیا ہے۔ شاہ جی خدارا میری بات مان لیجیے۔"

بالآخر دو تین مرتبہ اسے سمجھانے کے بعد ریاست شاہ کو اس کی بچگانہ ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

اس نے نجمہ بیگم کی اس ضد کو محبوب کی ادا سمجھا تھا اور اپنے محبوب کی خوشنودی کا حصول ہی اس کا مطمع نظر تھا۔

رات گئے تک دونوں ایک سادہ سی تقریب میں نکاح کے بندھن میں بندھ گئے۔ نجمہ بیگم کی خواہش تھی کہ اس خبر کو فی الوقت پوشیدہ رکھا جائے۔ وہ کسی اچھے وقت پر اس کا باقاعدہ اعلان کرنے کے حق میں تھی۔

ریاست شاہ نے اس کی یہ بات بھی تسلیم کر لی تھی اور اپنے خاص لوگوں کو ہی اس کا گواہ بنایا تھا۔ نجمہ کے گھر والوں' نکاح کے گواہوں اور نکاح خواں کے علاوہ اور کسی کو اس رشتے کا علم نہیں تھا۔

نجمہ بیگم نے اپنی والدہ اور گھر والوں کو خاص طور سے سمجھا دیا تھا کہ وہ کسی کو بھی اس واقعے کی ہوا نہ لگنے دیں اور یہی کہا جائے کہ وہ کسی کام سے شہر سے باہر گئی ہوئی ہے۔

رات اس نے اپنے خاوند ریاست شاہ کے محل نما قلعے میں بسر کی اور اگلے روز دوپہر کی فلائٹ سے وہ ہنی مون منانے پہاڑی علاقے کی طرف محو پرواز تھے۔

روانگی سے پہلے نجمہ بیگم نے اپنی ایک راز دار صحافی دوست کو فون کیا تھا۔ شاید اس نے اپنی اس خاص دوست کو جو مقامی اخبار کی صفحہ خواتین کی انچارج تھی۔ پہلے سے اس منصوبے کا حصہ بنا رکھا تھا کیونکہ ان لوگوں کی روانگی کے اگلے ہی روز اخبارات میں یہ خبر نمایاں تھی کہ مشہور سماجی راہنما محترمہ نجمہ بیگم صاحبہ ممبر اسمبلی سید ریاست شاہ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو چکی ہیں اور یہ شاید ایک ماہ پہلے انجام پائی تھی۔ اب دونوں ہنی مون منانے شہر سے باہر نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔

نجمہ بیگم نے اپنے انداز سے اپنی شادی کی خبر کو استعمال کر لیا تھا۔ اس نے آنے والے وقت کی ابھی پیش بندی کر لی تھی۔

ارسلان نے اس پر جو گہرا وار کیا تھا اس کے بعد سے نجمہ بیگم کی حالت تلملائی ہوئی ناگن جیسی ہو رہی تھی۔

اس کے اندر موجود ساری شیطانیت بیدار ہو چکی تھی۔

اور وہ جلد از جلد بہت کچھ کر گزرنا چاہتی تھی۔

○ ○ ○

عجیب حسن اتفاق تھا۔۔۔۔!

جس روز نجمہ بیگم اور ریاست شاہ کی شادی کی خبر شائع ہوئی تھی اسی روز ممبر سینٹ اور بھنڈر کی مطلقہ ذکیہ بیگم اور ممتاز سیاست دان ملک صاحب کی طرف سے ایک چھوٹا سا بیان اخبارات کو جاری کر دیا گیا تھا جس میں اخبار نویسوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ان کے متعلق غلط اندازے نہ لگائیں۔ دونوں نے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

لیکن۔۔۔۔!

جب وہ شادی کریں گے تو اپنے اخبار نویس دوستوں کو ضرور مدعو کریں گے۔

بھنڈر کا خون کھول اٹھا تھا۔

اس کی خاندانی غیرت کو للکارا گیا تھا۔

اس خاندان میں آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ ان کی طلاق یافتہ عورتیں دوبارہ شادی کر لیں۔

اور عورت بھی وہ جو بھنڈر کی سابقہ منکوحہ تھی۔

"ملک تم نے بالآخر مرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب معاملہ غیرت کا آ گیا ہے ملک! اب تم بچ نہیں سکو گے۔"

وہ دانت پیستا رہ گیا۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ بھنڈر نے فون اٹھایا اور حیران رہ گیا۔ دوسری طرف سے ارسلان مخاطب تھا۔

"بھنڈر صاحب بہت مدت کے بعد مجھے اپنے پرانے قرض چکانے کا موقعہ ملا ہے۔ میں آپ کو ایسی چیز دے سکتا ہوں جس سے آپ ملک صاحب کو برباد کر کے رکھ دیں گے۔ بھنڈر صاحب! میں گھر کا بھیدی ہوں اور لنکا کا بھید مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ تیار ہیں تو میں

ایک گھنٹے بعد فون کر کے ملاقات کی جگہ کا تعین کر لوں گا۔ آپ جانتے ہیں ملک میرے تعاقب میں ہے اور میں کتے کی موت مرنا نہیں چاہتا۔ آپ سوچ لیجئے۔ پھر ہم ملاقات کر لیں گے۔ خدا حافظ۔"

اس سے پہلے بدقسمتی سے اس کی ہر چال الٹی ہی پڑتی آئی تھی اور دودھ کا جلا اب وہ چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پینا چاہتا تھا۔ وہ انتقام کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ ملک کو ہر قیمت پر اس نے ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن وہ سانپ کے بل میں اس مرتبہ ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچنا چاہتا تھا۔

جب اسے یقین ہو گیا کہ ارسلان کا آج کل ملک سے کوئی تعلق نہیں رہا اور وہ اس کی سابقہ بیوی کا سیکرٹری بنا ہوا ہے اور ملک سے کنی کترا رہا ہے تو اس نے ملاقات کا فیصلہ کر لیا۔

اگلے فون پر دونوں نے ایک جگہ کا انتخاب کر لیا تھا۔ بھنڈر ملاقات کرنے اکیلا نہیں گیا تھا۔ اپنے باڈی گارڈ کو ساتھ لے گیا تھا۔ البتہ احتیاطاً اس نے گاڑی کسی دوست کی استعمال کی تھی اور اپنی شناخت چھپا کر شہر سے باہر اس ڈاک بنگلے پر پہنچا تھا جہاں ارسلان نے اسے بلایا تھا۔

دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے---!

"بھنڈر صاحب! میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ سیدھی سادی ایک "بزنس ڈیل" ہے۔ ملک ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہے اور میں نے اپنی محرومیوں کا قرض چکانا ہے۔ میرے سامنے صرف آپ کی شخصیت ہی ایسی ہے جو ملک سے ٹکرانے کے لیے موزوں ہے۔ آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ صوبائی لیگ سے ملک صاحب نے آپ کا پتہ کٹوا دیا ہے اور کل اس کا اعلان ایک ایمرجنسی پریس کانفرنس میں کر دیا جائے گا--- اندازہ کیجئے یہ کتنا خطرناک آدمی ہے جو ایک پارٹی کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکے۔ بھنڈر صاحب جو ہتھیار ملک کو ختم کر سکتا ہے وہ صرف میرے پاس ہے۔

اس نے بھنڈر کو نجمہ بیگم اور اس کا مال لے جانے والی طوائفوں کی کہانی اور لندن میں گرفتاری کے واقعات سنانے کے بعد ان کی تصدیق کرنے کے لیے ٹیلی فون نمبر بھی دے دیا' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ بھنڈر خود بھی اس کی تصدیق کر سکتا ہے۔

"برٹش انٹیلی جنس کو اس بات کا دستاویزی ثبوت آپ کے خادم کے ذریعے مل چکا ہے کہ نجمہ بیگم اس گینگ کی لیڈر ہے جس کی تین عورتیں پہلے ہی گرفتار ہو چکی ہیں۔ وہ جس روز ہنی مون سے واپس لوٹے' ہتھکڑیاں پکڑے انٹرپول کی پولیس اس کی منتظر ہو گی--- اس نے ہنگامی شادی اس عذاب سے بچنے کے لیے کی ہے لیکن بھنڈر صاحب کمال کی بات تو یہ ہے کہ

ملک صاحب بھی اس گروہ کے سرکردہ ممبر ہیں۔ گرفتار ہونے والی طوائف کے ساتھ ان کی فحش تصاویر میرے پاس موجود ہیں۔ ان تصاویر کی خبر ہمیں ملک صاحب کو ساری زندگی کے لیے جیل میں پہنچا دے گی وہاں ان کا سیاسی کیریئر بھی تباہ ہو جائے گا۔ ممکن ہے بعد میں وہ جیل سے رہا ہو جائیں لیکن سیاست سے ان کا جنازہ اٹھ جائے گا اور ہاں سب سے بڑھ کر یہ بات کہ پھر ڈکیہ بیگم ایسے ذلیل اور مجرمانہ ذہنیت کے حامل شخص کے ساتھ شادی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔ اب بھنڈر صاحب آپ نے دونوں باتوں کی تصدیق کرنی ہے۔ ایک تو اس خبر کی کہ لندن میں کیا حادثہ گزرا ہے اور دوسری آپ کے صوبائی لیگ سے اخراج کی۔ ہاتھ کنگن کو آر سی کیا۔ کل تک آپ کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ نجمہ بیگم کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔ انٹرپول نے اس کی گرفتاری میں حائل تمام پیچیدگیاں حل کر لی ہیں۔ اگر آپ نجمہ بیگم اور ملک صاحب والی تصاویر خریدنے میں دلچسپی رکھیں تو کل دو الاکھ روپیہ کیش لے کر یہاں آ جائیں۔ میری زندگی کی یہ وہ کمائی ہو گی جو اپنے ہمراہ لے کر میں روپوش ہو جاؤں گا اور پھر باقی زندگی کے دن گمنامی میں گزار لوں گا۔ اس وقت مجھے یہیں کہنا تھا۔ اب میں چلتا ہوں۔ خدا حافظ----!"

بھنڈر ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھتا رہ گیا اور وہ اس کی آنکھوں کے سامنے دور ہٹتا چلا گیا۔

زمین اور ماں

اگلے روز کے اخبارات کی سب سے دھماکہ خیز خبر ملک میں الیکشن کے انعقاد کا اعلان تھا۔ تین ماہ بعد الیکشن منعقد کیے جا رہے تھے اور مرکزی کابینہ توڑ کر نگران کابینہ تشکیل دے دی گئی تھی۔

صوبائی لیگ کے لوگ جانتے تھے کہ اس سے بہترین فضا مرکزی پارٹی کو الیکشن جیتنے کے لیے پھر کب میسر آ سکتی تھی کیونکہ حالات ہر طرح سے ان کے خلاف تھے۔

پارٹی کے سیانوں نے عوام میں پارٹی کی ساکھ برقرار رکھنے کے لیے بادل نخواستہ پارٹی کو ناپاک عناصر سے پاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا جس کا اعلان کرنے کے لیے دوپہر کو ہنگامی پریس کانفرنس منعقد کی گئی تھی۔ سارے شہر میں اس کانفرنس کے متوقع اہم اعلان پر بحث جاری تھی۔

دوپہر تک سسپنس برقرار رہا پھر ٹوٹ گیا۔ جب پارٹی کے صدر صاحب نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بھنڈر صاحب اور ان کے چار ساتھیوں کی پارٹی رکنیت ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بھنڈر گروپ کی زیادتیوں کی وجہ سے پارٹی چھوڑ کر جانے والوں سے اپیل کی کہ وہ وسیع تر ملکی مفاد کے لیے پارٹی میں واپس آ جائیں۔ ان پر پارٹی کے دروازے ہمیشہ کے لیے کھلے رہیں گے۔

جاننے والے جانتے تھے کہ اشارہ ملک صاحب کی طرف ہے۔ بھنڈر گروپ پریس کانفرنس میں بنفس نفیس موجود نہیں تھا' لیکن اس کے ساتھی پل پل کی خبر اسے پہنچا رہے تھے۔

جس طرح کھلے بندوں اس کی بے عزتی کی گئی تھی اور اسے پارٹی سے نکالا گیا تھا' اس حرکت نے اس کی آتش انتقام کو دو چند کر دیا۔ سہ پہر تک لندن والی کہانی کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اب بھنڈر انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اس نے آج ہی ارسلان کو منہ مانگی قیمت دے کر تصاویر خریدنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ اگلے روز ان تصاویر کے ساتھ پریس کانفرنس کر کے عوام کو بتانا چاہتا تھا کہ ان

شریف اور معزز ممبران کی اصلیت کیا ہے جنہوں نے بھنڈر کے غلط سلوک کی وجہ سے پارٹی چھوڑی اور جنہیں صوبائی لیگ والے واپسی کی دعوت دے رہے ہیں' ان کے کرتوت کیا ہیں؟

اس کا نتیجہ جو بھی نکلتا وہ اس کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

اس نے ملک کو ہر صورت تباہ کرنا تھا اور اس پارٹی کو بھی جس نے اس کی سیاسی ساکھ کو کوڑیوں کے مول بازار صحافت میں نیلام کر دیا تھا۔ اسے بھرے بازار میں ننگا کیا گیا تھا' پھر وہ چپ کیوں رہتا؟

غصے سے اس کے ہاتھ کی انگلی کانپ رہی تھی۔ جب اس نے ارسلان کے مہیا کردہ ٹیلی فون نمبر پر اس کے لیے رات ۸ بجے ملاقات کا پیغام چھوڑ دیا۔

رات کے ٹھیک آٹھ بجے ارسلان وہیں اس کا منتظر تھا۔

بھنڈر نے چپ چاپ بریف کیس اس کے حوالے کر دیا اور جواب میں تصاویر کا پیکٹ اسے ارسلان نے تھمایا تھا۔ ان کو دیکھ کر اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

بہت سستا سودا کیا تھا اس نے۔

ان میں سے تو ایک ایک تصویر کی قیمت دو لاکھ روپے تھی۔

"شکریہ دوست۔" بھنڈر نے پیکٹ واسکٹ کی جیب میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"بھنڈر صاحب میں کمزور آدمی ہوں۔ اس عفریت کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس کا نام ملک صاحب ہے' لیکن میں نے آپ کے ہاتھ میں وہ ٹائم بم تھما دیا ہے جو پھٹے گا تو ملک قصہ پارینہ بن کر رہ جائے گا---- مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی قیمت وصول کر رہا ہوں' لیکن میں غریب آدمی ہوں' مجبور ہوں۔ مجھے اس دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنا ہے اور نئی زندگی وسائل کے بغیر گزارنا مشکل ہے۔" ارسلان نے بڑے دکھی لہجے میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔

"ارسلان! میرے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے ہیں۔ جب لوٹنا چاہو' مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔----!" بھنڈر نے کار کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھنڈر صاحب بس اسے آخری ملاقات ہی جانیے۔ میں بھر پایا۔ بہت تلخ تجربات لے کر جا رہا ہوں۔ خدا آپ کو کامیابی نصیب کرے۔ خدا حافظ----!"

صبح کے اخبارات جس کہانی کے ساتھ شائع ہوئے تھے اس نے عوام کو چونکا کے رکھ دیا تھا۔

انٹر پول پولیس نے مقامی پولیس کی مدد سے مرکزی لیگ کے ممتاز سیاست دان کی سابقہ بیوی مسز نجمہ ریاست شاہ کو ملک کے ایک پہاڑی مقام کے ایئرپورٹ سے عین ان لمحات میں گرفتار کر لیا تھا جب وہ جہاز میں اپنے خاوند اسمبلی ممبر سید ریاست علی شاہ کے ساتھ سوار ہونے

جا رہی تھی۔ ملزمہ کی وہ ملازم ساتھی عورتیں جن کا تعلق بازار حسن سے تھا' اس کے مال سمیت لندن میں گرفتار ہو چکی تھیں اور انٹرپول کے علم میں یہ بات لائی گئی تھی کہ ملزمہ طویل عرصے سے یہ گھناؤنا کاروبار چلا رہی ہے۔ اس نے اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور ملک کے لیے رسوائی کا باعث بنی تھی۔

ملزمہ کے موجودہ خاوند سید ریاست علی نے بتایا کہ وہ نجمہ بیگم کے ماضی سے قطعی لاتعلق تھا اور ان کی شادی چند روز پیشتر ہی ہوئی تھی۔ اسے اب بھی اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی بیوی کا تعلق ڈرگ مافیا سے ہے۔

ملزمہ کے سابقہ خاوند ملک صاحب نے اس پر تبصرہ کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان دونوں میں علیحدگی ہو چکی ہے' لیکن اپنی ازدواجی زندگی کے دوران ان کے علم میں کوئی ایسی بات نہیں رہی۔

اس خبر کی اشاعت پر دنیا میں سب سے زیادہ مسرور شخص بھنڈر تھا۔

یہ خبر اس کے لیے عطیہ خداوندی تھی۔۔۔۔!

قدرت نے اس کا راستہ خود سے آسان کر دیا تھا۔ اب وہ اپنی مرضی کے میدان میں شکار کھیل سکتا تھا۔

کامیابی نے بڑھ کر اس کے قدم چوم لیے تھے۔

بھنڈر کے آدمیوں نے ملک کے ہر مقتدر اخبار کے رپورٹر کو اس پریس کانفرنس میں اکٹھا کیا تھا جہاں بھنڈر صاحب چونکا دینے والے حقائق کا انکشاف کرنے جا رہے تھے اور کچھ انقلابی فیصلے بھی۔

بھنڈر اپنے تین مسلح باڈی گارڈوں کے ساتھ پریس کلب میں پہنچا تو وہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ اخبار نویسوں سے دوگنی تعداد میں پارٹی ورکرز یہاں پہنچ چکے تھے۔

بھنڈر صاحب نے سب سے پہلے پارٹی کے کل کے فیصلے کو رد کرتے ہوئے فارورڈ بلاک کے قیام کا اعلان کیا جس کا پہلے سے وہاں موجود اس کے زر خرید چمچوں نے زبردست تالیاں بجا کر خیرمقدم کیا۔

"حضرات! اب میں آپ کو اپنے اس جرم کے دستاویزی اور عکسی ثبوت دینے جا رہا ہوں جن کی بنا پر پارٹی میں موجود سماج اور ملک دشمن عناصر میرے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ کیونکہ میں ان زیادتیوں کے خلاف احتجاج کرتا رہتا تھا جو ان کی طبع نازک پر گراں گزرتا تھا۔ آپ نے آج ملک صاحب کی سابقہ بیگم کے کرتوت اخبارات میں ملاحظہ فرما لیے ہوں گے۔ یہ وہی ملک صاحب ہیں جن کو ہماری پارٹی کے صدر صاحب واپس تشریف لانے کی دعوت دے

رہے ہیں۔

حضرات! ملک صاحب نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنی سابقہ بیگم صاحبہ کے کالے کرتوت سے قطعی لاعلم تھے۔ خدا کی پناہ یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ ڈرگ مافیا کا سب سے بڑا کرتا دھرتا یہی ملک صاحب ہے۔"

اتنا کہہ کر اس نے تصاویر کا بنڈل اپنے ایک ساتھی کو دیا جس نے اخبار نویسوں میں تصاویر بانٹنی شروع کر دیں۔

ان تصاویر نے پریس کانفرنس پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔

اچانک بھنڈر کی گونجدار آواز سنائی دی۔

"محترم اخبار نویس بھائیو! آپ ان تصاویر کے تمام کرداروں کو پہچانتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی تصویر جعلی یا فوٹوگرافر کا کمال ثابت ہو جائے تو مجھے اس شہر کے چوراہے میں پھانسی پر لٹکا دیجئے۔۔۔۔ بصورت دیگر ان مجرموں کو عدالت میں لائیے جو آپ کے رہنما بنے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنی جان پر کھیل کر ان کے کالے چہروں سے نقاب اٹھا دیئے ہیں۔ اب فیصلہ آپ کریں کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟"

بھنڈر صاحب کی پریس کانفرنس نے سنسنی پھیلا دی تھی۔

ملک صاحب کے پروردہ رپورٹر خبر اور تصاویر لے کر اڑتے ہوئے سیدھے ان کے حضور پہنچے تھے۔

نجمہ کی گرفتاری نے پہلے ہی ملک صاحب کے اعصاب توڑے ہوئے تھے اور انہوں نے بمشکل خود کو سنبھالا دیا تھا کہ یہ نئی بپتا آن پڑی۔

تصاویر دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو ملک صاحب بہوت ہو کر ہی رہ گئے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

زندگی میں بڑے بڑے آنار چڑھاؤ دیکھے تھے ملک صاحب نے۔۔۔۔ مشکلات و مصائب کے سنگلاخ پہاڑوں کو عبور کیا تھا انہوں نے۔

لیکن۔۔۔۔!

یہ عجیب صورت حال تھی۔

اس بری طرح وہ ٹریپ ہو گئے تھے کہ اب بچنے کی کوئی راہ دکھائی نہ دیتی تھی۔

نازنین کے ساتھ ان کی بیہودہ تصاویر۔

نازنین کا لندن میں ہیروئن سمیت گرفتار ہونا۔

نجمہ بیگم ان کی سابقہ زوجہ محترمہ کو بین الاقوامی پولیس نے نازنین کی گینگ لیڈر ہونے

کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا۔

اب وہ کس طرح اس الزام سے بچ پاتے۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا---- کہ بادی النظر میں انہیں بھی اس ڈرگ مافیا کا رکن نہ سمجھا جاتا جس کی سربراہ ان کی سابقہ بیوی تھی۔

اور اگر وہ اس الزام سے بچ بھی رہتے تو نازنین کے ساتھ ان کی تصاویر کا ذکر پریس میں آنے سے کوئی عقل کا اندھا ہی انہیں دودھ ڈالتا۔

ان کی کردار کشی کس بری طرح کی گئی تھی۔

"ملک صاحب آپ کا سیاسی بوریا بستر گول----!" کسی نادیدہ طاقت نے ان کے ذہن میں سرگوشی کی۔

اور سب سے بڑھ کر اب یہ کہ ذکیہ بیگم شاید اس کا نام سننا بھی گوارا نہ کرے۔ ایک رسوائے زمانہ شخص خواہ اس کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے رہا ہو--- اس معاشرے میں، خواہ یہ کیسا ہی گیا گزرہ معاشرہ کیوں نہ بن جائے، ناقابل معافی ہے۔"

"بھنڈر!" ملک صاحب نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "تیری یہ مجال! میں تیری بوٹیاں کتوں کے سامنے پھینکوا دوں گا۔"

غصے اور احساس ندامت سے ان کو اپنے دماغ کی رگیں پھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ان کے نمک خوار اخبار نویسوں نے پیشگی معذرت کر لی تھی۔ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ جناب والا اگر ہم یہ سکینڈل روک بھی لیں تو کیا ہوا؟ کوئی دوسرا اخبار اسے شائع کر دے گا اس ملک میں کوئی دو چار اخبار ہی تو نہیں چھپتے۔

"میں دیکھتا ہوں، کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

اب تک تین چار گولیاں اس نے اپنے دل و دماغ کو قابو رکھنے کے لیے زہر مار کر لی تھیں۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے ایک فون نمبر ملایا اور وہاں موجود شخص کو اپنے پہنچنے کی اطلاع دے کر فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ اپنی نئی کار میں اس طرف جا رہے تھے جہاں انہوں نے فون کیا تھا۔

○ ○ ○

یہ شہر کی ماڈرن آبادی کا ایک خاموش کونہ تھا جہاں ایک سربفلک عمارت کے سامنے پہنچ کر ملک صاحب کے ڈرائیور نے گاڑی روک لی۔ شاید کسی نے اندر سے انہیں دیکھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔ گاڑی برآمدے کے سامنے رکی تھی۔

ملک صاحب کا استقبال ان کے ایک "آف دی ریکارڈ" دوست نے کیا----!

یہ چوہدری صاحب تھے----!

چوہدری صاحب کا شمار ملک کے ان گنے چنے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا جو سیاسی پارٹیوں پر انویسٹ منٹ کیا کرتے تھے۔

ایک لگا کر دس کمانے والے چوہدری صاحب نے ملک صاحب کو پریشان دیکھا تو ان سے کئی گنا زیادہ پریشان نظر آنے کی اداکاری کرنے لگے۔

"نوید کو فوراً بلائیے۔" ملک صاحب نے ایک خصوصی آرام دہ کمرے میں داخل ہوتے ہی چوہدری صاحب سے کہا۔

نوید اسی گھر میں چھپا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے دو ساتھیوں سمیت وہاں موجود تھا۔

چوہدری صاحب ان کے لیے چائے پانی کا بندوبست کرنے چلے گئے جب کہ ملک صاحب نے ان تینوں سے خیرخیریت دریافت کرنا شروع کر دی تھی۔

"نوید میرے پاس وقت کم ہے۔ اب حق نمک ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ میں نے "اوپر والوں" سے اجازت لے لی ہے بلکہ یوں سمجھو کہ سودے بازی کر لی ہے۔ تم مانتے ہو کہ مرکزی پارٹی نے یہ الیکشن برسرصورت جیتنا ہے۔ اس حلقے سے ہمارے صدر صاحب کے کاغذات بھی "تکلفاً" داخل کیے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے وہ یہ سیٹ جیت کر چھوڑیں گے اور ضمنی انتخابات میں تم اسمبلی ممبر بن کر بچوں پر بیٹھو گے---- یہ طے شدہ بات ہے جس کا ثبوت تمہیں جلد ہی مل جائے گا---- نوید! میں اپنے دوستوں کا بھی اتنا ہی دوست ہوں جتنا اپنے دشمنوں کا دشمن۔ میں اپنے دوست اور دشمن دونوں کا آخری سرحد تک ساتھ دیتا ہوں۔ ہمیں یہ سیٹ اور تمہاری تمام مقدمات سے رہائی کی کچھ قیمت ادا کرنی ہے۔ میں آج رات یا کل صبح تک ٹیبل پہنچ جاؤں گا۔ اگلے دو روز کے اندر اندر تم بھنڈر اور ارسلان کو مار ڈالو۔ جس طرح بھی ممکن ہو۔ خواہ اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔ میں جانتا ہوں ارسلان آج کل غائب ہے لیکن وہ تمہاری نظروں سے چھپ نہیں سکتا۔ اس نے میری پیٹھ میں خنجر گھونپا ہے۔ آستین کا سانپ ثابت ہوا ہے وہ لونڈا۔ تم جانتے ہیں نے اس حرامی کو---- اس زمین پر رینگنے والے کیڑے کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچایا اور اس نے---- اور اس نے مجھ ہی کو ڈس لیا---- مار ڈالو---- اسے ہر صورت میں ڈھونڈ کر مار ڈالو اور دیکھو اسے آسان موت نہ مارنا۔ کتے کی موت مارنا

اسے---- سکا سکا کر---- بھنڈر کو البتہ رعایت دے دینا۔ بوڑھا آدمی ہے بے چارہ----!" ملک اور اس کے ہمراہیوں کے قہقہے ایک ساتھ بلند ہوئے تھے۔

ایک مودب ملازم "چائے پانی" گھسیٹتا اندر داخل ہو رہا تھا۔

ایک ٹرالی میں چائے کم اور "پانی" زیادہ تھا۔

چاروں اس "پانی" پر ندیدے کتوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔

ملک نے ایک کونے میں رکھے انٹرکام پر چوہدری صاحب سے بات کی اور تھوڑی دیر میں ایک بریف کیس ان تک پہنچ گیا۔

"دو لاکھ روپے ہیں یہ--- ابتدائی اخراجات۔ پانی کی طرح پیسہ بہا دو لیکن دونوں میں سے کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔" اس نے بریف کیس کھول کر نوید کے سامنے کر دیا۔

"ملک جی! ہم آپ کے نمک خوار ہیں۔ آپ کی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو کاٹنا ہمارا فرض ہے۔ بس آپ کو بہت جلدی خبر مل جائے گی---" نوید نے آج تک آپ کا کوئی حکم نہیں ٹالا۔" اس نے قہقہہ لگا کر بریف کیس بند کر دیا۔

ساری رات اس کوٹھی میں ملک صاحب اپنا غم غلط کرتے رہے۔ یہاں شراب اور شباب انہیں میسر تھے--- اور یہ حوصلہ بھی کہ وہ اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ اگر وہ اسمبلی میں نہیں جائیں گے تو پھر کوئی نہیں جائے گا۔ ان کے بغیر اسمبلی کیا' سیاست کیا اور حکومت کیا؟

دوسرے روز کے اخبارات نے لوگوں کو چونکا کر رکھ دیا--- ملک صاحب کا سکینڈل' بھنڈر صاحب کی پریس کانفرنس' نجمہ بیگم کے متعلق تازہ انکشافات!

ایسی ایسی سرخیاں جمائی تھیں اخبارات نے کہ لوگ ٹھرا کر رہ گئے--- ملک کے تمام دفاتر اور گھروں میں یہی معاملات زیر بحث رہے۔

بھنڈر کی گردن میں سریا فٹ ہو چکا تھا----!

اس کے ہمنوا اور بھتیجے اسے ہر طرف سے یہی "فیڈبیک" دے رہے تھے اس کا آزاد گروپ تمام سیٹیں جیت کر اسمبلی میں پہنچے گا۔

اس کے دستر خوان پر پلنے اور چند سکوں کی خاطر اس کے آگے پیچھے دم ہلانے والے سیاسی تجزیہ نگاروں نے اپنے کالموں میں ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اگلی اسمبلی میں کوئی حکومت بھنڈر گروپ کی مرضی کے بغیر برسراقتدار نہیں آ سکتی اور وہ جب چاہے حکومت کی ایسی تیسی کر کے رکھ دے گا۔

عین ان لمحات میں جب وہ اپنے کرم فرماؤں کی مبارکبادیں موصول کر رہا تھا۔ اس کے

پروردہ ایک بدمعاش نے بھنڈر کو ایسی خبر پہنچا دی کہ جوش مسرت سے بھنڈر پھٹنے کو آ گیا۔

"ملک کو پولیس نے گرفتار کر لیا---- جوڈیشل ریمانڈ پر جیل پہنچا دیا گیا ہے۔" بدمعاش نے بتایا۔

"ذات کی کوڑھ کرلی اور شہتیروں کو بھچے---- سالا! دو ٹکے کا کتا اور ہم جیسے خاندانیوں سے متھا لگانے چلا تھا----!" بھنڈر نے قہقہہ بلند کیا۔

"بھنڈر صاحب! قدرت نے سنہری موقعہ دیا ہے۔ میں تو کہتا ہوں اس کا نغمہ ہی ختم کروا دیں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ بھنڈر صاحب! دشمن کو کبھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے---- یہ بڑی پرانی جوتھ ہے۔ مرا ہوا ہاتھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ اس سالے کا پتہ نہیں کوئی اور ڈرامہ رچا کر دوبارہ ہیرو بن جائے---- بھنڈر صاحب! بادشاہو! ویسے تو آپ مالک ہیں لیکن ہم نے بھی زمانہ دیکھا ہے۔ بادشاہو! اگر موقعہ مل ہی گیا ہے....." بدمعاش کے مشورے نے بھنڈر کے دل کی دھڑکن دوچند کر دی تھی۔

"لیکن کیسے..... کیسے؟" اس نے بیقراری اور دھڑکتے دل سے دریافت کیا۔

"صرف دو لاکھ کا کھیل ہے بھنڈر صاحب۔ صرف دو لاکھ کا---- جیل کے اندر ہی مروا دیں گے سالے کو---- کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی---- بھنڈر صاحب فیتے کا چالان آج کل اسی جیل میں آیا ہوا ہے---- سمجھ گئے ناں آپ۔ سمجھدار ہو بادشاہو! آخر خاندانی سیاست دان ہو---- بھنڈر صاحب جیل میں الارم ہو گا اور ملک مارا جائے گا---- کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی اور آپ کی طرف تو کسی کا خیال تک نہیں جائے گا----- کیا سمجھے بادشاہو! آخر ہم آپ کے نمک خوار ہیں۔ ہم آپ کا بھلا نہیں سوچیں گے تو کون سوچے گا----!"

تجویز بھنڈر کے دل کو لگی تھی۔

ایسا سنہری موقعہ کب ملتا---- فیتا اس کے لیے جان پر کھیل سکتا تھا--- اور یہ تو منصوبہ ہی بڑا سیدھا سادا تھا۔ آج سے تین سال پہلے بھی انہوں نے اپنے گاؤں کے ایک میراثی کو جس نے بدمعاشی شروع کر دی تھی اور ان کے منہ کو آنے لگا تھا اسی طرح ایک اور جیل میں آدمیوں سے الارم کروا کے مروا ڈالا تھا۔

کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔

انکوائری----!

کمیشن بنا----!

اور بات آئی گئی ہو گئی۔

"جیسے میراثی کی طرح کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی بھنڈر صاحب۔"

بدمعاش کی نظریں بھنڈر کے نوٹوں پر تھیں۔

"ٹھیک ہے---- شام کو رقم لے لینا لیکن-----"

"بادشاہو! مالکو! بس اب لیکن ویکن کو جانے دو۔ اب ہمارے ہاتھ بھی دیکھنا۔ سالے کی تکا بوٹی نہ کروا دوں تو کہنا کہ اپنی کا جنا نہیں تھا۔"

شام کو بدمعاش نے رقم وصول کر لی۔

اگلے روز جیل میں اس نے فیتے قاتل سے ملاقات کر کے اسے آدھی رقم دی اور منصوبہ سمجھا دیا۔

معاملہ طے پا گیا----!

○ ○ ○

ارسلان کو انہوں نے ہر ممکن ذرائع سے تلاش کیا تھا' لیکن اس کا نام نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔

خدا جانے اسے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔

اس روز جب نوید کے ساتھی نے ملک صاحب سے جیل میں ملاقات کی تو ان کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

"حرام خورو! مجھے یہاں جیل میں رکھ کر خود گلچھرے اڑا رہے ہو۔ اگر وہ نہیں ملتا تو کیا تم اندھوں کو بھنڈر نظر نہیں آتا---- میں نے وکیل کو ضمانت سے روک رکھا ہے کہ پہلے ان دونوں کا ضمایا ہو جائے تو پھر ضمانت کرواؤں---- کل ہر صورت اسے مر جانا چاہیے ورنہ پھر....."

ملک کی تلخی اور دھمکی آمیز لہجے نے نوید کے ساتھی کے پسینے چھڑا دیئے تھے۔

"ٹھیک ہے ملک صاحب! پرسوں صبح کا سورج بھنڈر کے نصیب میں نہیں ہو گا۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ ہم تو چاہتے تھے چھوٹا کام پہلے ہو جائے۔"

"دفع ہو جاؤ اور کام مکمل کیے بغیر مجھے اپنی شکلیں نہ دکھانا۔"

اس نے واپسی پر جب یہ پیغام نوید کو پہنچایا تو وہ سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ واقعی اگر ملک نے اس وقت ان کے سروں سے ہاتھ اٹھا لیا تو پھر ان کی حالت ان آوارہ کتوں جیسی ہو جائے گی جنہیں کارپوریشن کے لوگ زہر دے کر مار دیا کرتے تھے۔

"یار کل بہرصورت بھنڈر کا کام ہو جانا چاہیے۔ تم آج رات مانجھے ڈکیت اور شرلی کو بلا

لاؤ۔ کل صبح وہ سیر کرنے کو نکلے تو سالے کا "بولو رام" کرا دو--- صبح صبح وہاں کون سی پولیس ہمارے لیے ناکے لگا کر بیٹھی ہو گی۔"

اگلے روز جیسے ہی جیل میں قیدیوں کی گنتی کھلی' ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ بی کلاس کے ساتھ والی بیرک میں قیدیوں نے لڑائی شروع کر دیا تھا۔ ایک قیدی نے جیل کی طرف سے تقسیم کی جانے والی سبزی میں سے کوئی شے نکال کر باقی قیدیوں کو دکھائی۔ اس کے ساتھ ہی قیدی گالیاں بکتے تنگر تقسیم کرنے والوں اور ان کے ساتھ موجود جیل کے عملے پر پل پڑے۔

چند منٹ ہی میں وہاں گھمسان کا رن پڑ گیا تھا۔

ساتھ والی بیرک کے قیدیوں نے بھی یہی عمل دہرایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگ جیل کے عملے کو گالیاں بکتے جیل کے چکر کی طرف آنے لگے۔

ملک صاحب بی کلاس کے احاطے میں ٹہل رہے تھے جب انہوں نے ایک طوفان بدتمیزی امڈتے دیکھا۔

اپنی لیڈری چمکانے کا یہ موقع وہ ہاتھ سے کیوں کھوتے' یہی سوچ کر وہ آگے بڑھے۔ چند منٹ بعد وہ قیدیوں کے اس گروہ میں پھنس کر رہ گئے۔ وہ یہ نہ جان سکے کہ یہ سارا ہنگامہ ان کے لیے ہی کیا گیا تھا---- اور اچانک ہی جو انہیں درجنوں قیدیوں نے نرغے میں لے لیا تھا۔ یہ بھی سوچی سمجھی سازش تھی----!

اس سے پہلے کہ ملک صاحب کی تقریر جاری ہوتی' ہجوم میں سے کسی نے زہریلا خنجر ان کے کلیجے میں اتار دیا۔ ملک صاحب پر یکے بعد دیگرے پندرہ وار کیے گئے تھے۔ ان کی چیخم چنگھاڑ پر کوئی کان کیا دھرتا۔

وہاں---- سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔

کیونکہ جیل کا الارم ہو گیا تھا۔

جیل سپرنٹنڈنٹ نے اپنی مدد کے لیے سول لائن سے گارڈ طلب کر لی تھی اور اب سینکڑوں ڈنڈہ بردار سپاہی اس طرف بھاگتے ہوئے آ رہے تھے۔

ایک طرف قیدیوں اور پولیس میں ہاتھا پائی ہو رہی تھی اور دوسری طرف ملک صاحب کی لاش قیدیوں کے پاؤں تلے روندی جا رہی تھی۔

جدھر جس کے سینگ سمائے' وہ اس طرف منہ اٹھا کر بھاگنے لگا۔ آدھ گھنٹے بعد جب ہنگامہ فرو ہوا تو جیل والوں نے دیکھا کہ پندرہ شدید زخمی قیدیوں کے ساتھ ساتھ ایک "مردہ قیدی" بھی موجود ہے۔

بی کلاس کے حوالاتی کی موت' وہ بھی خنجر کے زخموں سے۔ جیل والوں کے ہاتھوں کے

طوطے اڑ گئے۔

وہ جان گئے کہ مرنے والا کون ہے؟

انہیں یہ بھی سمجھ آ گئی کہ اسے "قتل" کرنے کے لیے یہ سارا کھیل رچایا گیا ہے۔

لیکن----!

اس کے قاتلوں کو کہاں تلاش کیا جائے؟

اس سوال نے انہیں چکرا کر رکھ دیا تھا۔

○ ○ ○

بھنڈر حسب معمول اپنے ایک اونگھتے ہوئے باڈی گارڈ اور ڈرائیور کے ساتھ سیر کرنے آیا تھا۔

اس کو اپنے بزرگوں سے یہی ایک اچھی عادت ورثے میں منتقل ہوئی تھی۔ یوں بھی اس کو ڈاکٹروں نے کہہ رکھا تھا کہ اس کی زندگی کی گاڑی اسی طرح چلے گی اگر وہ ہلکی پھلکی ورزش جاری رکھے ورنہ صرف دوائیوں سے کام چلتا نظر نہیں آتا۔

یوں بھی بھنڈر صاحب مستقبل کے وزیر بننے جا رہے تھے۔ اس لیے انہیں آج کل اپنی صحت کی کچھ زیادہ ہی فکر رہتی تھی۔

باڈی گارڈ بے چارے کی جان خواہ مخواہ عذاب میں آ گئی تھی۔ اس کی نیند کبھی قسط ہی سے پوری ہوئی تھی۔ آج کل تو وہ بڑی سنجیدگی سے استعفیٰ دینے کی سوچ رہا تھا۔

"الو کے پٹھے بندوق ہاتھ میں رکھا کرو۔ یہ گلے میں لٹکانے کے لیے نہیں دے رکھی تمہیں۔ ہر وقت اسے گلے کا ہار بنائے رکھتے ہو۔"

بھنڈر صاحب نے گاڑی سے باہر قدم رکھتے ہوئے باڈی گارڈ کو ڈانٹا۔ جس نے بندوق کو سکول کے بچوں کے بستے کی طرح گلے میں لٹکا کر ان کے لیے دروازہ کھولا تھا۔

جیسے ہی بھنڈر نے باغ کی طرف قدم بڑھایا۔ عذاب کی طرح ایک کار اس سے ٹکرا گئی۔

یوں لگتا تھا جیسے کار کو اناڑی چلا رہا ہے۔ جس سے اسٹیئرنگ پر قابو نہیں رکھا جا رہا تھا۔

لیکن یہ بڑا کھلاڑی ڈرائیور تھا----!

بھنڈر کو روند کر اس نے اچانک بریک لگائے۔ اس کے ساتھ ہی کار کے دروازے کھل گئے۔

تین مسلح آدمیوں نے جنہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔ زمین پر کراہتے بھنڈر اور

اس کے باڈی گارڈ پر گولیوں کا مینہ برسا دیا۔

دونوں چند لمحے ماہی بے آب کی طرح تڑپے اور ٹھنڈے ہو گئے----!

بھنڈر صاحب کی کار گولیوں سے چھلنی ہو گئی تھی---- ان کے ڈرائیور کو ایک ہی گولی نے زمین بوس کر دیا تھا اور یہی "زمین بوسی" اس کی زندگی بچا گئی کہ حملہ آور اسے مردہ سمجھ کر فرار ہو گئے۔

نیم مردہ ڈرائیور کو پولیس کی ایک گشتی کار نے اٹھایا تھا جنہوں نے قاتلوں کو فرار ہوتے تو دیکھ لیا تھا لیکن اس خوف سے کہ مجرموں کے پاس عموماً جدید اسلحہ موجود ہوتا ہے' مجرموں کا تعاقب نہ کیا ---- وہ لوگ تو زخمی کو بھی اللہ کے آسرے پر ہی چھوڑ کر اپنی راہ لیتے لیکن اس درمیان سیرگاہ میں موجود تین چار نوجوان جو گنگ کرتے وہاں پہنچ گئے تھے جنہوں نے پولیس کار دیکھ لی تھی۔

ایک مہربان پولیس افسر نے یہ ضرور کیا کہ کنٹرول کو مشتبہ کار کے فرار کی اطلاع دے دی۔ انہیں امید تھی کہ اب مجرم بچ نہیں پائیں گے۔

○ ○ ○

کمانڈر انچیف پر روز بروز دباؤ بڑھ رہا تھا۔ شمالی کمان کی رپورٹ ان کے سامنے رکھی تھی اور انٹیلی جنس ڈائریکٹر فائلیں سامنے رکھے بیٹھے تھے۔ اس سے پہلے کور کمانڈر کے ساتھ ان کی طویل میٹنگ ہو چکی تھی۔

"جناب والا! تمام شواہد آپ کے سامنے ہیں---- وطن فروش تو یہ لوگ پہلے سے تھے لیکن اس طرح بڑھ چڑھ کر ملک و قوم کی عزت اور وقار کی بولی لگائی جائے گی' اس کا تصور بھی ہم نے نہیں کیا تھا---- سرا تمام حالات آپ کے سامنے ہیں۔ غیر ملکی سفیروں کے ساتھ ان غداروں کی میٹنگز اور گفتگو کی ریکارڈنگ آپ نے سن لی۔ اب سے ایک گھنٹہ پہلے کی اطلاعات کے مطابق اب تک صرف شہروں کی حد تک ۲۳ سیاسی کارکن مختلف پارٹیوں کے مارے جا چکے ہیں---- کرفیو کے باوجود لوٹ مار کا سلسلہ جاری ہے۔ ہماری مجبوری ہے جناب والا کہ ہم اپنے عوام پر گولی نہیں چلا سکتے اور یہ سارے بندر اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انارکی میں روز بروز اضافہ کر رہے ہیں۔ آج تین پارٹیوں کی طرف سے ملک کے دارالحکومت میں جلوس نکالنے کے اعلانات کیے گئے ہیں جس سے با آسانی اندازہ لگایا جا سکتا کہ کیا ہونے والا ہے۔

جناب والا! بھنڈر اور ملک کے قتلوں سے جو سلسلہ شروع ہوا تھا' وہ رکتا نظر نہیں آ

رہا---- لوگوں میں مایوسی بڑھ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سرحدوں پر دشمن اپنے دباؤ میں اضافہ کر رہا ہے---- تخریب کاروں کی آمد جناب کے علم میں ہے۔ دشمن ہر روز نئے "لانچنگ پیڈ" تیار کر رہا ہے۔ ہمارے لیے ایک ہی وقت میں دشمن افواج اور سیاستدانوں پر نظر رکھنا مشکل ہوتا جا رہا ہے---- دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر خطرناک ثابت ہوئے ہیں جناب والا!"

اتنا کہنے کے بعد انٹیلی جنس ڈائریکٹر نے باری باری فائلیں کھول کر کمانڈر انچیف کو پڑھانی شروع کر دیں۔

ہر فائل کے مطالعے کے بعد ان کے ماتھے پر ایک اور بل آ جاتا۔ ان کی کنپٹیوں کے پٹھے ابھرنے لگے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے کمانڈر انچیف نے اپنے اندر مچلتے طوفان کو زبردستی دبا رکھا ہو---- انہوں نے اپنے اظہار کے سامنے ضبط کا جو بند باندھ رکھا تھا' وہ بالآخر ٹوٹ گیا۔ جب ان کی موجودگی میں دو پارٹیوں کے جلوسوں کے آپس میں ٹکرا جانے کی اطلاع وہیں موصول ہو گئی۔

ملٹری انٹیلی جنس کے مستعد اہلکار ایک لمحے کی رپورٹ اپنے افسران اعلیٰ تک پہنچا رہے تھے۔

کمانڈر انچیف نے چند منٹ کی مزید کارروائی کے بعد اجلاس ملتوی کر دیا۔ انہوں نے اگلے روز شام کو تمام کور کمانڈرز کو خصوصی میٹنگ کے لیے طلب کر لیا تھا۔

میٹنگ سے فراغت پر کمانڈر انچیف سیدھے وزیراعظم سے خصوصی ملاقات کے لیے گئے تھے۔ انہوں نے تین گھنٹے تک وزیراعظم اور ان کی نگران کابینہ کو بریفنگ دی اور ان سے اپیل کی کہ وسیع تر ملکی مفاد کے پیش نظر وہ لوگ اپنی ذاتی خواہشات اور ترجیحات ایک طرف رکھ کر ملک میں امن و امان کی فضا قائم رکھنے پر توجہ صرف کریں۔ انہوں نے حکومت کو تفصیل سے دشمن افواج کی نقل و حرکت سے مطلع کر دیا تھا۔

لیکن----!

وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی باتیں لوگوں کے سر سے ہی پھسل جاتی ہیں۔ تین گھنٹے کی طویل میٹنگ میں انہوں نے حکومت کے منہ سے سوائے اپوزیشن کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کے اور کچھ نہیں سنا تھا۔ یہ لوگ حالات کی تباہی کی ساری ذمہ داری اپوزیشن پر ڈال رہے تھے۔

کمانڈر انچیف اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب وزیراعظم ہاؤس سے رخصت ہوئے تو انہیں خاصی مایوسی کا سامنا تھا۔

اسی روز شام کو انہوں نے اپوزیشن رہنماؤں سے الگ ملاقات کی۔ ہر لیڈر تباہی کی ذمہ داری دوسرے پر ڈال رہا تھا۔ ان میں زیادہ تعداد ان لیڈرانِ اکرام کی تھی جو مخالفین کے خلاف زہر افشانی کرتے کرتے کمانڈر انچیف صاحب کو اعتماد میں لے کر مارشل لاء لگانے کا مشورہ دیتے اور اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے ان سے درخواست کرتے کہ جب مارشل لاء لگ جائے تو انکی خدمات سے ضرور استفادہ کیا جائے اور مہمان وزارتوں یا دیگر اعلیٰ سول انتظامی عہدوں پر فائز کیا جائے۔

کمانڈر انچیف صاحب ان کی مشروط پیش کش کا مسکرا کر شکریہ ادا کر دیتے۔ وہ جانتے تھے کہ جو لوگ اس طرح کی پیشکش کر رہے ہیں ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جو عام حالات میں اپنے حلقے سے منتخب ہو کر اسمبلی میں بھی نہیں پہنچ سکتے۔

اگلے روز کور کمانڈرز کے ساتھ کمانڈر انچیف کی انتہائی خفیہ میٹنگ جو شام ڈھلے شروع ہوئی تھی' صبح ہونے تک چلتی رہی۔

ملکی حالات کا سب نے تفصیلی جائزہ لیا۔ خدمات اور ممکنہ خطرات کی نشاندہی اپنی بصیرت کے مطابق کی۔ آدھی رات تک وہ لوگ کچھ عرصے کے لیے ملک میں مارشل لاء نافذ کرنے پر اصولی طور پر رضامند ہو چکے تھے۔

صبح ہونے تک انہوں نے مارشل لاء کی صورت میں ممکنہ رد عمل اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔

میٹنگ کے خاتمے پر جب کور کمانڈرز اپنے اپنے ہیڈ کوارٹرز کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو سول انٹیلی جنس کے اہلکاروں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔

وزیراعظم کو سول انٹیلی جنس کے سربراہ نے جو ان کے دست راست بھی سمجھے جاتے تھے' اگلے چوبیس گھنٹوں میں کسی بھی ممکنہ اور "انتہائی اقدام" کی اطلاع دے کر ان کی نیند حرام کر دی تھی۔

جب وزیراعظم صاحب اپنی کابینہ سے رابطہ کر رہے تھے عین ان لمحات میں سول انٹیلی جنس کے کچھ افسران اپنا مال و متاع سمیٹ کر بیرون ملک فرار کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لیے ہر غیر قانونی حربہ روا رکھا تھا۔ اپنی حدود اور قانونی اختیارات کا ناجائز استعمال کیا تھا اور جو جانتے تھے کہ محاسبے کا خوفناک اژدہا انہیں ضرور نگل جائے گا۔

○ ○ ○

رات گئے کابینہ کا ہنگامی اجلاس چل رہا تھا۔ جب وزیراعظم کو ان کے سیکرٹری نے براہ راست اطلاع دی کہ دارالحکومت پر فوج نے یلغار کر دی ہے اور ٹینکوں اور فوجی ٹرکوں کو وزیراعظم ہاؤس کی طرف بڑھتے دیکھا گیا ہے۔

وزیراعظم صاحب نے لپک کر فون اٹھایا کہ سول انٹیلی جنس کے سربراہ سے رابطہ کر کے حالات کی اصلیت جاننے کی کوشش کریں لیکن فون ڈیڈ تھا۔۔۔۔!

"دوستو! خود کو آنے والے حالات کے لیے تیار کر لو۔ فوج نے گھیرا ڈال لیا ہے۔" وزیراعظم نے بڑی ہمت سے اپنے ساتھیوں کو باخبر کیا جن کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"افسوس ہماری بداعمالیوں نے ہمیں یہ دن دکھائے۔" ایک وزیر صاحب نے گوہر فشانی کی۔

وہ لوگ میٹنگ روم میں سر جھکائے بیٹھے تھے جب فوج کے دو مسلح افسران وہاں آ گئے جنہوں نے بڑے مؤدبانہ لہجے میں انہیں مارشل لاء کی اطلاع دے کر خود کو "ہاؤس اریسٹ" سمجھنے کی درخواست کی۔ انہیں بتایا گیا کہ ان کی حفاظت کے لیے فوج انہیں کچھ دن اپنی نگرانی میں رکھے گی۔

ساری کابینہ ہونقوں کی طرح فوجی افسران کے احکامات سنتی رہی۔ کسی نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

سب نے خود کو ستم ظریفیِ حالات کے سپرد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

○ ○ ○

ارسلان نے ملک میں مارشل لاء لگنے کی خبر ہمسایہ ملک کے ایک ہوٹل میں پڑھی اور ٹی وی کی خبروں میں سنی اور دیکھی تھی۔

اسے ملک سے فرار ہوئے آج دس روز ہونے کو آئے تھے۔ اپنے ملک سے براہ راست یورپ جانے کی بجائے اس نے مختلف ممالک کی سیر کرتے ہوئے یورپ پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"تم اسی قابل تھے حرام خورو! تم انسان نہیں' انسانوں کے روپ میں بسنے والے درندے ہو' کاش تمہارے لیے خدا کا کوئی خصوصی عذاب مقرر اور متعین ہو جائے اور میری بدقسمت قوم تم سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لے۔" اس نے دل ہی دل میں سیاست دانوں کو مطعون کیا۔

ہمسایہ ملک سے امریکہ پہنچنے تک کی کہانی تین ماہ پر محیط تھی۔ اس کے پاس زاد راہ بہت تھا۔

سارا سرمایہ اس نے محفوظ کر لیا تھا۔

لندن میں وہ اپنی جس شناخت کے ساتھ داخل ہوا تھا اس کا علم سوائے اس کے کسی اور کو نہیں تھا۔ اپنے ماضی کے ہر حوالے سے اس نے ناطہ توڑ لیا تھا۔

اب اسے نئی پہچان کے ساتھ زندگی کا آغاز کرنا تھا۔ اس نے امریکہ میں اپنی جڑوں سے کٹ کر جینا شروع کیا تھا۔

"وہ "منی پلانٹ" بن گیا تھا۔

خود رو درخت۔۔۔۔!

ایسا پودا جسے بڑے لوگ سجاوٹ کے لیے اپنے کمروں میں گملوں میں لگایا کرتے تھے۔

بغیر پھل پھول اور خوشبو کے اسے صرف اپنے وجود سے لپٹے پتوں کے ساتھ جینا تھا۔

مائیکل کو اس نے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ بہت کچھ مائیکل نے خود سمجھ لیا تھا۔ اس نے ایک اور شناخت کے ساتھ ارسلان کو امریکہ پہنچایا تھا۔

اب اس کے رابطے شمالی امریکہ کے مافیا سے استوار تھے۔ اب اس کی حیثیت ایک "پانڈی" والی تھی۔

مال یہاں سے وہاں لے جانا' سودے کرنا مال پہنچانا اور اپنی کمیشن وصول کرنا۔

اس نے کیلی فورنیا کے شہر فرانسسکو میں اپنا گھر بنا لیا تھا۔۔۔۔ عیاشی کا ہر سامان اسے میسر تھا۔ اس نے خود کو شراب شباب تک محدود کر لیا تھا۔ زندگی کو اس نے کسی تیسرے حوالے سے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

جب کبھی گمشدہ محبتیں' زمینیں' لوگ اور حوالے یاد آتے تو وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگا کر خود کو غرق سے کر لیتا۔ اب تک دو مرتبہ اس نے خطیر رقم اپنی بہن کو اپنا پتہ دیئے بغیر پہنچا دی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کبھی ایک کوڑی اس سے وصول نہیں کرے گی لیکن بیوہ بہن کی بات اور تھی۔

اسے اپنی بہن کے بیوہ ہونے کی اطلاع اسی ملک میں ملی تھی۔ نجانے کیوں ابھی تک وہ اپنے گھریلو حالات سے باخبر رہتا تھا۔۔۔۔ حالانکہ اسے اب ایسا نہیں سوچنا تھا۔ اس نے سوچا۔

لیکن۔۔۔۔!

ہر سوچ کو روبہ عمل لانے پر اسے اختیار نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ اسے اپنے آپ سے بے خبر رہنے کی عادت سی پڑ گئی۔ اب اس کا مقصد سوائے اپنے "نافیا" کے احکامات کی تعمیل کرنے اور زندگی کی گاڑی جیسے تیسے گھسیٹنے کے اور کچھ نہیں رہا تھا۔

○ ○ ○

اس روز بھی وہ اپنے کام کے سلسلے میں ہی نیویارک گیا تھا جب اچانک اس کا ماضی تمام تر وحشتوں سمیت اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

ہما اکبر علی شیروانی زندگی کی سب سے بڑی سچائی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

خوش بختی کا پرندہ!

خوش قسمتی کی علامت!

بادشاہت بخشنے والی ہما!

اور اپنی آگ میں جل کر بھسم ہونے والا ہما!!

ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے موجود تھا۔

اس نے زندگی کی تمام تر واقعیت کے ساتھ ہما کے قرب کو محسوس کیا جس کی گہری ہادای آنکھوں میں اسے دیکھ کر نمی اتر آئی تھی۔

خود ارسلان نے محسوس کیا تھا کہ وہ دس سال پہلے والا تھرڈ ایئر کا طالب علم بن گیا ہے۔ یونیورسٹی کی گراؤنڈ' روشیں' راستے' کلاس روم' ہوسٹل کے کمرے' اس کا ماضی' ایک ایک حوالہ' ایک ایک سچائی ہولے ہولے نشتر کی طرح اس کے سینے میں اترنے لگی۔

وہ ہما اکبر علی پر سے نظریں ہٹانا نہیں چاہتا تھا لیکن اپنے گالوں پر آنسوؤں کی گرمی محسوس کر کے اس نے منہ شیشے کی اس دیوار کی طرف پھیر لیا جس کے پار نیویارک کے سارے مناظر ریک رہے تھے۔

دھند چھٹ رہی تھی لیکن اسے شیشے کی دیوار کے پار دیکھنا محال ہو رہا تھا۔

ہما اکبر علی نے اب تک تین چار مرتبہ اپنی آنکھیں پونچھی تھیں۔

لیکن----!

وہ پتھر کا بت بنا اسے دیکھتا رہا۔

"اب جو اس نے میز پر رکھے ٹشو پیپرز کو اکٹھا کر کے اپنی آنکھوں پر جمایا تو ہما اکبر علی کے ہونٹوں پر آنسوؤں سے بھیگی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم نے رونے کی عادت کب سے ڈالی ہے؟" اس نے ارسلان سے کہا۔

"زندگی کا ہر عمل اختیاری نہیں ہوتا ہما!!"

"کاش تم نے یہ بہت پہلے جان لیا ہوتا---- کاش!"

دونوں بڑے محتاط انداز میں اپنے ماضی پر تبصرہ کر رہے تھے۔ ہما نے اسے بتایا تھا کہ وہ ں کی ماں ہے اور اس کا خاوند یہاں بزنس کرتا ہے۔ وہ اکثر یہاں کافی پینے چلی آتی ہے۔ ی معمول کے مطابق آئی تھی اور اب اسے سکول سے بچوں کو لینے جانا ہے۔ اس کی گاڑی بھی پارکنگ میں موجود تھی۔

ہما نے اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا لیکن وہ سب کچھ جان گئی تھی۔ دونوں پارکنگ کی ف جا رہے تھے جب اچانک ہی ہما نے اس کی طرف دیکھا۔

"ارسلان تم میری بات تو نہیں مانو گے لیکن میں تم سے پھر التجا کرنے لگی ہوں کہ لوٹ ؤ۔ ارسلان المیہ یہی ہے کہ تم بہت تیز چلتے ہو اور بہت آگے نکل جاتے ہو---- ارسلان! ئی درخت اپنی جڑوں سے کٹ کر نہیں جی سکتا ... تمہیں قدرتی اور مصنوعی درخت کا فرق مریکہ میں آکر تو ضرور معلوم ہو گیا ہو گا---- بے شناخت لوگوں کو مصنوعی درختوں کی طرح ل نہیں لگتا۔ پھول نہیں آتے۔ ان کی خوشبو نہیں پھیلتی۔ ارسلان! میں نے بھی زندگی میں ب کچھ دیکھ کر' یہ سب کچھ سیکھا ہے۔ ہم مشرقی لوگ اپنی شناخت سے کٹ کر کیسے جی سکتے ہیں---- تم واپس چلے جاؤ۔ اپنے لوگوں میں' اپنی ماں کے پاس۔ میرا دل کہتا ہے وہ تمہیں ضرور معاف کر دے گی۔ یہ زمین اور ماں کا رشتہ بہت مضبوط ہوتا ہے۔ بہت مضبوط۔ ہماری سوچ سے بھی زیادہ....." اس کی آواز بھرا گئی۔

ارسلان خاموش رہا----!

پارکنگ آگئی تھی۔ ہما اپنی کار کا دروازہ کھول رہی تھی۔

"مجھے اب جانا ہے۔ میرے بچے میرے منتظر ہوں گے۔ تمہاری ماں بھی تمہاری منتظر ہو گی---- ارسلان! اگر ماضی میں یا آج میرے اور تمہارے درمیان کوئی ذہنی رابطہ رہا ہے تو میں التجا کر رہی ہوں کہ آج میری بات نہ ٹھکرانا۔"

"ہاں ہما! میں واپس جا رہا ہوں۔ اپنی زمین کی طرف' اپنی ماں کی طرف' میں اپنے ملک میں جا کر اپنے سارے گناہوں کا اقرار کر لوں گا۔ اپنی ساری سزا پوری کروں گا---- بہت بھاگ لیا۔ تم مطمئن رہنا میں واپس چلا جاؤں گا --- میں نے کہا ناں کہ ہمارا ہر عمل اختیاری کہاں ہوتا ہے۔ ہما مجھے حافظ عابد نے بتایا تھا کہ خوش بختی کی یہ علامت جس کا نام ہما ہے' مجھے بادشاہ تو بنا دے گی لیکن میری نہیں بنے گی۔ کاش میں نے حافظ عابد کی بات سمجھ لی ہوتی---

خیرا اب تو پلوں کے نیچے سے بہت پانی بہہ گیا۔ مجھے علم نہیں کہ زندگی میں دوبارہ ہم پائیں گے نہیں، لیکن امید ضرور ہے کہ ہم دوبارہ ملیں گے۔ تب میرا چہرہ بے شناخت گا۔ تب میں اپنے تمام حوالوں کے ساتھ تمہارے سامنے آؤں گا۔ اچھا تمہارے بچے تمہارے منتظر ہوں گے۔ خدا حافظ۔ الوداع۔۔۔۔!"

اس نے سسکیاں بھرتی ہما اکبر کی طرف دیکھا اور منہ دوسری طرف موڑ کر چل دیا۔

اس مرتبہ وہ بڑے اعتماد سے قدم اٹھا رہا تھا۔ اسے آج ہی اپنے ملک کے لیے جہاز کا ٹکٹ خریدنا تھا۔ اس نے اپنی شناخت تلاش کر لی تھی۔ اپنی گمشدہ جنت کا نشان پا لیا تھا۔

اپنا ملک۔۔۔۔!

اپنی زمین۔۔۔۔!

اپنی ماں۔۔۔۔!

جہاں کے سارے منظر اس کے تھے۔

سارے حوالے اس کے تھے۔۔۔۔!!

۱۳ اگست ۱۹۹۱ء